حقیقت محمدیہ ﷺ (وحدت الوجود)

(خطبہ ودعا برائے مدرسہ سراج العلوم، خانپور کے بعد)

☆ محترم حضرات! اس پرفتن دور، جس میں حق باطل نظر آتا ہے اور باطل حق، انشاء اللہ! میں کوشش کروں گا کہ حق کو حق کر دکھاؤں اور باطل کو باطل۔ اگرچہ میں نے ساری زندگی یہی کیا ہے، مگر میری یہ تقریر ساری کارکردگی کا خلاصہ ہوگی۔ کلمہ طیبہ "لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کے کیا معنی ہیں؟

☆ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں۔"

☆ یہ کلمہ طیبہ دین کی بنیاد ہے۔ یہ کلمۃ التوحید ہے۔ یہ کلمہ وہ اصل جوہر ہے کہ اگر ہم میں ہے تو ہم ہیں۔ اگر ہم میں نہیں تو ہم نہیں۔ گویا ہم ہلاک ہو گئے۔

☆ میں "لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ" کے معنی آپ پر واضح کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی عبادت کے لائق نہیں، کوئی پوجا کے لائق نہیں، کیا مطلب؟ کہ اللہ کی ذات مقدسہ وحدت کی صفت سے اور عدم شرکت سے متصف ہے۔ اگر کوئی اس کی ذات میں شریک ہو تب بھی "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کی نفی ہوگی اور اگر کوئی اس کی صفات میں شریک ہو تب بھی "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کی نفی ہوگی۔

☆ میں آپ سے عرض کروں کہ اللہ کی ذات کا تعقل اور تصور وجود صفت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ صفت کے سہارے ذات، ہمارے تصور میں آئے گی اور پھر ہم کوئی حکم لگائیں گے کہ اس کا کوئی شریک ہے یا نہیں۔

خدا کی پہلی صفت

☆ خدا کی سب سے پہلی صفت وجود ہے، اب لوگ وجود کے معنی نہ سمجھیں تو ہم کیا کریں۔ لوگ جسم، اعضاء، ہاتھ، پاؤں، کھال، گوشت پوست، ہڈیاں، خون، جن سے ہمارے بدن کی ترکیب ہے، وجود کے معنی سمجھتے ہیں۔ خدا کی قسم! لوگوں نے "عدم" کو "وجود" اور "وجود" کو "عدم" سمجھ لیا۔

☆ اصل میں وجود کے معنی ہیں "الوجود شدن" "ہونا" "ہست اور نیست" وجود اور عدم۔ عدم کے معنی نہ ہونا ہیں تو ذات کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ موجود ہے۔ یعنی وہ ہے۔ ذات کے اوپر ہونے کا جو حکم ہے یہ اس کی صفت وجود سے ہے۔

☆ دیکھئے زید "ہے" یا زید "نہیں ہے" تو پتہ چلا "ہونا" بھی زید سے الگ صفت ہے اور "نہ ہونا" بھی زید سے الگ صفت ہے کیونکہ ہم نے زید پر "ہونے" اور "نہ ہونے" کا جو حکم لگایا، زید پر لگایا۔ معلوم ہوا کہ "ہونا" زید کی ذات نہیں ہے بلکہ وہ زید کی صفت ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ وہ صفت "عین ذات" ہے یا "غیر ذات" ہے۔

صفات الٰہیہ

☆ میں خدا کی "ذات" اور خدا کی صفت "وجود"، دونوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ اگر صفت وجود پر ایمان نہ ہو تو نہ میں خدا کو "سمیع"

خطبات غزالی زماں جلد 3	صفحہ
حقیقت محمدیہ	1
آمد محسن اعظم کا بیان	11
نعمت کبری	17
امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ	24
قرب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم	37
انا عطینک الکوثر کی تشریح	39
اسلامی معاشرے میں طلبہ کا کردار	46
نور مبین	56
حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	64
اسلام دین فطرت ہے	79
سفر نامہ حجاز مقدس	85
انجمن طلبہ اسلام سے خطاب	90
محبت رسول	100
مقربین خدا	110
فضائل مدینہ	118
دیدار مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم	123
سیدنا فاروق اعظم	130
لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا کی تشریح	138
نظام مصطفی میں حدیث کی آئینی حیثیت	143
ان کنتم تحبون اللہ کا تیسرا پہلو	154

مان سکتا ہوں اور نہ "بصیر" نہ "قدیر" مان سکتا ہوں، نہ "علیم" نہ "حیی" مان سکتا ہوں نہ "متکلم"۔ میں خدا کی کسی صفت پر ایمان نہیں لا سکتا، جب تک میں خدا کی ذات کو اس کی صفت "وجود" کے ساتھ نہ مان لوں۔

وجود صفت عین ذات ہے

☆ اب رہا "وجود" کہ وہ عین ذات ہے یا غیر ذات۔ بس ذات کا "ہونا" ہی یہی اس کا ہونا ہے۔ ہم صفت "وجود" کو "غیر ذات" نہیں مانتے بلکہ "صفت وجود" کو "عین ذات" مانتے ہیں۔ گویا "ہونا" تو عین ذات ہے۔

شبہ

☆ اب اگر آپ یہ کہیں کہ ہونا اللہ کا بھی ہے اور غیر اللہ کا بھی۔ تو آپ نے ہونے میں دوسروں کو شریک کر لیا۔ کیونکہ وہ اپنی ذات و صفات دونوں میں لاشریک ہے۔ گویا نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے، نہ اس کی صفات میں۔ اگر ہم غیر اللہ کے وجود کا قول کرتے ہیں تو ہم خدا کی صفات میں بھی غیر خدا کو شریک مانتے ہیں اور پھر وہ وجود جو خدا کی صفت ہے وہ کیونکہ عین ذات ہے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہم نے خدا کی صفات میں بھی خدا کا شریک مانا اور خدا کی ذات میں بھی خدا کا شریک مانا۔

توحید کا پہلا نکتہ

☆ توحید کا پہلا مرتبہ، مقام اور نکتہ یہ ہے کہ "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جب تک ہم تسلیم نہ کریں کہ خدا کی صفتِ وجود میں کوئی دوسرا شریک نہیں، اس وقت تک خدا کی توحید کا اعتقاد ہمارے اندر پیدا نہیں ہو سکتا۔

☆ اب آپ یہ کہیں گے کہ خدا کے سوا کوئی وجود نہیں تو یہ ساری کائنات کا وجود نہیں ہے۔ یہ زمین ہے، یہ آسمان، یہ سورج اور چاند، یہ چرندے ہیں اور پرندے، یہ خیر کا وجود ہے اور یہ شر کا۔ یہ نور کا وجود ہے اور یہ ظلمت کا ان سب اشیاء کو وجود کیسے نہ مانیں۔ یہ سب وجود رکھتی ہیں۔

شبہ کا ازالہ

جواب ☆ خدا کی قسم! وجود سوائے خدا کے کسی کا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام حقائق کائنات کو اپنے وجود کا آئینہ بنا دیا۔ خیر و شر کا وجود............صفت وجود کے بعد اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات ہیں۔ وہ ہادی ہے "وَاللّٰهُ یَهْدِی" ہدایت کرنا اس کی صفت ہے۔ جلال بھی اس کی صفت ہے، جمال بھی۔ جس قدر خیر آپ کو نظر آئے گی، وہ اس کی صفت جمال کا ظہور ہو گی اور جس قدر آپ کو شر نظر آئے گا، وہ اس کی صفت جلال کا ظہور ہو گا۔ شر کا یہ کوئی وجود نہیں ہے۔ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ

☆ محترم حضرات! حضراتِ اولیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فلسفے کو ہم نہیں سمجھ سکے۔ "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ" کے معنی و مفہوم کو انہوں نے سمجھا اور انہوں نے بتایا کہ نہ کوئی خدا کی ذات میں شریک ہے اور نہ کوئی خدا کی صفات میں اور خدا کی پہلی صفت "وجود" عین ذات ہے۔ تو ہم کسی کو "صفت وجود" میں شریک نہیں مانتے۔ گویا ہم کسی کی "صفت وجود" کے قائل ہی نہیں اور اعلان

کرتے ہیں کہ "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ"

☆ اب ان تمام حقائق کائنات کا وجود کیا ہے؟ یہ وجود حقیقی نہیں ہے۔ یہ "وجود" مجازی ہے۔ "حقیقت وجود" تو سوائے وجود واحد کے ہے ہی نہیں۔ باقی جس قدر آپ کو تعدد نظر آ رہا ہے، یہ حقیقی وجود نہیں ہے بلکہ یہ "حقیقت واحدہ" کی تجلیات کا ظہور ہے۔ کہیں اس کے جلال کا ظہور ہے، کہیں اس کے جمال کا، اس کے سوا کسی چیز کا وجود ہی نہیں۔

☆ اس کے لئے میں ایک حدیث قدسی کا حوالہ دیتا ہوں۔ اس حدیث کو ہم سے الجھنے والے بھی مانتے ہیں کیونکہ یہ تمام کتب احادیث میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان اقدس پر فرماتا ہے۔

آئینۂ حق نما

کنت کنزًا مخفیًا فاحببت ان اعرف

ترجمہ☆ "میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے اس بات کو محبوب رکھا کہ پہچانا جاؤں"

تو فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

ترجمہ☆ "تو میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا"

☆ تو پتہ چلا، اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کی ذات جو "کنزًا مخفیًا" کا مصداق ہے، وہ کون سا مقام ہے (ان کو سمجھنے کے لئے) مراتب وجود کو سامنے لائیے۔ مراتب وجود چھ ہیں۔

ا: "وجود" کا پہلا مرتبہ ہے "احدیت" اور یہ وہ مقام ہے، جہاں "کنت کنزًا مخفیًا" صادق آ رہا ہے، یہاں خفا ہی خفا ہے، پوشیدگی ہی پوشیدگی ہے۔ یہاں کسی چیز کے ظہور کا نام ونشان نہیں۔ میرا ہونا مرتبہ احدیت میں تھا، مخلوقات تو درکنار، ذات بھی مخفی تھی۔ پھر میری ذات نے احدیت کے مرتبہ سے تنزل فرمایا تو دوسرا مقام "مرتبۂ وحدت" میں ظہور فرمایا۔

۲: احدیت سے وحدت میں ظہور ہوا اور "کنت کنزًا مخفیًا" کا پہلا خفا دور ہوا۔ پہلا خفا! کیا مطلب؟ ذات کا تعین ہوا۔ وہاں ابھی صفات کا پتہ نہیں اور اس مقام "وحدت" کا نام تعین اول ہے اور صوفیاء کرام نے اسی مقام "وحدت" کو حقیقت محمدی سے تعبیر کیا۔ پھر وہ مرتبہ وجود جو احدیت سے چلا وحدت میں چمکا وحدت سے تنزل فرمایا تو "وحدانیت" میں چمکا۔ اس مرتبہ "وجود" کا وحدانیت کے مرتبہ میں ذات کے ساتھ صفات کا بھی تعین ہو گیا۔ مگر یاد رکھو، نہ خدا کی ذات مخلوق ہے اور نہ خدا کی صفات مخلوق ہیں۔ (ا) احدیت بھی مخلوق نہیں (۲) وحدت بھی نہیں (۳) اور اسی طرح وحدانیت بھی مخلوق نہیں۔ یہ تینوں مرتبے وجود کے غیر مخلوق ہیں۔

"کنت کنزًا مخفیًا" میں کنز مخفی تھا "فاحببت" میں نے محبت کی، کس نے محبت کی، ذات نے محبت کی۔ کس سے محبت کی، ذات سے؟ کہ میں پہچانا جاؤں۔ مراتب وجود کے تعینات کی بنیاد محبت ٹھہری، پھر اب کیا ہوا "فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ" میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا۔ مرتبہ اول احدیت، جس میں ذات کا بھی تعین نہ تھا۔ یہ مقام (احدیت) تعین اول نہیں۔ مقام احدیت، جس میں ذات کا بھی پتہ نہ تھا۔

تعین اول (حقیقت محمدی)

☆ جب وہ (وجود) مرتبہ وحدت میں آیا تو ذات کا تعین ہوا۔ اس کو ہم نے تعین اول کہا اور اسی تعین اول کا نام حقیقت محمدی رکھا گیا۔ کیوں؟ اسلئے کہ خلق کی ابتدا نور محمدی سے ہوئی تھی۔ وہ ایک مرتبہ ہے مقام وحدت کا، جو غیر مخلوق ہے۔ مگر یاد رکھیئے، ہم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اس ذات پاک جس کو قرآن نے "یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا" کہا اور جس مرتبے میں ہم حضور کی نبوت اور حضور کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں، وہ تعین اول نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق "فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ" سے ہے کیونکہ تعین اول تو غیر مخلوق ہے اور خلق کے کیا معنی ہیں؟ خلق کے معنی ایجاد یعنی عدم سے وجود میں لانا کے ہیں اور یہ حقیقت محمدیہ جس کو میں عبد، رسالت اور نبوت کے رنگ میں پیش کر رہا ہوں اس کا مبداء "فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ" ہے کیونکہ تعین اول محمد مصطفیٰ ﷺ کے عنوان سے مقرر ہو چکا تھا۔ جو صوفیا کی اصطلاح ہے۔ لہٰذا خلق کی ابتداء حقیقت محمدی سے ہوئی۔ وہ حقیقت محمدی جس سے خلق کی ابتداء ہوئی وہ نور ہے، جس کے لئے حدیث میں آیا

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ

ترجمہ☆ "سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا۔"

☆ تو وہ نور واجب نہیں ہے۔ وہ نور غیر مخلوق نہیں۔ وہ نور ازلی اور ابدی نہیں۔ اس نور سے پہلے عدم ہے۔ یہ وہ نور ہے جو "فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ" کا مصداق ہے اور جس کو صوفیا نے حقیقت محمدیہ کے لفظوں سے تعبیر کیا۔ یہ صوفیا کی اصطلاح ہے۔ اس مرتبہ وحدت کو جو حقیقت محمدیہ کے لفظوں سے تعبیر کیا، یہ اس لئے کہ تعین کی ابتداء مقام وحدت سے ہے اور خلق کی ابتداء حضور ﷺ کی ذات پاک سے ہے۔ جو نام (حقیقت محمدیہ) خلق کی ابتداء کا تھا وہی نام تعین اول (حقیقت محمدیہ) کی ابتداء کا ہے۔

☆ خلق کا مبداء حضور پاک کی ذات ہے۔ حضور ﷺ سے پہلے کوئی پیدا نہیں ہوا۔ جو نام خلق کے مبداء (حقیقت محمدیہ) کا ہے، وہی نام تعین اول (حقیقت محمدیہ) مقام وحدت کا ہے لیکن یہ مت سمجھنا کہ مقام وحدت میں حضور ﷺ کی ذات مقدسہ "الرسول" اور "عبدہٗ ورسولہٗ" کا مصداق ہے کیونکہ "عبدہٗ" مخلوق ہے۔ "ورسولہٗ" بھی اور حضور سید عالم مخلوق ہیں۔ مخلوق ہیں۔ مخلوق ہیں۔

☆ اور وحدت اجمالی کو ہم نے تعین اول کہا، اس کا نام حقیقت محمدیہ اس جہت سے رکھا گیا کہ مبداء خلق حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ لہٰذا مبداء تعین کا نام بھی حقیقت محمدیہ ہونا چاہئے اور تعین اول غیر مخلوق ہے احدیت غیر مخلوق ہے۔ احدیت میں نہ ذات کا تعین ہے اور نہ صفات کا، مقام وحدت میں ذات کا تعین ہے۔ مگر صفات کا نہیں۔ مقام وحدانیت میں ذات کا بھی ظہور ہے اور صفات کا بھی۔ اور پھر مراتب وجود جب آگے چلے تو مقام خلق آیا۔ اس کو صوفیا علماء نے حدوث سے تعبیر کیا، جس کو الروح کہا جاتا ہے۔ "فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ" کی ابتداء کا مبتداء، روح ارواح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اسلئے جب وجود کا تنزل اور اس کا تعین چوتھے تعین سے آگے بڑھا یعنی حقیقت واحدہ کا ظہور عالم ارواح سے جب آگے بڑھا تو پھر وہ (وجود) عالم اجسام میں آیا اور پھر جب اجسام سے آگے بڑھا

تو انسان میں آیا۔ یہ مراتب ستہ ہیں، یہ چھ مراتب ہیں (۱)احدیت (۲) وحدت (۳) وحدانیت (۴) ارواح (۵) اجسام (۶)انسان۔ انسان تعین کا آخری مرتبہ ہے۔ مگر یاد رکھو، ان مراتب میں اگر وجود حقیقی کو تلاش کرو گے تو حقیقت واحدہ ایک ہے۔

حقیقت واحدہ

☆ یہ مت کہو کہ وہ رسول ہیں۔ یہ مت کہو کہ وہ زمین ہے اور آسمان، چاند ہے اور سورج، پہاڑ ہیں اور سمندر ہے۔ وہ تو تعینات ہیں، تعین تو حقیقت وجود نہیں، تعین تو جلوۂ حق کا آئینہ ہے۔ یہ سبب علمیہ ہیں، سبب علمیہ کے اندر اس جلوہ وجود حقیقی کا ظہور ہوا، جس کی ابتداء احدیت سے ہوئی اور انتہا انسان پر ہوئی۔ اب یہ انسان ان تمام مراتب کو لے کر آیا۔ یہ انسان کے آنے کا راستہ ہوا کہ کس راستے سے آیا، کس سے چلا۔ احدیت سے چلا وحدت میں پہنچا۔ وحدت سے چلا وحدانیت میں پہنچا، وحدانیت سے چلا ارواح میں پہنچا۔ ارواح سے اجسام میں پہنچا اور اجسام سے چلا تو انسان میں آ کر ظاہر ہوا۔ اب اگر یہ اپنے وطن واپس جانا چاہتا ہے تو اسے اجسام میں آنا ہوگا۔ اجسام سے ارواح میں جانا ہوگا ارواح سے وحدانیت کے مرتبے میں پہنچنا ہوگا۔ وحدانیت سے وحدت میں جائے گا اور وحدت سے احدیت میں پہنچ کر ''کنت کنزا مخفیا'' کا مصداق بن جائے گا۔

اقسام صفات باری تعالیٰ

☆ ''ہونا'' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو عین ذات ہے۔ اسی لئے ہمارے علماء نے خدا کی صفات پر جب کلام کیا تو انہوں نے خدا کی صفات کی کئی قسمیں بتائیں۔

(۱) بعض صفات وہ ہیں جو عین ذات ہیں جیسے ہونا یعنی وہ ذات ''ہے''۔

(۲) بعض صفات وہ ہیں جو لا عین اور لا غیر ہیں یعنی نہ وہ عین ہیں نہ غیر ہیں

☆ جیسے حیات، سماع، بصر، قدرت، کلام

(۳) بعض صفات غیر ذات ہیں، جیسے احیاء، اماتت، یعنی جلانا، مارنا

☆ میں خدا کی ذات پر بھی ایمان رکھتا ہوں اور خدا کی صفات پر بھی اور وجود اللہ کی صفت ہے جو عین ذات ہے۔ ذات سے ہرگز الگ نہیں ہو سکتی لہٰذا میں کہتا ہوں ''لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ'' (تو آپ نے بار بار دہرایا) اب آپ جن چیزوں کو موجود پا رہے ہیں، وہ وجود حقیقی نہیں ہیں، وہ ذات نہیں ہیں، وہ تو تعینات ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

اب بعض لوگ صوفیا کرام پر الزام لگاتے ہیں کہ صوفیا کہتے ہیں کہ یہ بھی خدا ہے، وہ بھی خدا ہے، چاند بھی خدا ہے، سورج بھی خدا ہے، زمین، آسمان، پہاڑ، درخت، سمندر سب خدا ہیں۔ واللّٰہ باللّٰہ ثم تا اللّٰہ۔ یہ ہمارے اولیاء پر الزام ہے۔ ہم ہرگز نہیں کہتے کہ چاند خدا ہے، زمین خدا ہے، سورج خدا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود اقدس کو بھی خدا نہیں کہتے، ہاں! جناب محمد

مصطفیٰ ﷺ کے وجود اقدس کو جب ہم وجود حقیقی کے توسل سے الگ دیکھیں گے تو "فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ" کے مقام پر اول ظہور دیکھیں گے اور حقیقت محمدیہ کے ساتھ جو مقام وحدت تعبیر کیا گیا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ حضور جو دنیا میں جلوہ گر ہوئے، وہ ہرگز غیر مخلوق نہیں، یہ نہ ہمارا ایمان ہے اور نہ عقیدہ۔

وحدت الوجود کا ظہور

☆ ہم صاف کہتے ہیں کہ وحدت الوجود کے سوائے کسی کا وجود ہی نہیں۔ ہاں! اس حقیقت واحدہ کا ظہور تعینات کی صورت میں کہیں جلال ظاہر ہوا، کہیں جمال، میں دیکھتا ہوں سورج میں حرارت ہے، چاند میں برودت ہے۔ آگ میں گرمی ہے۔ پانی میں ٹھنڈک ہے۔ یہ تمام جس قدر تعینات اور جواہر اور اعراض کا ظہور ہمارے سامنے ہے یہ محض تعینات ہیں۔ یہ وجود حقیقی نہیں ہیں۔ ہم ان تعینات کے مرتبے میں مراتب وجود کا فرق ملحوظ رکھتے ہیں۔ اسی لئے کسی نے کہا۔

ہر	مرتبہ	وجود	حکم	دارد
گر	فرق	مراتب	نکنی	زندیقی

☆ ارے ایک مرتبہ وجود احدیت ہے، ایک مرتبہ وجود وحدت ہے۔ ایک مرتبہ وجود وحدانیت ہے۔ ایک مرتبہ وجود ارواح ہے۔ ایک مرتبہ وجود اجسام ہے اور ایک مرتبہ وجود انسان ہے۔ ہر مرتبہ وجود حکم دارد۔ "وجود کا ہر مرتبہ ایک حکم رکھتا ہے" اگر تو فرق مراتب نہیں کرے گا تو زندیق اور گمراہ ہو جائے گا۔" اسی لئے ہم کہتے ہیں عبد، عبد ہے۔ معبود، معبود۔ اللہ، اللہ ہے۔ رسول، رسول۔ خالق، خالق ہے۔ مخلوق، مخلوق۔ اور اسی لئے ہم کہتے ہیں یہ مومن ہے، وہ کافر۔ یہ صالح ہے، وہ فاسق۔ تو ہم یہ یوں کہتے ہیں۔ اگر حقیقت واحدہ پر نظر ڈالیں تو میں کہوں گا، حقیقت واحدہ (حقیقی وجود) ایک ہے (بتکرار الفاظ) شریک کون؟ کیونکہ اگر ہم کسی کے وجود کو اس کا شریک مانتے ہیں تو ہم مشرک ہو جاتے ہیں۔ معترض لوگ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈالیں کہ جو خدا کیلئے وجود کی صفت مانتے ہیں اور اپنے لئے بھی کہ خدا بھی ہے ہم بھی، ارے ہونا تو خدا کی صفت ہے۔ تو ہونا تمہاری صفت نہیں ہو سکتا۔ یا تو یہ کہو کہ ہونا خدا کی صفت نہیں ہے۔ تو خدا نہیں ہے اور اگر خدا کی صفت "ہونا" ہے تو پھر کیسے کہتے ہو کہ "ہونا" ہماری صفت بھی ہے۔ پھر تو تم بھی واجب ہو گئے کیونکہ خدا کی صفت تم نے اپنے لئے مان لی۔ تو تم مشرک ہوئے یا ہم۔ ارے خدا ہے کہ نہیں ہے؟ خدا ہے تو ہونا تو خدا کی صفت ہو گیا اور جو کہے میں ہوں تو اس نے خدا کی صفت اپنائی اور جو خدا کی صفت اپنائے وہ مشرک ہو گیا۔ اسلئے ہم کہتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی نہیں ہے۔

شبہ کا ازالہ

☆ اب اگر کوئی کہے کہ وہ زمین ہے، آسمان ہے تو میں کہوں گا، زمین بھی ایک تعین ہے اور آسمان بھی ایک تعین ہے۔ تعین تو عدم کا نام ہے۔ عدم کو وجود کا نام دے دیا تو عقل کہاں گئی۔ کسی نے کہا

خرد	کا	نام	جنوں	رکھ	دیا	جنوں	کا	خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

☆ ارے تعین عدم ہے، وجود نہیں۔ وجود "حقیقت واحدہ" ہے جو صرف اسی کی صفت ہے۔ لہٰذا جب میں کہوں گا کہ "ہے" تو اس (اللہ) کے سوا کچھ نہیں۔ جب میں کہوں کہ یہ سورج ہے، یہ چاند ہے۔ ان کا "ہونا" دراصل صرف اسی (اللہ) کا ہونا ہے۔ بتاؤ، اگر خدا نہ ہوتا تو کچھ ہوتا؟ کچھ بھی نہ ہوتا۔ معلوم ہوا ہونا تو صرف اسی کا ہے۔ ان تعینات کا ہونا اس (اللہ) کے ہونے کی دلیل ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ اپنی ہستی کی دلیل میں زمینوں کو پیش کرتا ہے۔ زمین کی مخلوق کو پیش کرتا ہے۔ چاند کو پیش کرتا ہے، سورج کو پیش کرتا ہے۔ کبھی فرماتا ہے

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرۃ)

☆ "اب تم نے کائنات کی ہر چیز کو دیکھا، یہ تعینات ہیں۔ یہ محض میرے ہونے کی دلیل ہیں۔ اگر میں نہ ہوتا تو یہ نہ ہوتے۔"

☆ اب میں بات سمجھانے کے لئے مثال دے رہا ہوں۔ بتاؤ سایہ سائے والے کی دلیل ہے یا سائے کا کوئی اپنا وجود ہے؟ سائے کا کوئی وجود نہیں۔ اسی طرح جو شیشہ میں جو شکل نظر آئے، واقع میں شکل کا کوئی وجود نہیں۔ وجود شکل والے کا ہے۔ لیکن خدا اس شکل سے پاک ہے جو میرے اور تمہارے ذہن میں ہے۔

☆ میں نے یہ بات سمجھانے کے لئے کہی کہ شیشے میں جب کوئی شکل کسی کی نظر آئے گی تو تم سمجھ جاؤ گے۔ یہ کچھ نہیں۔ ہاں! اس شکل والا کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہے۔ اب اگر شیشے میں کوئی حسین شکل نظر آئے، محبت جو دل میں پیدا ہوگی تو محبت شیشے کی طرف بڑھے گی یا شکل والے کی طرف؟ تو محبت شکل والے کی طرف بڑھے گی۔ صوفیاءِ کرام نے یہی بتایا کہ سارے شیشوں میں میں ہی (اللہ) چمک رہا ہوں۔ اپنی محبت کا رخ میری طرف کرو۔ یہ کچھ نہیں ہیں۔ اگر ہوں تو صرف میں ہی ہوں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کبھی زمین کو پیش کیا اور کبھی زمین کی مخلوقات کو۔ فرمایا

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

☆ "ارے، میں نے چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا، سورج کو تمہارے لئے مسخر کیا اور پانی کو پیدا کیا، زمین کو پیدا کیا۔ ارے، یہ تو شیشے ہیں، ان شیشوں میں اس کی تجلیاں نظر آ رہی ہیں۔"

☆ صوفیاءِ کرام نے یہی پردہ اٹھایا ہے کہ ہوں تو میں ہوں اور کچھ نہیں۔ لوگوں نے ہست کا نام نیست رکھ دیا اور نیست کا نام ہست اور کہا امریکہ والوں نے بڑی ترقی کی کہ چاند پر پہنچ گئے۔ اب بتاؤ، عقل مند کون ہے؟ جو سائے کو اپنا مقصود بنائے یا سائے والے کو۔ تو پتہ چلا جو سائے والے کو اپنا مقصود بنائے وہ عقل مند ہے۔ اسی طرح جو شیشے میں شکل والے کو اپنا مقصود بنائے وہ عقل مند ہے تو چاند پر پہنچنا کمال نہیں ہے، چاند والے تک پہنچنا کمال ہے۔ آسمان پر پہنچنا کمال نہیں، آسمان والے تک پہنچنا کمال ہے۔ عرش تک پہنچنا کمال نہیں، عرش والے تک پہنچنا کمال ہے۔ جو عرش والے معبود تک پہنچنے والے ہیں، وہ فرش پر ہوں تو عرش سے بھی اونچے ہیں۔ خدا کی قسم! عرش تو ان کی عظمتوں کو جھک جھک کر سلام کرتا ہے۔

آئینہ جمالِ حق

☆ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار مخلوق کو اپنے ہونے کا آئینہ بنایا اور پھر ان سارے آئینوں کا رخ ایک آئینہ کی طرف کر دیا اور وہ آئینہ کون ہے؟

اَنَا مِرْأَةُ جَمَالِ الْحَقِّ

☆ آقائے مدنی ﷺ نے فرمایا، "سب سے پہلا آئینہ میں ہوں۔" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "میری عظمتوں کے جلوے اس آئینے میں نظر آ رہے ہیں۔" خدا نے اپنے حسن کامل کا آئینہ اپنے محبوب کو بنایا اور فرمایا "فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ" اور پھر اٹھارہ ہزار مخلوق کے اربوں، کھربوں، آئینے بنائے اور ان سب کا رخ ایک آئینہ کی طرف کر دیا اور اگر کسی میں علم کا جلوہ نظر آ رہا ہے تو اسی سے نظر آ رہا ہے۔ اگر کسی میں حیات نظر آ رہی ہے تو وہ وہیں سے نظر آ رہی ہے۔ اگر کسی میں عمل نظر آ رہا ہے تو وہ وہیں سے نظر آ رہا ہے اور اگر کسی میں نبوت کی جھلک نظر آ رہی ہے تو وہیں سے آ رہی ہے۔ اسلام ہے تو وہیں سے آ رہا ہے۔ عرفان ہے تو وہیں سے آ رہا ہے۔ ارے، قرآن ہے تو وہیں سے آ رہا ہے۔

☆ زمین بھی ایک آئینہ ہے۔ اس کا رخ بھی حقیقت محمدی کی طرف ہے۔ زمین کا سارا حسن، آسمان کا سارا حسن، عناصر کا حسن، جواہر کا حسن، اعراض کا حسن، علم کا حسن، عمل کا حسن، عالم بیداری عالم برزخ، عالم آخرت، جنت اور حورانِ جنت کا حسن، حسن مرکز ایک آئینہ جمال حق ہے۔ جو خلق کا مصداق ہے اور ہر ایک آئینہ میں وہ تجلیات ہیں، جس کی صلاحیتیں اس میں تھیں۔ ان آئینوں کا ہونا، اس کے ہونے کی دلیل ہے۔ اگر وہ (اللہ تعالیٰ) نہ ہوتا تو نہ چھوٹے آئینے ہوتے، نہ بڑا آئینہ۔ اسی لئے خدا نے اپنے تخلیق کے دلائل کو قرآن میں بار بار پیش کیا اور قرآن نے کہا

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

☆ "ارے، اگر تم نے مجھے نہیں دیکھا تو آؤ، کائنات کی ہر چیز کے آئینے میں میرے ہونے کو دیکھ لو۔ سورج میں میرے ہونے کو دیکھ لو۔ چاند میں میرے ہونے کو دیکھ لو۔"

☆ مگر لوگوں نے کیا کیا؟ بے سمجھوں نے جب چاند کو دیکھا، سورج کو دیکھا، آگ وغیرہ کو دیکھا، ان میں خدا کے ہونے کو نہیں دیکھا بلکہ ان کو خدا کا ہونا سمجھ لیا۔ اور ان کی عبادت کی۔ جنہوں نے ان کو وجود سمجھا، وہ ان کی پوجا کرنے لگے۔ بعض "لات" کے پجاری ہو گئے۔ "مناۃ" کے پجاری ہو گئے۔ "ھبل" کے پجاری ہو گئے۔ یہ تمام بتوں کے پجاری کون تھے؟ یہ سب کے سب ان آئینوں کو اصلی وجود سمجھنے والے تھے اور اہل خرد (عقل مند لوگوں) نے جب ان آئینوں کو دیکھا تو آئینے میں شکل والے کی تلاش کو نکل گئے اور انہوں نے ان آئینوں میں وجود حقیقی کو جانا اور اس کو مطمح نظر بنایا۔ تو فرمایا

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى

☆ حقائق کائنات میں ان تمام آئینوں میں میرے حسن کے جلوے ہیں اور ہر آئینے کا رخ اس ایک آئینہ کی طرف ہے، جسے "مرأة جمال الحق" کہتے ہیں۔

امکان وجوب!

اب امکان وجوب کو سمجھئے۔ اس کو سمجھنے کے لئے مجھے مجدد الف ثانی کی بات یاد آ گئی۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نظیر آں سرور بر نظر نمی آید

☆ فرماتے ہیں، ”عالم ممکنات کو جتنا غور سے دیکھو، آں سرور کے وجود کی مثل نظر نہیں آئے گی۔“

ایک شبہ کا ازالہ

☆ اب سوال پیدا ہوا کہ یہ کیسے مان لیں کہ عالم ممکنات میں آں سرور کے وجود کے مثل ہی نظر نہیں آئے گی۔ کم از کم اتنا تو کہنا ہی پڑے گا کہ ممکنات بھی ممکن ہیں اور حضور بھی ممکن ہیں اور انسان کے بغیر کوئی ممکن نہیں ہوتا تو ممکن امکان کے اعتبار سے تو ممکن اور عالم ممکنات میں بھی امکان ہے۔ مجدد صاحب نے بڑا علمی جواب دیا اور وضاحت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ﷺ نے ایک شعر میں کی۔ اس سے پہلے کہ میں اعلیٰ حضرت کا شعر بیان کروں لفظ امکان اور وجوب کی وضاحت کر دوں۔ اصل میں امکان سے مراد یہ ہے کہ جسکا ہونا نہ ہونا برابر ہو۔ اگر واجب چاہے تو اسکے ہونے کو راجح کر دے اور اگر واجب چاہے تو اسکے نہ ہونے کو راجح کر دے۔ اسکے اندر ہونیکی قدرت ہے اور نہ، نہ ہونیکی قدرت ہے۔ یا یوں سمجھو کہ آئینہ آئینے والے کے ہاتھ میں ہے۔ آئینے والا چاہے تو اس شکل کو ظاہر کر دے۔

☆ اور آئینے والا نہ چاہے، آئینہ کا رُخ پھیر دے تو وہ آئینہ شکل سے بالکل خالی ہو گیا۔ تو جو شکل آئینے میں نظر آتی ہے۔ وہ ممکن ہے اور جس کے ہاتھ میں آئینہ ہے وہ واجب ہے۔ کیونکہ وہ اپنی شکلیں تو دکھا رہا ہے۔ کہیں اپنے جلال کے جلوے دکھا رہا ہے، کہیں اپنے جمال کے جلوے دکھا رہا ہے۔ تو پتہ چلا قدرت واجب میں ہے اور عدم قدرت اور عاجزی یہ ممکن میں ہے اور واجب کی صفت عبدیت نہیں ہو سکتی۔ ممکن کے اندر قدرت نہیں، واجب میں عبدیت نہیں۔ ہم ممکن ہیں۔ ہم بالکل عاجز محض بے بس ہیں اور بے قدرت ہیں۔ کیونکہ ممکن میں قدرت نہیں ہوتی اور ہمارے مجدد صاحب نے مکتوبات شریف میں فرمایا کہ بے شک حضور بھی ممکن ہیں لیکن جس امکان کے ساتھ حضور ممکن ہیں، اس امکان کی نظیر عالم امکان میں محال ہے یعنی جس امکان کے ساتھ مصطفیٰ کریم ﷺ ممکن ہیں، اس امکان کے ساتھ کوئی بھی ممکن نہیں۔ آیئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی بارگاہ میں۔ آپ فرماتے ہیں ”ممکن میں یہ قدرت کہاں جو مصطفیٰ میں قدرت ہے۔

ممکن میں یہ قدرت کہاں، واجب میں عبدیت کہاں
حیرت نے جھنجھلا کر کہا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

☆ ارے، حضور کی قدرتوں کا کون انکار کر سکتا ہے۔ اگر مدینہ میں بیٹھے ہوئے جنت کے انگوروں کے گوشے چاہیں تو ہاتھ بڑھا کر لے لیں۔ ممکن میں یہ قدرت کہاں جو مصطفیٰ میں قدرت ہے۔

☆ ممکن محض بھی نہیں واجب محض بھی نہیں۔ ممکن ہے مگر واجب محال ہے۔ یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں۔

آمدِ محسنِ اعظم ﷺ کا بیان

☆ محترم حضرات! چند گزارشات پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کلمۃ الحق میری زبان پر جاری فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سننے، حق سمجھنے، حق قبول کرنے اور حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

☆ محترم حضرات! رسول اللہ ﷺ! کی ولادتِ باسعادت کا عنوان اتنا وسیع ہے کہ اس پر سیر حاصل گفتگو ہو ہی نہیں سکتی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ جابجا حضور کی تشریف آوری کا ذکر فرماتا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

☆ حضور ﷺ کی تشریف آوری کا بیان ہے

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ

☆ حضور ﷺ کی تشریف آوری کا بیان ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا

☆ "پیارے نبی (ﷺ)! ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔"

☆ حضور ﷺ کے تشریف لانے کا بیان ہے

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

☆ یہ سرکار ﷺ کی تشریف آوری کا بیان ہے۔ قرآن مجید و فرقان حمید، حضور ﷺ کی آمد، حضور ﷺ کی بعثت، حضور ﷺ کے ارسال اور سرکار ﷺ کے تشریف لانے کے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔

☆ یہ عنوانات جو قرآن کریم نے اختیار فرمائے، یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت، حضور ﷺ کی بعثت اور سرکار ﷺ کے ارسال کے ذکر میں، ان تمام اوصاف کو بیان کیا جائے جو اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔

☆ اب آپ غور فرمائیں کہ "قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ" میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کے ساتھ لفظ "نُوْرٌ" فرمایا۔ یہ سرکار ﷺ کی کمال دلیل ثابت ہے کہ سرکار ﷺ "نور" ہیں اور سرکار ایسا نور ہیں کہ جس میں کوئی قید نہیں۔ آپ ہر اعتبار سے نور ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ فقط نور ہدایت ہیں یا نورِ نبوت یا نورِ رسالت یا یہ کہ وہ فقط علمی طور پر نور بن کر آئے ہیں یا فقط ایمان اور عمل کے اعتبار سے نور ہیں یا صرف جسمانی اعتبار سے نور یا روحانی اعتبار سے نور ہیں۔ کوئی قید، کوئی تخصیص نہیں اور یہ مطلق ہے۔

اَلْمُطْلَقُ يَجْرِىْ عَلٰى اِطْلَاقِهٖ

☆ مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے۔

☆ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ "جو نور تمہارے پاس جلوہ گر ہوا یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس تشریف لائے تو آپ کے بارے میں یہ بات مت کہنا کہ وہ فقط جسمانی طور پر نور ہیں۔ نہیں۔ وہ جسمانیت کے اعتبار سے نور ہیں، وہ روحانیت کے اعتبار سے بھی

نور ہیں۔ ان کا ہر قول نور، ان کا ہر فعل نور، وہ نورِ علم اور نورِ ایمان سب کے جامع ہیں۔ وہ صرف ظاہری نور نہیں بلکہ وہ باطنی نور بھی ہیں۔ وہ محض حسی نور نہیں بلکہ وہ معنوی نور بھی ہیں۔ وہ صرف عالم دنیا کا نور نہیں بلکہ وہ عالم آخرت اور عالم برزخ کا بھی نور ہیں۔ آپ عالم بیداری اور عالم خواب کا بھی نور ہیں۔ آپ بلا قید، بلا تخصیص نور ہیں۔ آپ نور مطلق ہیں۔ (قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ اِلٰی آخِرہٖ) حضور ﷺ تشریف لائے تو مطلب یہ ہے کہ جب سرکار کے آنے کا ذکر کرو تو ان صفات کو بھی ساتھ ہی بیان کرو کہ حضور کیسے ہیں! آپ نور کامل ہیں، آپ نور اکمل ہیں، آپ نوروں کا بھی نور ہیں۔"

☆ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر "روح المعانی" میں اس آیت (قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ) کا ترجمہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے

"نُوْرُ الْاَنْوَارِ وَنَبِیُّ الْمُخْتَارِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ"

☆ "نور کے نور اور مختار نبی محمد رسول اللہ"

☆ انوار جمع ہے اور اس پر الف لام ہے، جمع پر الف لام ہو تو استغراق کے معنی ہوتے ہیں۔ کیا مطلب؟ یعنی کائنات کے ہر نور کا نور محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اگر آپ کا نور جسم سے نکال لیں تو جسم بے نور ہو جائے گا۔ میرے آقا وہ نور ہیں، اگر نور سے حضور کے نور کو نکال لو تو نور بھی بے نور ہو جائے گا۔ کائنات میں کسی نور کا ہونا یہ حضور کی نورانیت کا صدقہ ہے۔

☆ عزیزانِ محترم! سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کیا اچھی بات کہی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں

"لَمْ اَرَ قَبْلَہٗ وَلَا بَعْدَہٗ مِثْلَہٗ"

ترجمہ ☆ "سرکار کی مثل نہ ہم نے کبھی پہلے دیکھا ہے اور نہ حضور کے بعد دیکھا ہے۔"

☆ آپ بے مثل نور ہیں اور آپ کی شان یہ ہے کہ رب العزت جل جلالہ نے فقط آپ ﷺ کی ذات کو بے مثل نہیں بنایا بلکہ آپ کی ہر صفت کو بے مثل بنایا ہے۔ آپ حضور کی ہر صفت کو لیں گے، بے مثل پائیں گے۔ یہاں تک کہ حضور صفت وجود میں بھی بے مثل ہیں۔ کیا مطلب؟ اس کا مطلب ہے کہ کسی کا وجود، کسی کا پایا جانا ایسا نہیں، جیسا میرے آقا ﷺ کا پایا جانا ہے۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے مکتوبات شریف کہ

درعالم امکان مثل او متصور نیست

☆ عالم امکان میں سرکار کی مثل متصور نہیں

ایک شبہ کا ازالہ

☆ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جب سرکار کی ہر صفت بے مثل ہے تو ممکن ہونا بھی تو ایک صفت ہے۔ وجود بھی ایک صفت ہے۔ وجود اللہ کی صفت ہے اور امکان کائنات کی صفت ہے اور امکان حضور ﷺ کی بھی صفت ہے۔ تو ہر ممکن کا امکان ایک ہی جیسا ہے تو اس میں حضور ﷺ کی صفت بے مثل نہ رہی۔

☆ تو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا،"جس امکان کیساتھ حضور ممکن ہیں، اس امکان کا تصور عالم امکان میں نہیں پایا جاتا۔"
اب میں اس کی تفصیل کیا بیان کروں؟ یہ ایک علمی نکتہ تھا جو مجدد الف ثانی نے بیان فرمادیا۔ میں اتنا کہہ دیتا ہوں کہ ہر ایک کا امکان اس کی ذات سے متعلق ہوتا ہے لیکن سرکار کا امکان عالم امکان کی پناہ گاہ ہے۔ اگر حضور کا امکان نہ ہوتا تو امکان کسی کی صفت نہ ہوتی۔

☆ یعنی حضور سرور عالم ﷺ کی صفات عالم امکان میں کوئی بھی بیان نہیں کرسکتا۔ بہرحال میں آپ کو بتارہا تھا کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے قرآن پاک میں جابجا سرکار مدینہ ﷺ کا ذکر عجیب انداز میں حضور ﷺ کی صفات، سرکار کے کمالات، حضور ﷺ کے فضائل، حضور ﷺ کے محاسن بیان فرمائے اور پھر ہم کون ہیں کہ سرکار ﷺ کی خوبیاں بیان کریں؟ بقول غالب علیہ الرحمۃ

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم	کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

☆ "غالب نے کہا کہ ہم کون ہیں کہ سرکار کی ثنا کریں۔ ہم نے تو سرکار کی ثنا کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا کہ اے اللہ! جیسا تو نے ان کو بنایا ویسا ہی ہم کو بتا۔ جو ثنا تو اپنے محبوب کی کرے گا، وہ ہم کر ہی نہیں سکتے۔"

☆ حضور ﷺ کا ذکر ولادتِ باسعادت ہے، مجیئت، بعثت، ارسال اور تشریف آوری کے ذکر سے قرآن پاک مملو ہے۔ جیسے
یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا (۲۰ آیت ۴۶، س احزاب، پ ۲۲)

☆ "اے نبی (ا)! بے شک ہم نے آپ کو مشاہدہ کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا اور (عذاب) سے ڈرنے والا بنا کر بھیجا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن کرنے والا آفتاب۔"

☆ کہ جب میرے محبوب کے آنے کا ذکر کرو تو ان سب صفتوں کو بیان کرو اور اب کوئی حضور ﷺ کی ایک صفت بھی بیان کرے تو سارا جہان ختم ہوجائے گا تو ایک صفت کا بیان ختم نہ ہوگا۔

☆ تو جو آیتِ کریمہ شروع میں، میں نے پڑھی، اس کے پیشِ نظر ایک بات عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ" "بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بہت بڑا احسان فرمایا۔""اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا" "جب ان میں عظمت والا رسول بھیج دیا" یہاں دو باتیں قابلِ توجہ ہیں۔

(۱) ایک بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ احسان کن لوگوں پر جتا رہا ہے؟ علی المؤمنین۔ قیامت تک ہر مومن پر اللہ تعالیٰ کا یہ ایک بہت بڑا احسان ہے اور جو یہ کہے کہ مجھ پر احسان نہیں، وہ مومن ہی نہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

☆ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ احسان تو حضور ﷺ کے زمانہ والوں پر تھا۔ ہم تو حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ تھے۔ ہم پر احسان کیسا؟ یہ لوگ اس آیتِ مبارکہ کو قیامت تک ایمان والوں کے لئے تمام نہیں سمجھتے تو پھر میں ان سے پوچھتا ہوں کہ
اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (سورئہ نساء: آیت ۱۰۳)

☆ "بے شک نماز ایمان والوں پر، وقت مقرر کیا ہوا (فریضہ) ہے۔"

☆ جس طرح ہم یہاں نہیں کہہ سکتے کہ نماز بھی حضور ﷺ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ کے زمانہ کے ایمان والوں کے لئے تھی تو وہاں بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کا احسان حضور ﷺ کے زمانہ کیلئے تھا۔ جس طرح نماز قیامت تک آنے والے ہر مومن پر فرض ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ احسان قیامت تک آنے والے ہر مومن کی گردن پر ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ احسان کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

۱...... ایک "احسان کرنے والا (محسن) اللہ ہے۔" کن پر؟ "عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ"

۲...... قیامت تک آنے والے مومنین پر

۳...... کس بنیاد پر "اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا" وہ احسان کی بنیاد رسول کی ذات ہے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ

☆ شاید کوئی کہے کہ احسان کی بنیاد بعثت ہے تو تب بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ بعثت وصف ہے۔ وصف بغیر موصوف کے پایا نہیں جاتا۔ احسان کی بنیاد ہی نعمت (موصوف) حضور سید عالم نورِ مجسم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ ٹھہری۔

☆ محترم حضرات! اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ احسان جتانے کا حق احسان کے باقی رہنے تک ہے کہ نہیں؟ کیونکہ جب تک احسان (نعمت) باقی ہے، احسان جتانے کا حق باقی ہے یعنی کوئی کسی کو کوئی نعمت دے اور پھر واپس لے لے اور کہے کہ "میرا تجھ پر احسان ہے؟" نعمت لینے والا کہے گا، "بھائی! آپ نے مجھ پر احسان کیا تھا۔ مگر تم نے وہ نعمت مجھ سے لے لی۔ اب تمہارا مجھ پر کاہے کا احسان؟" معلوم ہوا احسان کی بنیاد نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول معظم ﷺ (نعمت کبریٰ) کی بنیاد پر قیامت تک آنے والے مومنین پر احسان فرمایا۔

ایک شبہ کا ازالہ

☆ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان کو واپس لے لیا۔

☆ محترم حضرات! میں پوچھتا ہوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قیامت تک مومنین کے لئے وہ احسان ہو اور وہ نعمت نہ ہو؟ صفت ہو موصوف نہ ہو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم کلمہ طیبہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھتے ہیں۔ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضرت محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں (تھے نہیں)" جب رسول ہیں تو بات ختم ہو گئی۔

احسان کی بنیاد

☆ احسان کی بنیاد نعمت ہے۔ اگر آپ مجھے ایک کھٹا انار یا کوئی گلا سڑا پھل دے دیں اور پھر احسان جتائیں۔ یہ کیا احسان ہوا؟ سوچنے کی بات ہے۔ ہر نعمت، نعمت دینے والے کے شایانِ شان ہوتی ہے۔ اگر میں ایک چھوٹا سا رومال دے کر احسان جتاؤں پھر بھی

کچھ ہوسکتا ہے اور اگر بادشاہ وقت کسی کو ایک چھوٹا سا رومال یا ایک پیسہ دے کر احسان جتائے تو یہ اس کی شان کے لائق نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو رب العالمین ہے۔ وہ احکم الحاکمین ہے، الرحمن الرحیم ہے۔ وہ جس نعمت کا احسان جتائے گا، وہ نعمت بہت ہی عظیم ہوگی اور وہ نعمت اتنی عظیم ہے کہ اس میں کوئی کمی اور نقص ہے ہی نہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

☆ اور پھر لوگوں کا یہ کہنا کہ انہیں دیوار کے پیچھے کا علم نہیں۔ وہ تو مجبور محض ہیں۔ انہیں تو کسی بات کا اختیار ہی نہیں۔ تو میں آپ سے پوچھتا ہوں جو نعمت مجبور محض ہو، کیا احسان جتانے کے قابل ہوسکتی ہے؟ نہیں ہوسکتی۔

بے عیب نعمت

☆ محترم حضرات! میرے آقائے نامدار ﷺ ذاتِ علم کے اعتبار سے، عمل کے اعتبار سے، اختیار کے اعتبار سے، کمالات کے اعتبار سے، حسن کے اعتبار سے، جمال کے اعتبار سے، فضائل کے اعتبار سے، محامد کے اعتبار سے، ظاهراً، باطناً، جسماً، روحاً، علماً، عملاً ہر اعتبار سے کامل و اکمل ہیں۔ اگر علم میں، عمل میں نقص ہو تو وہ نعمت احسان جتانے کے قابل نہیں۔ اگر اس کے اندر کوئی عیب ہو تو وہ نعمت احسان جتانے کے قابل نہیں۔ معلوم ہوا کہ بے عیب رب نے ہمیں بے عیب نعمت عطا فرمائی ہے۔ اس لئے تو حضرت حسان بن ثابت انصاری ﷺ نے عرض کیا

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

☆ "سرکار! آپ تو ہر عیب سے بالکل پاک پیدا ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو حسب منشا پیدا کیا گیا ہے۔"

☆ اگر پیدا ہونے والے کو حسب منشا پیدا ہونے کا اختیار دے دیا جائے کہ تو جس طرح چاہے حسن و جمال، خوبیاں، کمالات، اختیارات کے ساتھ پیدا ہو تو پیدا ہونے والا کوئی نقص، کوئی عیب، کوئی کمی لے کر پیدا ہوگا؟ ہرگز نہیں۔

عبد اور معبود کا فرق

ایک شبہ کا ازالہ

☆ اب ہم سے لوگ کہتے ہیں کہ بھائی تم تو شرک کی تعلیم کے لئے بیٹھے ہو۔ اب تک تو ہم خدا کا بے عیب ہونا سنتے آئے اور تم نے رسول کو بے عیب کہہ دیا۔ تم نے تو رسول کو اللہ بنا دیا۔ میں نے کہا

سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں است

☆ "تو بات کو پہچاننے والا نہیں۔ اے دل لینے والے یہی تو خطا ہے۔"

☆ انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ اللہ کا بے عیب ہونا اللہ کی شان کے لائق ہے اور مصطفیٰ کا بے عیب ہونا مصطفیٰ کی شان کے لائق ہے۔

اللہ معبود ہو کر بے عیب ہے، حضور عبد ہو کر بے عیب۔ اللہ خالق ہو کر بے عیب ہے، مصطفیٰ مخلوق ہو کر بے عیب۔ اللہ کیلئے اولاد کا تصور عیب ہے۔ قرآن میں ہے، ''یہودیو! عیسائیو! تم میرے لئے اولاد ثابت کرتے ہو، میں اس سے پاک ہوں۔ کیونکہ یہ تو میرے حق میں عیب ہے۔'' لیکن حضور تاجدارِ مدنی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے حق میں اولاد کا نہ ہونا، نسل کا منقطع ہونا عیب تھا۔ تو پتہ چلا اللہ تعالیٰ اپنی شان میں بے عیب ہے اور مصطفیٰ اپنی شان میں بے عیب۔ اللہ تعالیٰ اپنی معبودیت میں بے عیب ہے اور حضور اپنی عبدیت میں بے عیب۔ اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں بے عیب اور مصطفیٰ اپنی نبوت میں بے عیب۔ اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں بے عیب ہے اور رسول اپنی رسالت میں بے عیب۔ اللہ تعالیٰ واجب ہو کر بے عیب اور محبوب ممکن ہو کر بے عیب۔ یعنی محترم حضرات! اب بتایئے کہ شرک کا کوئی شبہ باقی رہا، سوائے اس کے کہ مسلمانوں کو بہکایا جائے۔

معظم الاخلاق

☆ محترم حضرات! میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عظمت والا رسول بھیج کر ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا ہے اور اس رسول معظم کی شان یہ ہے ''یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیَاتِهٖ''

☆ ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ کا کلام تلاوت فرما کر اور تلاوتِ آیات الٰہیہ کی ضرب سے ان کے دلوں کے زنگ کو دور کرتا ہے اور جب ان کے دل صاف ہو جاتے ہیں ''وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ''

☆ پھر ان کے پاک صاف اور ستھرے دلوں میں کتاب اور حکمت کے علم کو بھر دیتا ہے۔ کیونکہ کتاب (قرآن) اور حکمت کا علم بڑا پاک ہے اور پاک چیزیں پاک جگہوں میں ہی رکھی جاتی ہیں۔ اس کے اہل کون تھے؟ اس کے اہل صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ دیگر صحابہ اہل بیت، تابعین، مجتہدین، اولیاء، اغواث، اقطاب، ابدال، نجبا، نقبا، صلحا، شہداء، کاملین، مومنین، راسخین تھے۔

☆ محترم حضرات ''یُزَکِّیْ'' کا فاعل حضور ہیں۔ حضور پاک فرمانے والے ہیں اور ان کے غلام پاک ہونے والے ہیں۔

نجاست کی قسمیں

☆ محترم حضرات! نجاست کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حکمی اور دوسری حسی۔ جیسے شرک حکمی نجاست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ'' (سورۃ توبہ، ۱۰، آیت ۲۷)

ترجمہ☆ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مشرک سب ناپاک ہیں۔

☆ کپڑا ناپاک، پانی سے پاک ہو جاتا ہے۔ مگر مشرک کی نجاست سات سمندروں کے پانی اور دنیا بھر کی فیکٹریوں کے صابن سے بھی دور نہیں ہو گی۔ مشرک کی نجاست سچے دل سے ایک دفعہ کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے دور ہو جاتی ہے اور اب اگر کوئی ناپاک کپڑے کو کلمہ طیبہ پڑھ کر پاک کرنا چاہے۔ لاکھ دفعہ کلمہ طیبہ پڑھ لے، کپڑا ناپاک ہی رہے گا۔ اس سے پتہ چلا کہ جس عالم کی نجاست ہوتی ہے، اسی عالم کا آلہ طہارت ہوتا ہے۔ کیونکہ شرک کی نجاست عالم محسوسات سے بالاتر ہے، یہ عالم غیر محسوس کی چیز ہے تو اس کے لئے آلہ

طہارت بھی عالم غیر محسوس سے ہوگا اور پھر آپ کو یہ بھی بتادوں کہ فقط کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے شرک، کافر، منافق کی نجاست دور نہیں ہو جائے گی۔ اس لئے کہ جب تک کلمہ طیبہ کی تصدیق نہ ہو جائے اور "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ" کی تصدیق بھی عالم غیر محسوس کی چیز ہے اور اگر نجاست پیشاب میں سے ہے تو اس کپڑے کو پاک کرنے کے لئے عالم محسوسات کا آلہ طہارت ہونا چاہئے اور وہ پانی ہے۔

قرب مصطفوی

☆ میرے آقا کے تزکیہ کا نظام بہت عظیم ہے۔ میرے آقا سرورِ عالم ﷺ پاکی کا مرکز ہیں۔ کوئی ظاہر میں رہا ہے، تب بھی پاک ہو رہا ہے اور کوئی باطن میں ہے تب بھی پاک ہو رہا ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ شرک کی نجاست جہاں ہو کلمہ بھی وہاں پہنچ جائے۔ تب دل پاک ہوگا اور جہاں کپڑے پر پیشاب لگ جائے، وہاں پانی پہنچ جائے، تب کپڑا پاک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا محبوب، "اللہ کے کلام" کی تلاوت کی ضرب لگا کر ایمان والوں کے دلوں کو پاک کرتا ہے۔ تو جب پاک کرنے والے رسول ہیں تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایمان والا یہاں ہو، رسول وہاں ہوں؟ پاکی تب ہی ممکن ہے، جب مصطفیٰ مومن کے قریب ہوں اور مومن مصطفیٰ کے قریب ہو اور مجھے کہنے دیجئے کہ جب تک آپ ﷺ مومن کے دل میں جلوہ گر نہ ہو جائیں، مومن پاک ہو ہی نہیں سکتا۔ پاک کرنا تو آپ کا منصب ہے۔ پاک کرنے کے لئے تو آپ تشریف لائے ہیں۔ اور جو اپنے آپ کو حضور سے دور سمجھے، وہ پاکی سے محروم رہے گا۔

☆ محترم عزیزو! اللہ کے رسول کو قریب سمجھو۔ اپنے دلوں کو حضور کی محبت سے لبریز کر لو۔ میں سمجھتا ہوں "اَلْـمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" "جس سے محبت ہوگی، آدمی اس کے ساتھ ہوگا۔" محبت کامل ہوگی تو معیت بھی کامل ہوگی۔ محبت ناقص ہوگی تو معیت بھی ناقص ہوگی۔ اس لئے میرے آقا نے بالکل حق فرمایا

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُ کُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

نعمت کبریٰ علیہ وسلم صلی اللہ

☆ محترم حضرات! اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے فرمایا

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

☆ ”بے شک اللہ نے بڑا احسان کیا ایمان والوں پر، جب اس نے ان میں عظمت والا رسول بھیجا۔“ (آل عمران: آیت ۱۶۴)

☆ اللہ رب العزت نے اپنے رسول معظم تاجدارِ مدنی جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ذکر جمیل جا بجا سارے قرآن میں فرمایا لیکن اس آیت مبارکہ میں عظیم شان سے ذکرِ حبیب وارد ہوا۔ قبل اس سے کہ میں آیت مبارکہ کا مفہوم بیان کروں۔ چند گزارشات بطور تمہید عرض کروں گا۔

☆ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ”لم یزل ولا یزال“ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر عدم اور نیست کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ اس سے پاک ہے۔ اس کی صفت ”اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم“ ہے۔ اس کی ذات پاک ایسی ہے کہ وہاں ہمارا تصور بھی نہیں پہنچ سکتا۔ وہاں ہماری عقل نہیں جا سکتی۔ وہاں ہمارے حواس کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ خدائے لم یزل کی بارگاہِ الوہیت تک ہمارا ادراک نہیں ہو سکتا۔ وہاں ہمارا علم عاجز ہے۔ اس صورت میں بندوں کو یہ حکم ہوتا ہے کہ ”قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت ہے کہ جو بات اس کی سمجھ میں نہ آئے اس کا علم اس کے ادراک اس کے حواس، جہاں نہ پہنچیں، وہ اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

☆ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص آپ سے یہ کہے کہ اس حوض میں جبل احد ہے، اس میں شہدائے احد کی قبور ہیں تو آپ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ کیونکہ آپ کی عقل، آپ کا علم، آپ کے حواس، آپ کا ادراک اس کو تسلیم نہیں کرتا۔ یا آپ سے کوئی یہ کہے کہ اس پتھر پر ایک آدمی کھڑا ہے، جس کے بیس ہزار سر ہیں اور ہر سر میں پچیس ہزار زبانیں ہیں اور وہ نظر نہیں آ رہا اور کہنے والا یہ کہے کہ بھائی اس کو مان لو۔ تو آپ کہیں گے کہ بھائی اس بات کو کیسے مان لیں، جہاں نہ علم، نہ عقل، نہ حواس، نہ ادراک جاتا ہو؟ اور پھر اللہ تعالیٰ کی ذات تو ایسی ہے کہ وہ خود فرماتا ہے

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿ (انعام، آیت ۱۰۳)

☆ سارے جہاں کی آنکھیں مل جائیں، اللہ کو دیکھ نہیں سکتیں، عقل وہاں جا نہیں سکتی، ادراک کی وہاں رسائی نہیں، علم وہاں پہنچتا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا علم محدود، ہماری عقل محدود، اور پھر اللہ رب العزت کی ذات لامحدود۔ تو رب لامحدود تک محدود کی رسائی کیونکر ہو۔ ایسی صورت میں جب ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ”قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ تو اب اس مطالبے کو کون مانے، کون خدا کی ہستی کا اقرار کرے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے ایسے خداؤں کو مانا، جن کو ان کی آنکھیں دیکھ سکتی تھیں۔ جن تک عقل پہنچ سکتی تھی اور جن کو وہ چھو سکتے تھے۔ اس لئے ان میں سے کسی نے آگ کو خدا سمجھا۔ کسی نے سورج کو خدا سمجھا۔ کسی نے چاند کو خدا خیال کیا۔ کسی نے پتھروں کو خدا

کہہ دیا۔ تو انہوں نے جن چیزوں کو حواس سے محسوس کیا یا ان کے علم اور ان کے ادراک کی رسائی ہوئی تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ خدا ہے۔

☆ لیکن جس ذات کو "وہ خدا" منوانا چاہتا ہے، وہ تو جسم سے پاک ہے، صورت سے پاک ہے، وہ لامحدود ہے، اس کی کوئی انتہا نہیں۔ شیخ سعدی کہتا ہے

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت بپایاں رسید عمر
ہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

☆ تو اب کیسے کہیں کہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کیونکہ وہ حواس سے بالاتر، علم سے بالاتر۔ یہ سب چیزیں محدود، وہ لامحدود، یہ سب چیزیں حادث ہیں، وہ قدیم ہے۔ یہ سب ممکن ہیں، وہ واجب الوجوب۔ یہ سب عبد ہیں، وہ معبود۔ یہ سب مخلوق ہیں، وہ خالق ہے۔ وہ "اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ، لم یزل ولا یزال، سَمِیْع و بَصِیْر و قَدِیْر" ہے۔ یہاں انسان کی عقل بالکل عاجز ہو کر رہ جاتی ہے اور خدا کی ہستی کے ماننے بغیر چارہ نہیں۔ نہ مانیں گے تو نجات نہیں۔ ہماری نجات کا دارومدار اس نکتے پر رکھ دیا کہ نہ مانو گے تو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہو گے۔ تو اب میں پوچھتا ہوں کہ اگر انسان کو نجات نہ ملے۔ کیونکہ وہ خدا کو نہ مانے گا تو نجات نہیں ملے گی۔ تو کیا خدا کا انسان پر کوئی احسان ہو سکتا ہے؟ نہیں ہو سکتا۔ انسان پر سب سے بڑا احسان یہ ہوگا کہ اس کو آخرت کے ابدی عذاب سے نجات مل جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "یہ ٹھیک ہے، تمہاری مجھ تک رسائی ممکن نہیں کیونکہ تم محدود، میں لامحدود۔ لیکن میں تمہاری دوزخ سے ہمیشہ کے لئے نجات دینا چاہتا ہوں۔ لہٰذا میں نے اپنی قدرت سے، اپنی حکمت سے، اپنی سماعت سے، اپنی بصر سے، اپنی صفات سے، اس جلوے کو ظاہر کیا، جس میں امکان بھی ہے اور وجوب بھی۔" یہ دو لفظ میں کہہ گیا، جن کو اہل علم سن کر پریشان ہوں گے کہ امکان بھی ہے وجوب بھی۔ تو میں اس جملے کی وضاحت کر دوں کہ امکان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے اس ذات مقدسہ کو اپنی قدرت کاملہ سے عالم امکان میں ذات واجب کا آئینہ بنا دیا کہ میرے علم کا جلوہ اس میں ہے، میری قدرت کا جلوہ اس میں ہے۔ میری سماع کا جلوہ اس میں ہے۔ میری بصر کا جلوہ اس میں ہے۔ میرے خبیر ہونے کا جلوہ اس میں ہے۔ یوں کہو کہ میرا جلوہ اس میں ہے۔ مجھے تو تم نے نہیں دیکھا مگر ان کو دیکھ لو اور اگر تم نے ان کو چشمِ بصیرت سے دیکھ لیا تو گویا مجھے دیکھ لیا۔ اسی لئے بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔

☆ "جس نے مجھے دیکھا، پس تحقیق اس نے حق تعالیٰ کو دیکھا۔"

☆ مگر دیکھا کس نے؟ جس کے اندر دیکھنے کی طاقت، قوت اور بصیرت تھی اور وہ یہ آنکھیں نہیں تھیں۔ یہ آنکھیں تو ابوجہل کے پاس بھی تھیں۔ یہ آنکھیں ابولہب، عتبہ اور شیبہ کے پاس بھی تھیں۔ تو ان آنکھوں سے تو وہ نہیں دیکھا گیا۔ اگر آپ ﷺ کو ان آنکھوں سے دیکھا جاتا تو ابولہب، ابوجہل، عتبہ اور شیبہ دیکھ لیتے۔ مگر محبوب غیروں کو دکھائے نہیں جاتے۔ اللہ نے اپنی معرفت کا نور اپنے جس

بندے کے دل میں پیدا فرمایا، اسی بندے نے اپنے دل کے نور کی روشنی میں مصطفیٰ ﷺ کے جمال میں خدا کے حسن کو دیکھ لیا اور جب تک آپ ﷺ کو نہیں دیکھا، اس وقت تک بات نہیں بنتی اور جب آپ ﷺ کو دیکھ لیا تو خدا کو دیکھ لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نجات کی راہ پیدا ہو گئی۔

ایک شبہ کا ازالہ

☆ آپ کے ذہن میں ایک زبردست سوال پیدا ہوگا کہ یہ بات تو حضور اکرم ﷺ کے زمانے کے لئے ہے۔ حضور ﷺ تو آخری نبی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک حضور کسی زمانہ میں نہ تھے۔ تو اس شبہ کا ازالہ میں عرض کر دوں۔

☆ اصل بات یہ ہے کہ جب تک اہل سنت کا مسلک تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ نہ قرآن کی بات سمجھ آئے گی، نہ حدیث کی اور نہ ایمان کا نکتہ تمہارے ہاتھ میں آئے گا۔ وہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ مقصودِ کائنات فقط محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور یقین کیجئے کہ مادی موجودات کل مخلوقات محمدیت کی تعبیر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے خلیفہ ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نجی اللہ ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود ہی اس بات کی حقیقت کو واضح فرما رہے ہیں

"وَمُبَشِّرًا م بِرَسُوْلٍ يَّأْتِي مِنْ م بَعْدِي اسْمُهٗ أَحْمَدُ" (سورۃ صف، پ ۲۸)

ترجمہ ☆ "اور ایک (عظمت والے) رسول کی خوشخبری سناتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے، ان کا نام احمد ہے۔"

☆ کہ جمالِ احمدی کا آئینہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں چمکا۔ جمالِ محمدی کا آئینہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات قرار پائی۔ حضرت خلیل اللہ حُسنِ مصطفوی کا جلوہ ہے اور حُسنِ محمدی کا جلوہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ تمام انبیاء سابقین سب کے سب میرے آقا کے حسن و جمال کے آئینہ دار ہیں۔ جس نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، اس نے جمالِ محمدی کو دیکھا، جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اس نے جمالِ احمدی کو دیکھا۔ جس نے خلیل اللہ کو دیکھا اس نے جمالِ مصطفوی کا مشاہدہ کیا۔ جس نے حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھا اس نے حُسنِ محمدی کو دیکھا کیونکہ مقصودِ کائنات حضور ﷺ ہیں۔ ہر نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حسن و جمال کا آئینہ بن کر آیا۔ کسی نے کیا خوب کہا

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

☆ گویا ہر نبی کا کمال آپ کے جمال کا جلوہ ہے۔ اس لئے آپ نے فرمایا

"كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ"

ترجمہ ☆ "میں اس وقت بھی نبی تھا، جب آدم ابھی جسم اور روح کے درمیان تھے۔" یعنی آدمؑ کا ابھی جسم اور روح بھی نہیں بنے تھے، اس وقت میں نبی تھا۔

امکان و جوب

☆ اب بات کھل کر سامنے آ گئی۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ مقصودِ کائنات آپ کی ذات ہے۔ آپ کا حسن و جمال ایک لاکھ یا غالباً دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں چمکا اور جو جس نبی کو دیکھ کر مسلمان ہوا، وہ اس حسنِ الوہیت کے جلوے کو دیکھ کر مسلمان ہوا۔ معلوم ہوا کہ

امکان کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ پیدا نہ کرتا تو مصطفیٰ ﷺ نہ ہوتے۔ وجوب کا مطلب یہ ہے کہ جلوہ ہائے حُسن وجوب کا آئینہ مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ پاک ہے۔ میں نے ہزاروں دفعہ کہا ہے، کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا اور خدا کرے یہ کہتے کہتے مر جاؤں کہ حُسنِ ازل کی "تجلی اول" مصطفیٰ ﷺ ہیں اور یہی نکتہ تمہارے آگے میں نے رکھ دیا۔ وہ نکتہ کیا ہے؟ وہ نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

ترجمہ☆ "بے شک اللہ نے بڑا احسان کیا، ایمان والوں پر، جب اسے ان میں ایک عظمت والا رسول بھیجا، انہی میں سے۔"

☆ اگر ہم اتنا بڑا احسان نہ کرتے تو اے مومنو! تمہیں نجات کا راستہ مل ہی نہیں سکتا تھا اور پھر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ میں نے اپنے حسن کا جلوہ مصطفیٰ کی شان میں تم کو دکھا کر اپنے آپ کو، اپنی ذات کو منوایا۔ مجھے مجدد صاحب کا وہ قول بہت پسند ہے۔ اپنے مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں۔

"مـــن ازاں خـداں مـــی پـــرستـــم کـــه وے خــدائـــے مـــحـــمــد اســـت"

ترجمہ☆ ارے میں خدا کو مانتا ہی اس لئے ہوں کہ وہ محمد کا خدا ہے۔

☆ میں اللہ کی پوجا اس لئے کرتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کا خدا ہے۔ اگر وہ محمد ﷺ کا خدا نہ ہوتا تو ہماری عقل وہاں نہ جاتی۔ ہمارے حواس وہاں نہ جاتے، ہمارا علم وہاں نہ جاتا۔ پھر ہم مانتے کیسے؟ ہم کیسے عبادت کرتے؟ جب مانتے ہی نہیں، عبادت ہی نہ کرتے تو ہماری نجات کیسے ہوتی۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

ترجمہ☆ بے شک اللہ نے بڑا احسان کیا مومنین پر

☆ عربی زبان کے لحاظ سے "رَسُوْلًا" میں جو دو زبر ہیں، ان کو تنوین کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کو پڑھنے میں نون کی آواز پیدا ہوتی ہے اور یہ تنوین تنکیر ہے۔ عربی قاعدہ کے لحاظ سے دال علی التعظیم ہے۔

☆ کیا مطلب ہوا؟ بہت بڑی عظمت کے معنی ان دو زبروں سے نکلتے ہیں۔ بڑی عظمت والا تو وہ خود ہے۔ مگر بتانا مقصود یہ ہے کہ اگر یہ بڑی عظمت والا نہ ہوتا تو مجھ بڑی عظمت والے کو کون پہچانتا۔ اس نے اس لئے اس کو بنایا کہ اس کو دیکھ کر میری کبریائی کو مان لیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

ترجمہ☆ ایمان والوں پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔

محبت کی حقیقت

☆ دلائل الخیرات بہت بڑی مشہور کتاب ہے۔ اس میں ایک حدیث

اَسْمَعُ صَلَاةَ اَهْلِ مُحَبَّتِيْ وَتُعْرَضُ عَلَيَّ صَلٰوةُ غَيْرِهِمْ

☆ فرمایا، "میں محبت والوں کا درود خود سنتا ہوں اور دوسروں کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ محبت والوں کی طرف میری خود توجہ ہوتی ہے۔ پتہ چلا کہ حضور ﷺ کو علم ہے کہ میری محبت والا کہاں ہے؟ سرکار تو ہر دل کی حرکت کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ ویسے تو حضور ﷺ کے علم سے، حضور ﷺ کی آنکھوں سے، حضور ﷺ کے کانوں سے، حضور ﷺ کے ادراک سے کون سی چیز دور ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ سرکار ﷺ کسی سے دور نہیں ہیں۔ یہ غلط ہے کہ مصطفیٰ ﷺ دور ہیں۔ ہم خود دور ہو جائیں تو یہ ہماری مرضی اور یہ خیال کرنا کہ جب سرکار ﷺ ہم سے دور نہیں ہوتے تو ہم کیسے دور ہو سکتے ہیں؟

ایک شبہ کا ازالہ

☆ اسکا جواب یہ ہے کہ جب سورج نکلتا ہے تو سب جگہ اپنی کرنیں برابر ڈالتا ہے۔ مگر جو یہ کہہ کر کہ گرمی زیادہ ہو رہی ہے۔ شامیانہ لگا لے اور اسکے نیچے چلا جائے تو سچ کہتا ہوں کہ سورج کی کرنیں تو شامیانہ پر پڑیں گی لیکن مجھے بتاؤ کہ سورج اس سے دور ہوا یا وہ خود سورج سے دور ہوا؟ تو یہ ہماری غفلت کے شامیانے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہم سرکار سے دور ہو گئے۔ ورنہ سرکار کسی سے دور نہیں ہیں۔

☆ بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ محبت ہی سب کچھ ہے اور وہ حدیث بھی سامنے آتی ہے

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ

☆ محبت کے سوا اور ہے ہی کیا؟ جہاں محبت نہیں وہاں کچھ نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں، تم میلاد مناتے ہو، تم سلام پڑھتے ہو، گیارہویں شریف مناتے ہو، بزرگوں کی فاتحہ واتحہ کرتے ہو۔ یہ تو حضور نے نہیں کیا، صحابہ نے نہیں کیا۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ تو میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ سرکار ﷺ نے حدیث پڑھانے کی تنخواہ لی تھی؟ کیا سرکار نے شعبہ تجوید قائم کر کے اور کسی قاری کی کوئی تنخواہ مقرر کی تھی؟ مجھے حیرت ہے کہ یہ لوگ اپنے مدرسوں میں پانچ پانچ سو ہزار ہزار روپے حدیث پڑھانے، تفسیر پڑھانے کی تنخواہیں لیتے ہیں۔ یہ سب دین کے کام ہیں، مگر اس وقت تمہیں بالکل یاد نہیں آتا کہ سرکار نے یہ کام کیا ہی نہیں تھا۔ خلفائے راشدین نے ایسا کام نہیں کیا۔ یہ تمام سلسلے تم نے خود بنا رکھے ہوئے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ کام دین سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ تمہارے نفس سے تعلق رکھتا ہے۔ تمہیں اپنے نفس سے محبت ہے تو اپنے نفس کے لئے سب کچھ جائز ہے اور جو رسول کی محبت نہیں تو منبر رسول پر کھڑے ہو کر کہتے ہو، صلوٰۃ و سلام پڑھنا، میلاد منانا جائز نہیں ہے۔

قرآنی قانون

☆ بہر حال، اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو میں آپ کو ایک بنیادی بات بتا دوں! اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے جتنے ناجائز کام تھے، بتا دیئے۔ جائز کاموں کا شمار نہیں۔ اس لئے شریعت کا یہ اصول ہے کہ جس کام کے ناجائز ہونے کی دلیل قرآن و حدیث میں مل گئی وہ ناجائز ہے۔ جس کے ناجائز ہونے کی دلیل کہیں نہیں ہے یعنی اس کو نہ خدا نے ناجائز قرار دیا نہ رسول نے ناجائز قرار دیا اور اس کے اندر کوئی خیر کا پہلو موجود ہے، اس کو ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ وہ جائز ہے۔ جن عورتوں سے نکاح ناجائز ہے، قرآن نے ان کا ذکر کر دیا

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ

اَخَوٰتُکُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّھٰتُ نِسَآئِکُمْ وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ مِنْ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَاقَدْ سَلَفَ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (۲۳، سورۃ النساء، پ ٤)

''حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں۔ تمہاری ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو تو اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں اور (حرام کی گئیں تم پر) تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ تم جمع کرو دو بہنوں کو مگر جو گزر چکا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔''

☆ لیکن جن عورتوں سے نکاح جائز ہے، ان کا ذکر یہاں بھی نہیں کیا ہے۔ تو اس لئے اصول یہ ٹھہرا کہ جس کام کے ناجائز ہونے کی دلیل قرآن وحدیث میں مل گئی، وہ ناجائز ہے۔ اس کو اگر کوئی جائز کرتا ہے، وہ جہنمی ہے اور اسی کے لئے حضور ﷺ نے فرمایا ہے

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ

☆ لہٰذا صلوٰۃ وسلام کھڑے ہو کر پڑھنا اور میلاد منانا خدا کی قسم! اگر محبت سے یہ کام کئے جائیں تو یہ کام نہ صرف جائز ہیں بلکہ عبادت ہیں۔ اصل چیز محبت ہے اور اس کی دلیل میں آپ کو بتادوں۔

ناطق دلیل

☆ بخاری شریف میں ایک حدیث ہے۔ ایک صحابی کو حضور ﷺ نے ایک قوم کا امام مقرر فرمایا۔ وہ صحابی بہت نیک تھا۔ نماز پڑھانے لگا اور مقتدی یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں لیکن امام صاحب نماز میں ایسا کام کرتے تھے جو نہ رسول نے کیا نہ دیگر صحابہ نے۔ وہ کام یہ تھا کہ ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد کوئی سورۃ ملاتے اور پھر سورۃ اخلاص پڑھتے۔ مقتدیوں کو اس فعل سے شکایت ہوئی اور حضور تاجدار مدینہ ﷺ سے عرض کی۔ ''حضور! یہ امام ایسا کام کرتا ہے جو آپ نے بھی کبھی نہیں کیا۔'' چنانچہ حضور نے امام کو بلایا اور پوچھا ''تو ایسا کیوں کرتا ہے؟'' صحابی نے عرض کیا، ''سرکار! میں الحمد کے بعد کئی سورتیں پڑھوں، مگر جب تک سورۃ اخلاص نہ پڑھوں دل کو چین نہیں آتا۔ میرے آقا محبت کے سوا اور کوئی بات نہیں۔'' سرکار نے فرمایا

''حُبُّکَ اِیَّاہُ اَدْخَلَکَ الْجَنَّۃَ''

ترجمہ☆ اس کی محبت نے تجھے جنت میں داخل کردیا۔

☆ ورنہ حضور یہ فرماتے

''کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَکُلُّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ'' (بخاری شریف)

ترجمہ☆ ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی دوزخ میں لے جاتی ہے۔

☆ سرکار نے یہ نہیں فرمایا، ''تو دوزخ میں جائے گا۔'' اگر یہ خودساختہ اصول کہ ہر کام لکھا ہوا ہو تو مانا جائے تو اس کے لئے مجھے ایک چھوٹا

سا واقعہ یاد آیا۔ ایک شخص نے کسی امیر کی نوکری کرنا چاہی اور نوکر نے کہا، ”جناب! میں نے بہت لوگوں کی نوکری کی ہے۔ مگر مجھے کسی کی نوکری راس نہیں آئی اور میں آپ کے ہاں بھی ایک شرط پر نوکری کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ جو کام بھی مجھ سے لینا چاہیں، لکھوا دیں۔ خواہ ہزاروں کام ہوں، لکھے ہوئے کام کروں گا مگر دوسرا کام ہرگز نہ کروں گا۔ امیر آدمی مجبور تھا، اس کے ذہن میں جتنے کام آئے، اس نے اس کی ڈائری میں لکھوا دیئے اور ملازمت ہوگئی۔ سب کاموں میں یہ کام بھی تھا کہ وہ شکار پر بھی ساتھ جائے گا۔ چنانچہ اب ایک دن آقا شکار پر روانہ ہوا تو نوکر بھی ساتھ تھا۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ گھوڑے کو جو تیز دوڑایا تو گھوڑا کسی پولی زمین میں دھنس گیا۔ اب گھوڑا ایسی جگہ پھنسا کہ آقا نیچے اتر نہیں سکتا تھا۔ اب امیر آدمی نے نوکر کو پکارا کہ ”میں زمین میں دھنسا جا رہا ہوں اور تو ایک طرف کھڑا دیکھ رہا ہے۔“ نوکر نے کہا، ”آقا! پہلے میں یہ تو دیکھوں کہ یہ کام میری ڈائری میں لکھا ہوا بھی ہے یا نہیں۔ میں تو وہی کام کروں گا جو لکھا ہوا ہوگا کیونکہ یہ بات طے ہو چکی ہے۔“ اب بھائی تم لکھا ہوا دیکھتے رہو تو تمہاری مرضی۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ سب سے بڑی دلیل محبت ہے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجدد مائۃ حاضرہ محدث اعظم
امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد و بارک وسلم

☆ قابل صد احترام حضرات علماء کرام، بزرگانِ قوم، برادرانِ اہلِ سنت! السلام علیکم!

☆ اگرچہ میں یہاں بڑی تکلیف سے پہنچا ہوں۔ مگر یہ عظیم اجتماع دیکھ کر میری تکالیف دور ہو گئیں۔ میں اپنے آپ کو تقریر کے قابل نہیں پاتا۔ کیونکہ گذشتہ رات سے میں نے مسلسل تین تقریریں بسلسلہ یومِ اعلیٰ حضرت کراچی میں کیں۔ آخری تقریر ساڑھے چار بجے صبح کراچی میں کی۔ بیٹی بیمار تھی۔ ساڑھے پانچ بجے اس کے ساتھ بیٹھا رہا۔ ساڑھے چھ بجے ائر پورٹ کراچی سے ملتان ساڑھے سات پونے آٹھ بجے پہنچا۔ ملتان آتے ہی مجھے ایک جگہ تقریر کے لئے جانا پڑا۔ میں نے ساڑھے گیارہ بجے تقریر ختم کی۔ پھر جمعہ کا وقت ہو گیا۔ جمعہ پڑھایا۔ پوری رات آنکھوں میں گزر گئی اور اسی طرح دن بھی مصروفیت سے گزرا۔ اب تقریر اور سفر کے قابل نہیں تھا۔ مگر سعد اللہ جو کہ میرے شاگرد بھی ہیں، کی محبت نے مجھے یہاں حاضر کر دیا۔

☆ محترم حضرات! سنی حضرات صفر کے مہینے کے آخری ایام میں اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں پورے ملک میں یورپ کے تمام ممالک میں ایشیا کے تمام ممالک میں امریکہ، برطانیہ اور دیگر مختلف ممالک میں آپ کا عرس مناتے ہیں۔ آپ کا یومِ وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ ہے اور یہی عرس کا دن مقرر ہے۔

☆ عزیزانِ محترم! اعلیٰ حضرت کے کارناموں کا ہم احاطہ نہیں کر سکتے۔ ان کا علم، ان کی قابلیت، ان کا تقویٰ، انکی ذہانت، کسی ایک پر بھی گفتگو کی جائے تو ختم نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت دنیا کے تمام علوم پر حاوی تھے۔ علوم عقلیہ ہوں یا نقلیہ، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام علوم آپ کی بارگاہ میں دست بستہ کھڑے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے علوم کی کوئی انتہا نہیں۔ آپ کی کتابوں کو پڑھا جائے اور بالخصوص فتاویٰ رضویہ کو ہمارے مدارس میں پڑھا دیا جائے تو ایسے ایسے عالم نکلیں گے کہ ان کا کوئی جواب نہیں ہوگا کیونکہ خود فتاویٰ رضویہ کئی علوم کا خزینہ ہے۔

☆ اب اعلیٰ حضرت کے کارناموں کے بارے میں بعض لوگوں نے کہا کہ آپ انگریز کے حامی تھے۔ استغفر اللّٰہ! میں عرض کرتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت نے بدمذہبوں سے جو طرفہ جنگ فرمائی ہے اور انگریزوں سے الگ جنگ فرمائی۔ جنہوں نے مسلمانوں کو اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور سب سے پہلے انگریزوں کے خلاف فتویٰ دینے والے مولانا فضل حق خیر آبادی ہی تھے، جو فکری اور علمی صلاحیتوں کے لحاظ سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کے نمونہ تھے۔ یعنی اعلیٰ حضرت کو دیکھ لو اور مولانا فضل حق خیر آبادی کو دیکھ لو۔ دونوں اپنے مکتب فکر کے لحاظ سے ایک دوسرے کا نمونہ اور عکس ہیں۔ لیکن آپ کے علم میں ہے کہ انگریزوں نے اپنی طرف سے لوگوں کا رخ ہٹانے کے لئے ایسی چال چلی کہ لوگ یہ سمجھیں کہ سکھوں کے خلاف جہاد ہو رہا ہے۔

☆ لیکن دراصل انگریزوں کے لئے ایک بچاؤ کی صورت پیدا کی جارہی تھی اور جب ان سے پوچھا گیا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا کیسا ہے تو انہوں نے کہا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا جائز نہیں۔ یہ ایک ڈھونگ تھا اور ایک چال تھی جو لوگوں نے چلی۔

دوقومی نظریہ کی ضرورت

☆ اعلیٰ حضرت کی ذاتِ گرامی تو شمشیرِ عریاں تھی۔ آپ حق کی تلوار تھے کوئی بھی باطل آپ کے سامنے آتا۔ آپ کی شمشیر خار شگاف سے دو ٹکڑے ہو جاتا۔ اعلیٰ حضرت نے یہ چال کامیاب نہ ہونے دی اور اعلیٰ حضرت نے انگریزوں کی غلامی کے بندھن کو توڑنے کے لئے سب سے پہلے دوقومی نظریہ پیش کیا۔ اس لئے کہ اس وقت لوگ ہندو مسلم بھائی بھائی کے نعرے لگا رہے تھے اور یہ ایک ایسی تحریک تھی کہ اچھے اچھے حضرات وافراد اس تحریک کے دھارے میں سیلاب کی طرح بہہ گئے تھے اور اعلیٰ حضرت نے کسی کو معاف نہیں کیا اور ہر ایک پر مواخذہ کیا اور فرمایا، ''ہندو مسلم بھائی بھائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ کافر ہیں اور ہم مسلمان ہیں۔ وہ مشرک ہیں اور ہم موحد۔ کیسے ایک مشرک کافر، مسلمان موحد کا بھائی ہو سکتا ہے۔'' اعلیٰ حضرت میں سیاسی بصیرتِ عظیم تھی اور جن لوگوں کی مخالفت فرمائی، وہ اس بنا پر کہ آپ کو اعتماد تھا کہ یہ لوگ شریعت، دین اور اسلام کی بالادستی قائم نہیں کریں گے اور حالات اور واقعات نے یہ صحیح ثابت کر دیا کہ اعلیٰ حضرت اپنے موقف پر بالکل صحیح تھے۔ پاکستان کے مخالفین میں شمار کرنا اعلیٰ حضرت پر بہتان ہے جبکہ ایک طرح پاکستان کے بانیوں میں آپ کا نام نامی صفِ اوّل میں ہے اور اعلیٰ حضرت نے اس دوقومی نظریہ کو بنیاد قرار دے کر پاکستان کے لئے اساس فراہم کر دی۔

اعلیٰ حضرت نے حق وباطل کو واضح کیا

☆ اعلیٰ حضرت نے ہم کو بتا دیا کہ ''تم اہلِ حق ہو، اہلِ باطل کے ساتھ تمہارا ہرگز رہ گزر نہیں ہو سکتا۔ حق حق ہے اور باطل باطل۔ اللہ تعالیٰ نے قانون مقرر فرما دیا

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (پ٤، آل عمران، آیت ١٧٨)

ترجمہ ☆ (اے لوگو!) اللہ ایمان والوں کو اس حال پر نہ چھوڑے گا، جس پر تم ہو۔ یہاں تک کہ جدا کر دے ناپاک کو پاک سے

☆ مومن اور کافر، پاک اور ناپاک مخلوط رہیں اور یہ مخلوط رہنا اللہ تعالیٰ کا قانون نہیں ہے۔ یہ خدا کے قانون کے خلاف ہے۔ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ط

☆ اعلیٰ حضرت نے ہمیشہ خبیث کو طیب سے جدا کیا اور باطل کو حق سے جدا کیا اور دنیا کو بتایا کہ یہ حق ہے، اسے قبول کر لو اور یہ باطل ہے اس کو رد کر دو۔ اس لئے ہم اعلیٰ حضرت کا شکریہ ادا کر ہی نہیں سکتے۔

☆ اعلیٰ حضرت نے قرآنِ پاک کا ایسا شاہکار ترجمہ لکھا جو اہلِ علم اور اہلِ قدر کو تمام تفاسیر سے مستغنی کر دینے والا ہے اور پھر آپ نے تمام مسائل میں حق کو واضح فرمایا اور خاص طور پر عقائد اہلِ سنت کو، غیر عقائد اہلِ سنت سے منقیٰ (مصفیٰ) فرمایا اور پھر عقائد اہلِ

سنت کو مبرھن فرمایا اور ان کے دلائل مرتب فرمائے اور سنیوں کے ہاتھ میں دلیلوں کی تلوار دے دی اور فرمایا، "یہ تمہارا دعویٰ ہے اور یہ تمہاری دلیل اور یہ تمہارا عقیدہ ہے اور یہ اس کی دلیل۔" اے اعلیٰ حضرت اللہ تعالیٰ کی آپ پر بے شمار رحمتیں ہوں۔

ایک اعتراض

☆ لوگ کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے نیا دین پیش کیا۔ خدا کی قسم! اعلیٰ حضرت نے نیا دین پیش نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (پ ۳ آل عمران، آیت ۱۹)

ترجمہ ☆ بے شک اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔

☆ ہاں! اعلیٰ حضرت نے اتنا ضرور کیا کہ لوگوں نے دین کے حسین چہرے کو غبار آلود کر دیا، اس کو صاف کیا اور یاد رکھیئے کہ یہ کام انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ کیونکہ ایک نبی اللہ تعالیٰ کے دین کو لے کر آتا، جب جاتا تو لوگ نبی کی لائی ہوئی تعلیمات کو اپنی جاہلیت اور گمراہی کی ظلمتوں میں چھپا دیتے، پھر دوسرا نبی آتا وہ پھر ان کی جاہلیت اور گمراہی کی ظلمتوں کے غبار کو دور فرماتا، اسی طرح پھر اور نبی آیا اور اس نے لوگوں کی جاہلیت کے پردوں کو دور کیا۔ یہاں تک کہ خدا نے ہر قوم کے لئے ایک ہادی بھیجا اور وہ ہدایت کرنے والے خدا کے نبی تھے۔ ہر نبی نے اللہ تعالیٰ کے دین کو بے غبار کر کے پیش کیا۔ دین ایک ہی ہے جو حضرت آدم علیہ السلام اللہ سے لے کر آئے تھے۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وہی دین لے کر آئے جو حضرت آدم علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ مگر لوگ کیا کرتے؟ ان کی تعلیمات میں اپنی خرافات کو مخلوط کر دیتے اور دین کے خوبصورت چہرے کو اپنی جاہلیت اور گمراہی کے غبار سے غبار آلود کر دیتے۔ پھر نبی تشریف لاتے، دین کے حسین چہرے کو بے غبار کرتے، جہالت کے پتلے پھر اپنی جہالت کو اس میں شامل کر دیتے اور اس کو مکدر کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔ وہ ان کدورتوں کو دور کرنے کی غرض سے یہ سلسلہ عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہا۔ معلوم ہوا اللہ کے دین کو مصفیٰ کر کے پیش کرنا انبیاء کا کام ہے۔ حضور سید عالم ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ بند ہو گیا اور دین کو غبار آلود کرنے والے اب بھی موجود تھے اور سرکار نے ان کے لئے فرمایا تھا۔

"سیاتی علی الناس زمان لا یبقی من الدین الا اسمه ولا یبقی من القرآن الا رسمه، یقرء ون القرآن ولا یجاوز عن حناجرهم یحقر احدکم صلوته مع صلاتهم وصیامه مع صیامهم"

فرمایا، "لوگوں پر ایک دن آنے والا ہے کہ اسلام (دین) کا نام رہ جائے گا، قرآن کی رسم رہ جائے گی، لوگ قرآن پڑھیں گے مگر حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور پھر ان کا حال کیا ہوگا؟ ان کی نمازوں کے سامنے تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے اور تم روزوں کو ان کے روزوں کے سامنے حقیر سمجھو گے۔" فرمایا،

☆ "مساجدهم عامرة" "ان کی مسجدیں نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوں گی۔"

☆ مسجدیں تو آباد ہوں گی مگر حال کیا ہوگا؟ وہی

"خراب من الهدیٰ" "ہدایت سے ویران ہو گئی۔"

☆ ہدایت کا نام ونشان نہ ہوگا۔ پھر سرکار نے فرمایا

"یمرقون من الدین"

☆ وہ دین میں داخل ہوکر دین سے اس طرح نکل جائیں گے، جیسے

"یمرق السھم من الرمیۃ"

☆ تیر شکار کے جانور میں داخل ہوکر پھر باہر نکل جاتا ہے۔

فرمایا، "فایاکم و ایاھم ولا یفتنونکم ولا یضلونکم"

☆ خبردار! تم اپنے آپ کو ان سے دور رکھو اوران کو اپنے سے دور رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو فتنہ میں ڈال دیں اور گمراہ کردیں۔

☆ کیونکہ وہ خود فتنوں میں مبتلا ہیں اور گمراہ ہیں۔ لہٰذا تمہیں اپنے آپ کو بچانا ہے۔ (تین دفعہ زور دے کر اس جملہ کو حضرت اقدس نے دہرایا) حضور نبی کریم ﷺ نے اس قوم کی نشان دہی فرمائی اور یہ قوم اللہ کے دین کے حسین چہرے کو غبار آلود کرنے والی تھی۔ ارے خروج کا طوفان اٹھا، قدریہ، جبریہ اور اعتزال کے طوفان اٹھے۔ اعتزال کا طوفان تو طاعون تھا، جس نے لوگوں کو زہریلا کردیا اور وہ ہلاک ہوگئے۔ خروج بظاہر ایک فتنہ تھا، مگر وہ کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ اعتزال لوگوں کو ایک فتنہ نظر آتا تھا، مگر ان کے اندر بے شمار فرقے پیدا ہوگئے۔ جبریہ ایک فتنہ نظر آتا تھا لیکن اس کے اندر بھی کئی ایک فرقے پیدا ہوئے۔ اسی طرح قدریہ میں بھی۔ یہ سب کے سب گمراہ تھے۔ انہوں نے دین کے حسین چہرے کو غبار آلود کیا۔ حضور خاتم الانبیاء ہیں۔ اب کسی نبی نے آنا نہیں تھا۔ دین کے چہرے کو آلودگی سے پاک کرنے والا کوئی بھی تو ہوگا۔

مجددین کی علامات

☆ چنانچہ سرکار کا ارشاد ہے

"عن ابی ھریرہ فما اعلم رسول اللہ قال ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی الرأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا"

☆ کہ وہ حضور کے لئے مجدد کو بھیجتا ہے جو دین کو سرکار کی امت کے لئے بے غبار کرکے پیش کردیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان مجددین کا سلسلہ جاری رہا۔ پہلے مجدد عمر بن عبدالعزیز تھے اور ان کے بعد تمام ائمہ مجتہدین اجتہاد کے ساتھ ساتھ مجددین بھی تھے اور مجددین کا سلسلہ جاری رہا اور چلتا رہا اور پھر ایک ایسا وقت آیا کہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی پیدا ہوئے۔ ہر صدی کے بعد مفتنون لوگوں نے دین کو غبار آلود کیا اور ان مجددین نے اس کو صاف کیا اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں جس زمانے میں پیدا ہوئے، اس زمانے میں ان لوگوں نے دین کو اس قدر غبار آلود کیا ہوا تھا کہ اہلِ بصیرت کے سوا کسی کو حق نظر ہی نہیں آتا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے تمام غبار سے اس دین کے حسین چہرے کو صاف کیا۔ لوگ بھٹک گئے تھے۔ کسی نے توحید کا نام لے کر لوگوں کو گمراہ کیا، کسی نے فقط قرآن کا نام لے کر گمراہ کیا اور کسی نے حدیث کا نام لے کر لوگوں کو اپنی طرف بلایا۔ جنہوں نے حدیث کا

نام لیا، انہوں نے سنتِ رسول سے لوگوں کو متنفر کیا۔ جنہوں نے قرآن کا نام لیا، انہوں نے حدیث سے لوگوں کا رُخ موڑا۔ توحید کا نام لے کر لوگوں کو اپنی طرف بلانے والوں نے رسالت سے نفرت دلائی۔ خوب یاد رکھو، وہ توحید ہی نہیں جو رسالت سے نفرت دے۔ وہ قرآن نہیں جو حدیث پاک سے بیزار کرے اور وہ حدیث نہیں جو سنت سے لوگوں کو دور رکھے۔ قرآن اور حدیث، توحید اور رسالت، یہ سب ایک ہی چشمہ کے انوار ہیں۔

☆ عزیزانِ محترم! اعلیٰ حضرت نے کیا کیا نہ کیا؟ اعلیٰ حضرت نے ان اہلِ زیغ کو پہچانا اور دیکھا کہ کہاں کہاں سے فتنے نکل رہے ہیں اور ہر فتنہ کے سوراخ کو متعین کیا۔ سب سے پہلا اور بھاری فتنہ لوگوں نے توحید کے نام پر کھڑا کیا۔ توحید کا نام لے کر رسالت سے نفرت دلائی۔ مگر اعلیٰ حضرت نے کیا کیا؟ اور ان لوگوں کو کہا، ''ارے توحید کا نام لے کر رسالت سے نفرت دلانے والو! توحید کی نعمت زبانِ رسالت ہی سے ملی ہے اور اگر زبانِ رسالت نہ ہوتی تو تمہیں توحید کہاں نصیب ہوتی؟'' میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت نے لوگوں کو بتایا کہ توحید کا نام لے کر رسالت سے بے تعلق کرنا، قرآن کا نام لے کر حدیث سے نفرت دلانا، حدیث کا نام لے کر سنت سے دور رکھنا دین نہیں، بے دینی ہے۔ کیونکہ مرکز توحید مرکز قرآن، مرکز حدیث مرکز سنت اور مہبط رسالت مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اگر حضور کی زبان نہ کھلتی تو ہمیں توحید کا کیسے پتہ چلتا؟

☆ عزیزانِ محترم! اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ ازل سے ہے۔ واحد، احد اور لاشریک ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے احد، واحد اور لاشریک ہونے کو لوگوں نے کیسے جانا؟

''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' ''(میرے محبوب!) کہہ دے، اللہ ایک ہے۔''

☆ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

☆ ''تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' ''یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔''

☆ ''نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ'' ''جو محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا۔''

☆ اگر حضور کو الگ کر لو تو قرآن اور توحید سے محروم ہو جاؤ گے۔ سارا دین مصطفیٰ کے سینے میں ہے۔ توحید کے چشمے یہاں پھوٹ رہے ہیں۔ قرآن، شریعت اور دین کے چشمے یہاں سے پھوٹ رہے ہیں۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر باو نرسیدی، تمام بولہبی است

☆ عزیزانِ محترم! اعلیٰ حضرت نے دین کو محفوظ اور مستحکم کیا۔ جب کسی چیز کی بنیاد کمزور کی جائے تو وہ مستحکم نہیں ہوتی! اعلیٰ حضرت نے ہمیں بتایا کہ توحید نصیب ہونے کی بنیاد زبانِ رسالت ہے اور قرآن ملنے کی بنیاد بھی زبانِ اقدس ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قرآن ہی اللہ کا کلام ہے۔

☆ "تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ" "یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔"

☆ مگر "اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِیۡمٍ" "بے شک یہ (قرآن) ضرور قول ہے رسول کریم کا"

☆ یہ آیت قرآن میں دو جگہ آئی ہے۔ ایک جگہ رسولِ کریم سے جبریل مراد ہیں اور ایک جگہ بالاتفاق حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ مقدسہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے محبوب کے سامنے جبریل نے آ کر قرآن پیش کیا اور جبریل نے کہا، "یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔"

"اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ"

ترجمہ ☆ (اے محبوب!) پڑھیئے، اپنے رب کے نام سے، جس نے پیدا کیا۔

☆ پہلے جبریل نے قرأت کی، تلاوت کی اور تلفظ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

☆ "اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِیۡمٍ" "بے شک یہ (قرآن) ضرور قول ہے رسول کریم کا"

☆ میرے محبوب کی بارگاہ میں قرآن جبریل کا قول ہو کر آیا۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

☆ اے ایمان والو! "اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِیۡمٍ"

☆ بے شک یہ (قرآن) ضرور قول ہے رسول کریم کا

☆ تمہارے پاس قرآن میرے محبوب کا قول بن کر آیا۔ اگر میرے محبوب تلاوت نہ فرماتے، تلفظ نہ فرماتے تو تمہیں قرآن کہاں سے نصیب ہوتا؟ جبریل تو تمہارے پاس نہیں آئے تھے۔ تم نے جبریل کو دیکھا ہی نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے تمہارے کانوں میں قرآن پڑھا ہی نہیں۔ جبریل تو میرے حکم سے میرے محبوب کے پاس آیا۔

☆ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ "جسے روح الامین (جبریل) نے اتارا

☆ یعنی روح الامین نے اس قرآن کو نازل کیا مگر کہاں نازل کیا؟ تم پر نہیں۔

☆ عَلٰی قَلۡبِكَ "آپ (ﷺ) کے قلب (مبارک) پر

☆ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کلام میرا ہے اور قول نبی کریم ﷺ کا ہے۔ عزیزانِ محترم! اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ سارا دین تو حضور کے پاس ہے۔ توحید یہاں سے آئی۔ قرآن، حدیث آپ سے حاصل ہوا۔ حرمت کے احکام، امر کے احکام، نواہی کے احکام آپ پر نازل ہوئے۔ سارا دین تو آپ سے ملا۔ جب تک آپ کی ذات پاک کے کمالات کا تحفظ نہ ہو دین کیسے بچے گا؟ دین ایک عمارت ہے اور مصطفیٰ اس کی بنیاد ہیں اور جو عمارت کا دشمن ہوتا ہے، وہ بنیادوں کا بھی دشمن ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے جب دیکھا کہ دین کی بنیادوں کو کمزور کیا جا رہا ہے اور آپ کے کمالات اور علم کا انکار ہو رہا ہے اور کہیں آپ کی قدرت اور اختیار کا کہیں آپ کی طرف غلطیاں اور خطائیں منسوب کی جا رہی ہیں اور کہیں لوگوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں موقع پر حضور کو ڈانٹ پلائی، فلاں موقع پر عتاب کیا اور حضور پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اس طرح دین کی بنیادوں پر ہر طرف سے تیر چل رہے تھے۔

☆ محترم حضرات! اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ نبوت کا کمال تو کمالِ علمی ہے کیونکہ علم کا ظہور اور علم کا نشان عمل سے ہوتا ہے اور علم کا وجود قدرت اور اختیار سے ثابت ہوتا ہے اور دین کی بنیادوں کو گرانے والوں نے حضور کے علم کا انکار کر کے یہ کہا کہ حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں اور انہیں کوئی قدرت اور اختیار نہیں۔ وہ تو فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو نہ بچا سکے وغیرہ۔ جب کمالاتِ نبوت اور علم کا انکار ہوا اور حضور کے تصرف اور قدرت کا انکار ہوا تو اعلیٰ حضرت تڑپ گئے کہ دین کی بنیادوں کو نہ بچایا گیا تو دین نہیں بچے گا۔

☆ عزیزانِ محترم! پھر لطف کی بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضور کے علم کا انکار کیا اور شیطان کی وسعت علمی کا اقرار کیا۔ حضور کی قدرت اور تصرف کا انکار اور شیطان کی قدرت اور تصرف کا اقرار، اگر ان باتوں کو تسلیم کر لیں تو کیا دین باقی رہے گا؟ ہرگز نہیں۔

☆ اے اعلیٰ حضرت! آپ پر کروڑوں سلام ہوں۔ آپ نے ان فتنوں کے سوراخوں اور جڑوں کو تلاش کیا اور دلائل اور برہان کی روشنی میں ایسی کاری ضرب لگائی کہ باطل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

☆ جنہوں نے شیطان کی وسعت علمی کا اقرار کیا، انہوں نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا، "شیطان اور ملک الموت کی وسعت علم نص سے ثابت ہے اور فخر عالم کے لئے کون سی نص قطعی ہے۔" میں شیطان اور ملک الموت کی وسعت علم کا اقرار کرتا ہوں مگر حضور کے علم کے ساتھ شیطان کے علم کا کیا تصور ہو سکتا ہے؟ سرکار کے تصرف اور اختیار کی بارگاہ میں شیطان کے تصرف اور اختیار کا کیا وزن ہو سکتا ہے؟ لیکن لوگوں نے کیا کیا؟ حضور کے علم کا وزن گھٹا دیا اور شیطان کے علم کا وزن بڑھا دیا۔ حضور کے تصرف اور اختیار کا وزن گھٹایا اور شیطان کے تصرف اور اختیار کو بڑھا کر پیش کیا۔ انبیاء اور اولیاء کے تصرف اور اختیار کو کیسے گھٹایا؟ انہوں نے لوگوں سے کہا، "بھئی تمہیں انبیاء کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات سے یہ دھوکہ ہوا کہ انہیں کوئی اختیار اور قدرت ہے۔ انہیں کوئی اختیار اور قدرت نہیں۔"

☆ میرے محترم دوستو! کیسے کیسے معجزے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہوا کو مسخر کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں اور لوہے کو موم کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا کہ وہ مٹی کے مجسمہ کو پھونک ماریں اور وہ پرندہ ہو کر ہوا میں اڑ جائے۔ وہ اگر مادر زاد اندھے کو ہاتھ لگائیں تو وہ بینا ہو جائے۔ مردے کو ہاتھ لگائیں تو جی اٹھے اور پھر ان لوگوں کا یہ تاثر دینا کہ ان معجزات سے کوئی تصرف، ارادہ اور اختیار ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں شیطان کا علم اور ارادہ اور تصرف بھی ثابت ہے

"یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ"

ترجمہ☆ اے اولادِ آدم شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے۔

"کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ"

ترجمہ☆ جس طرح تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا۔

☆ "یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ" میں "بَنِیْ" کی اضافت آدم کی طرف راجع ہے یعنی کوئی بھی اولادِ آدم کا فرد باقی نہیں رہا جو بنی آدم کے اندر شامل نہ ہو۔ بنی آدم کو اللہ تعالیٰ خطاب کر کے فرماتا ہے۔ "لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ" "کہیں شیطان تم کو فتنہ میں نہ ڈال دے۔" کون سا شیطان؟ وہی شیطان جس نے تمہارے باپ آدم اور ماں کو فتنہ میں ڈالا تھا؟ "کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ" "جس طرح

تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا۔" اور بظاہر آدم اور حوا کا جنت سے نکلنے کا سبب بن گیا۔ یہ وہی ایک شیطان ہے، جس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا اور اولادِ آدم میں قیامت تک آنے والی پوری نسلِ انسانی شامل ہے۔ بہت سوچنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ اس اکیلے شیطان کے فتنہ سے بچنے کے لئے پوری اولادِ آدم کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے، وہ جس نے تمہارے "ابوین" کو فتنہ میں ڈالا اور ان کو جنت سے نکلوا دیا۔

☆ "يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا" "ان کا لباس ان سے اتروا دیا۔"

☆ "لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا" "تا کہ انہیں دکھائے ان کی شرمگاہیں۔"

☆ اوران کا چھپ جانے والا بدن بھی کھلوا دیا۔

"اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ"

ترجمہ☆ بے شک تمہیں دیکھتا ہے وہ (شیطان) اور اس کا کنبہ جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے۔

☆ اب "اِنَّـهٗ" کی ضمیر کا مرجع وہی شیطان ہے، جس نے آدم اور حوا کو جنت سے نکلوایا، وہ بھی اور اس کے شتونگڑے کیا کر رہے ہیں؟ "يَرٰىكُمْ" میں "كُمْ" کا مرجع بنی آدم کا ہر فرد شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

☆ وہ ایک شیطان اپنے کنبہ کے ساتھ تم سب کو دیکھ رہا ہے۔" کہاں سے؟

☆ "مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ" "جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے۔"

☆ یعنی جہاں سے تم ان کو دیکھ ہی نہیں سکتے۔

☆ ایک شیطان اور اس کے سب شتونگڑے بنی آدم کو خواہ وہ مکان کے اندر ہوں یا باہر ہوں، آگے پیچھے ہوں یا آگے، اکیلے ہوں یا دوستوں کے ساتھ خواہ دن ہو یا رات، خواہ شہر ہو یا جنگل، کہیں بھی ہوں، سب کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ آیت ان کے سامنے آئی اور انہوں نے کہا کہ شیطان کی وسعتِ علم نص سے ثابت ہے اور اس کی قدرت بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ"

ترجمہ☆ اے اولادِ آدم شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے۔

☆ اور فتنہ میں ڈالنا بغیر تصرف، اختیار اور طاقت کے ہو نہیں سکتا۔

☆ "اِنَّـهٗ يَرٰىكُمْ" یہ اس کے علم کی دلیل ہے چنانچہ شیطان کا علم قدرت، اختیار زمین اور اہلِ زمین کو محیط ہے اور پھر انہوں نے کہا، "فخر عالم کے لئے کون سی نص قطعی ہے کہ جس نص قطعی کو تم لے کر آتے ہو" پھر اس سے رسول اکرم ﷺ کیلئے وسعت علم ثابت کر کے شرک کرتے ہو۔ ذرا دیکھئے شیطان کے لئے وسعت علم ثابت کرنا ان کے نزدیک شرک نہیں جبکہ آقا ﷺ کی وسعت علم ان کے نزدیک شرک ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی صفت کسی دوسرے میں ثابت کرنا ممکن ہی نہیں۔ لیکن یہ عجیب شرک ہے کہ وسعت علمی شیطان میں تو ممکن ہو اور یہ علم رسول اللہ میں ممکن نہ ہو۔ خدا ایمان دیتا ہے تو عقل بھی دیتا ہے۔ شیطان میں علم ثابت ہو جائے تو شرک نہیں اور رسول اللہ

میں علم ثابت ہو جائے تو شرک ہے۔

☆ میرے پیارے دوستو اور عزیزو! جب یہ فتنہ اعلیٰ حضرت کے سامنے آیا تو اعلیٰ حضرت کا دل دہل گیا۔ اب آپ اس بات میں پریشان ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو علم اور قدرت، اختیار اور تصرف اتنا کیوں دیا، کہ کیا وہ اللہ کی بارگاہ میں اتنا معظم و مکرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالیا کہ اس کو علم اور قدرت، تصرف اور اختیار دے دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور فرشتوں نے سجدہ کر لیا اور شیطان نے انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

"فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ" (پ ۱۴، الحجر، آیت ۳۴، ۳۵)

ترجمہ☆ تو جنت سے نکل جا کہ بے شک تو مردود ہے اور یقیناً قیامت تک تجھ پر لعنت ہے۔

☆ تو شیطان نے کہا، "میں حضرت آدم کی وجہ سے لعین اور رجیم قرار پایا۔ کاش مجھے اتنی طاقت مل جاتی کہ میں حضرت آدم اور اولادِ آدم سے بدلہ لے کر اپنا دل ٹھنڈا کرتا۔" تو شیطان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہا

"قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ"

ترجمہ☆ کہا، میرے رب! تو مجھے مہلت دے دے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں۔

☆ اے میرے رب! مجھے اس بات کی مہلت دے دے کہ اولادِ آدم کو اس کے دائیں بائیں، آگے پیچھے گمراہ کر کے دوزخ میں لے جاؤں اور ظاہر ہے کہ مہلت بغیر علم تصرف اور اختیار کے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مہلت دے دی۔

"قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ"

ترجمہ☆ فرمایا تو بے شک ان میں سے ہے، جن کو مہلت دی گئی۔

☆ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ"

ترجمہ☆ (میں مہلت دے چکا ہوں) وقت معلوم کے دن تک

☆ اے اولادِ آدم! خیال کرنا، کہ شیطان کو مہلت دے چکا ہوں اور وہ مہلت لے چکا ہے۔ میں تمہیں متنبہ اور ہوشیار کرتا ہوں۔

"يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ"

ترجمہ☆ اے اولادِ آدم شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے، جس طرح تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا

☆ اب ایمان سے کہنا گمراہی کوئی منصب ہے؟ یا کوئی وہ عظمت و جلالت کا تاج ہے یا جلالت و خلافت کا تخت۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ ہرگز نہیں۔ اس نے خلافت و جلالت کا منصب نہیں مانگا تھا۔ اس نے تو گمراہ کرنے کے لئے مہلت مانگی تھی اور یہ بھی مان گیا تھا

"إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ"

ترجمہ☆ سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے چن لئے گئے۔

☆ مگر تیرے مخلص بندے میرے جال میں نہیں آئیں گے۔ جیسے انبیاء، صدیقین اور شہداء، صالحین اور صالحات، ائمہ و مجتہدین اور

مجددین اغواث اور اقطاب، اوتاد اور ابدال، نجبا اور نقباء، مومنین کاملین۔ ان کو میں گمراہ کرنے سے رہا؟ لیکن انکے ماسوا ایرہ غیرہ نتھو خیرہ کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا اور کامیاب ہو جاؤں گا۔ کسی کو خارجی بنادوں گا اور کسی کو معتزلی۔ کسی کو جبری بنادوں گا اور کسی کو قدری۔

☆ عزیزانِ محترم! ضلالت کی ضد ہدایت ہے۔ ضلالت کوئی منصب نہیں۔ ہدایت منصب ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

☆ "لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ" "اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے"

☆ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کی قوم کے لئے ہدایت کا منصب دے کر بھیجا تو پتہ چلا، ہدایت ایک منصب ہے جو نبیوں کو عطا ہوتا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی" (پ ۱۰ آیت ۳۳، التوبہ)

ترجمہ☆ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا۔

☆ اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو منصب ہدایت عطا کر کے اس دنیا میں بھیجا اور ہدایت کے معنی گمراہی اور دوزخ والے راستوں سے بچانا ہے۔ کفر کی راہوں پر لے جانا ضلالت ہے اور اسلام اور دین، ایمان اور تقویٰ کی راہوں پر لانا ہدایت ہے۔

☆ عزیزانِ محترم! اگر کسی کو کوئی کام سپرد کیا جائے تو اس کی تکمیل کے ضروری اسباب مہیا کرنے پڑیں گے۔ مثلاً کسی کو کہا جائے کہ خط لکھ دو تو وہ کہے گا کہ مجھے کاغذ، قلم اور سیاہی مہیا کرو۔ اگر کسی معمار کو گھر بنانے کے لئے کہا جائے تو وہ اس کے لئے سیمنٹ، گارا، اینٹیں وغیرہ کا مطالبہ کرے گا۔ تو جب شیطان نے مہلت مانگی، اللہ تعالیٰ نے گمراہ کرنے کی مہلت دے دی اور جس کو گمراہ کرنے کی مہلت دی، اس کو علم بھی دے دیا اور قدرت بھی۔ اس کو تصرف بھی دے دیا اور اختیار بھی۔ نہایت غور طلب بات ہے۔ اس کی حقیقت کو ایمان کے نظریے سے غور فرمائیں۔ ان لوگوں کو شیطان کا علم، شیطان کی قدرت اور تصرف اور اختیار نظر آ گیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے، اس کو اس کی خوبیاں نظر آتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کو کیا تصرف دیا؟ حدیث میں آتا ہے

"شیطان انسانوں کے اندر اس طرح جاری ہے جیسے رگوں میں خون، شیطان تو ہر انسان کے خون میں ہے اور کوئی بھی انسان اس ایک شیطان سے بچا ہوا نہیں ہے۔ شیطان کو اتنا علم، قدرت اور تصرف اور اختیار ملا کہ ہر انسان کے خون میں گمراہ کرنے کیلئے جاری ہے۔ حالانکہ اسے کوئی منصب نہیں ملا۔ اسے فقط گمراہی کی مہلت دی گئی اور جن کو منصب ہدایت پر فائز کیا گیا، ان کے پاس نہ علم اور قدرت، نہ تصرف اور اختیار، انہیں تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔"

ایک سوال: سامعین میں سے کسی نے سوال کر دیا کہ آپ کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت دو قومی نظریے کے بانی تھے۔ مگر ان کا فتویٰ تھا کہ ہندوستان "دارالحرب" نہیں "دارالسلام" ہے۔

☆ میری تقریر پر اعتراض نہ کر سکے اور نہ ہی کسی چیز کو مجروح کر سکے۔ ایک نیا ایسا سوال کر دیا جس میں کوئی مناسبت نہیں کہ ہندوستان کا دارالسلام ہونا اور ہندو اور مسلم کا دو قوم۔ ہاں، اعلیٰ حضرت نے فتویٰ دیا۔ اس کی بنیاد یہ نہیں تھی کہ معاذ اللہ انگریز مسلمان

ہے۔ اس کی بنیاد یہ تھی کہ فقہا نے دارالسلام کی جو تعریف کی کہ جہاں مسلمان اپنے فرائض کی ادائیگی میں آزادی پائیں یعنی اپنے دین پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ پائیں وہاں ان کو رہنا جائز ہے۔ مگر دارالسلام کا دوسرا پہلو اعلیٰ حضرت نے کبھی اختیار نہیں فرمایا۔ اگر اختیار فرماتے تو کبھی بھی ہمارے سامنے دو قومی نظریئے کا تصور نہ آتا اور پھر دارالحرب وہ ہے جہاں مسلمان آزادی سے نہ قرآن پڑھ سکیں اور نماز، نہ دین کی تعلیم دے سکیں اور نہ تبلیغ کر سکیں۔ اگر اعلیٰ حضرت کا یہ فتویٰ غلط تھا تو تم ہندوستان میں کیسے رہ گئے؟ تمہیں تو اعلیٰ حضرت کے فتویٰ نے پناہ دی۔ تو اس احسان کا یہی بدلہ ہے۔

☆ عزیزانِ محترم! میں عرض کر رہا تھا کہ جس کو گمراہ کرنے کی فقط مہلت دی گئی، اس کو گمراہ کرانے کے لئے تمام اختیار دے دیئے گئے اور جن کو منصب ھدیٰ پر فائز کیا گیا ان کو ہدایت دینے کے لئے کوئی اختیارات نہ دیئے ہوں، عجیب فلسفہ ہے۔ عقل سلیم بھی اس فلسفہ کو نہیں مانتی۔ قرآن وحدیث بھی عقل سلیم کے خلاف نہیں ہے اور عقل سلیم بھی قرآن وحدیث کے خلاف نہیں۔ تو شیطان کے علم کی آیت تو قرآن میں نظر آ گئی اور یہ بھی نظر آ گیا کہ وہ ہر انسان کے خون میں جاری ساری ہے۔ جہاں سے چاہے جیسے چاہے انسان کو گمراہ کرنے کے لئے وار کر سکتا ہے۔ آمنا و صدقنا قرآن کی آیت ہے۔ کون انکار کر سکتا ہے؟ مگر یہ آیت

وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اِلٰی آخرہٖ۔

☆ نظر کیوں نہیں آئی۔ تم نے شیطان کی وسعت علم کو نص سے مانا لیکن یہ آیت

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

ترجمہ☆ آپ کو سکھایا جو کچھ آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

☆ نظر نہ آئی اور تمہیں یہ حدیث تو نظر آ گئی کہ ایک شیطان ہر انسان کے اندر خون میں داخل ہو جاتا ہے مگر حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ والی حدیث نظر نہ آئی کہ "سرکار! اس دنیا میں تھوڑی سی جدائی بھی برداشت نہیں ہوتی۔ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہو گا اور آپ تو اونچے مرتبے پر ہوں گے۔ پچاس ہزار برس کے دنوں کی جدائیاں کیسے برداشت ہوں گی۔" تو حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا، "اے ثوبان! کیوں جدائی کا غم اور فکر کرتے ہو۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (جس کو جس سے محبت ہوتی ہے وہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔) اور تم تو جدا ہونے کا تصور ہی ختم کر دو۔ ہاں! جو ہم کو اپنے سے جدا سمجھتے ہیں، بے شک وہ ہم سے جدا ہیں۔"

☆ ایک اور بخاری شریف کی حدیث پڑھتا ہوں

جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فقال متی الساعۃ یا رسول اللہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم ما اعددت لھا قال ما اعددت لھا من کثیر صلٰوۃ ولا صوم ولا صدقۃ ولکنی احب اللہ و رسولہ قال انت مع من احببت وفی روایۃ المرء مع من احب۔

☆ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ عرض کی، "قیامت کب ہو گی؟" آپ ﷺ نے فرمایا، "تو نے قیامت کے لئے کیا تیار کر رکھا ہے۔" اس نے جواب دیا، "نہ تو میرے پاس اس کے لئے زیادہ نمازیں ہیں، نہ روزے اور نہ حج، لیکن میں اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا، "تو جس سے پیار کرتا ہے، اس کے ساتھ ہو گا۔"

☆ ایک اور روایت میں ہے، ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے گا۔ ورنہ سرکار صاف صاف فرما دیتے کہ محبت تو نماز ہے اور روزہ، محبت تو حج ہے اور زکوٰۃ اور میری شکل وصورت اختیار کرنے کا نام محبت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز بھی محبت کی دلیل ہے اور روزہ بھی۔ حج بھی محبت کی دلیل ہے اور زکوٰۃ بھی۔ مگر فرق ہے۔ اگر یہ سارے کام حضور کی محبت کے بغیر ہوں تو یہ نقالی ہے۔ آپ نے بارہا دیکھا ہوگا کہ نقال آ کر تماشہ دکھاتے ہیں۔ کوئی کسی وزیر کی نقل اتار رہا ہے اور بادشاہ کی۔ کوئی ڈاکٹر کی نقل اتار رہا ہے اور کوئی کسی مولوی کی اور اس وقت وہ بالکل ان جیسے نظر آتے ہیں۔ مگر ان کو ان سے محبت نہیں اور نہ ہی ان کی اتباع کر رہے ہوتے ہیں۔ اتباع کے کیا معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

ترجمہ☆ اے محبوب! فرما دیجئے، اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو۔ اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

☆ اتباع کے معنی ہیں کہ محبوب کی محبت سے سرشار ہو کر محبوب کی محبت کے رنگ میں رنگ کر اس کی اداؤں کے سانچے میں ڈھل جانا۔ محبوب کی عادتوں اور اداؤں کو اپنے اندر پیدا کرنا۔ ورنہ نقالی ہوگی۔ جیسے منافقین نمازیں بھی پڑھتے تھے روزے بھی مسجدیں بھی بنواتے، حج کرتے، زکوٰتیں دیتے مگر ان کی اتباع بغیر محبت کے تھی جو نقالی تھی۔

محبت محبوب کے عیب سننے سے بہرا اور دیکھنے سے اندھا کر دیتی ہے

☆ محبوب کی محبت میں اس کی اداؤں کے سانچے میں ڈھل جانے کے بعد محبوب کی شان میں ایسے کلمات جاری ہوں کہ فلاں خطا ہوئی۔ فلاں عیب ہے۔ فلاں کمی ہے۔ تو یہ محبت نہ ہوئی حضور سید عالم نے خود محبت کی نشانی بتائی۔

حبك الشئ يعمى ويصم

ترجمہ☆ تجھے کسی چیز کی محبت ہو جاتے تو وہ حب تجھے اندھا اور بہرا کر دے گی (محبوب کے عیب سننے اور دیکھنے سے)

☆ محبت تو محبوب کا عیب دیکھنے سے اندھا کر دیتی ہے اور عیب سننے سے بہرا۔ معلوم ہوا کہ اتباع جب ہی ہوگی کہ جب دل میں محبوب کی محبت ہوگی۔ اور محبوب کے عیب سننے اور دیکھنے سے دور رہ کر، اس کی اداؤں کے سانچے میں ڈھل جائے تو یہ محبت ہے تو سرکار کے سامنے اس شخص نے عرض کیا میرے پاس کوئی نمازیں نہیں اور روزے، کوئی عبادت نہیں، ہاں البتہ " ولكني احب الله و رسوله "قیامت کے لئے میری تیاری فقط اللہ اور رسول کی محبت ہے تو سرکار نے فرمایا پھر تجھے یہ خوشخبری ہے کہ " المرء مع من احب "، "جس کو جس سے محبت ہوتی ہے۔ وہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔" محبت والوں کو محبوب کے کمال نظر آتے ہیں اور جس سے بغض ہو اس کا کمال بھی عیب نظر آتا ہے۔ اور جس سے محبت ہو اس کا عیب بھی کمال نظر آتا ہے۔ ان کو شیطان کی ہمراہی نظر آ گئی مگر سرکار کی معیت نظر نہ آئی۔ شیطان کی وسعت علمی نظر آ گئی اور حضور کے علم کی کوئی نص، کوئی وسعت نظر نہ آئی۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نظر آیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (پ ١٤ النحل آیت ٨٩)

ترجمہ☆ اور ہم نے یہ قرآن آپ پر اتارا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

☆ وسعت علم نبوت کی ان کو کوئی دلیل ہی نظر نہ آئی۔ آیئے میں ایک حدیث سناؤں

ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا و الی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیمۃ کانما انظر الی کفی ھذہ

☆ سرکار نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو میرے لئے اٹھالیا میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں اور قیامت تک جو کچھ ہوتا رہے گا دیکھتا رہوں گا۔ ایسے جیسے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ (کنزالعمال جلد ۱۱ صفحہ ۴۲۰)

☆ شیطان تو فقط بنی آدم کو دیکھ رہا ہے۔ سرکار تو قیامت تک ہونے والے سب حالات کو دیکھ رہے ہیں۔ شیطان کو تو فقط گمراہ کرنے کی مہلت ملی۔ مگر نبی کو اللہ تعالیٰ نے ہدیٰ کے منصب پر فائز کیا اور حضور ہر مومن کے قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

☆ جب اللہ کا رسول فیصلہ کردے تو کسی ایمان والے مرد اور کسی ایمان والی عورت کو اپنی جان کا بھی اختیار نہیں رہتا۔ اس مضمون میں اتنی بے شمار دلیلیں اور حدیثیں ہیں کہ عمر بھر بیان کرتا رہوں تو نہ کرسکوں۔

☆ عزیزان گرامی! اعلیٰ حضرت کا ہم پر احسان ہے۔ کہ مقام نبوت کو محفوظ کیا اور دین کی بنیادوں کی حفاظت کی زبان نبوت کی عظمت کو بیان کیا اور کمالات نبوت کو بھی۔ علوم مصطفیٰ سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ آپ نے فرمایا، جب تک دین کی بنیاد مضبوط نہیں ہوگی، دین مستحکم نہیں ہوسکتا۔ اعلیٰ حضرت نے کوئی نیا دین پیش نہیں کیا۔ وہی دین پیش کیا جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دیا۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

ترجمہ☆ بے شک (پسندیدہ) دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے

☆ مگر اس دین کو جن لوگوں نے ضعف پہنچانے کی کوشش کی اعلیٰ حضرت نے ان کا قلع قمع کیا۔

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے

کہ عدو کے سینے میں غار ہے

کسے چارہ جوئی کا وار ہے

کہ یہ وار وار سے پار ہے

قربِ نبی کریم ﷺ

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

☆ عزیزانِ محترم! قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے فرمایا

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا

ترجمہ☆ اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو آ جاتے آپ کے پاس پھر مغفرت طلب کرتے اللہ سے اور مغفرت طلب کرتا ان کیلئے رسول تو ضرور پاتے اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا۔"

☆ یعنی ارشاد ہوتا ہے کہ کاش اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے، اے محبوب تیری بارگاہ میں حاضر ہو جاتے "جـــاء و ک" یعنی تیرے پاس آ جاتے، "فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ" تیرے پاس آ کر پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے۔

☆ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ ہے، اللہ تو کسی سے دور نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ

ترجمہ☆ یعنی "ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔"

☆ تو کوئی بھی کہیں بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے، اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے پیارے وہ مغفرت طلب کریں مگر کہاں، تیرے پاس آ کر، فرمایا "جاء و ک" یعنی تیرے پاس آ کر، پھر خالی ان کا مغفرت طلب کرنا کافی نہیں ہوگا بلکہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ" یعنی رسول بھی اللہ سے ان کی سفارش فرمائیں، یہاں تین باتیں ہیں۔

تین خاص باتیں۔

☆ پہلی بات یہ کہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں۔

☆ دوسری بات یہ کہ رسول کریم ﷺ بھی ان کے لئے مغفرت طلب فرمائیں۔

☆ تو تیسری بات یہ کہ پھر تم اللہ تعالیٰ کو "رؤف رحیم" پاؤ گے۔

☆ اب میں پوچھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تو کسی جگہ مقید نہیں کہ ہم حضور ﷺ کے پاس جائیں تو تب ہی اللہ ملے گا۔ اگر اِدھر اُدھر ہوں تو اللہ نہیں ملے گا۔ بھائی یہ بات نہیں بلکہ اس کی شان تو یہ ہے کہ "نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ" یعنی اللہ تعالیٰ تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جـــاء و ک" میرے محبوب تیرے پاس آئیں اور یہاں آ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہنا کافی نہ ہوگا بلکہ رسول کریم ﷺ بھی ان کے لئے مغفرت طلب فرمائیں۔ تو نتیجہ کیا ہوگا "لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا" تم اللہ تعالیٰ کو ضرور توبہ قبول کرنے والا اور رحیم پاؤ گے۔ اس آیت کریمہ کا مطلب بیان کرنے میں میں نے کوئی تاویل نہیں

کی بلکہ لفظی ترجمہ میں نے آپ کے سامنے پیش کیا۔

ایک اعتراض کا جواب

☆ عزیزانِ محترام! یہ کہنا کہ یہ آیت اسی زمانے کے مسلمانوں کے لئے تھی جب حضور نبی کریم ﷺ اس زمانے میں زندہ موجود تھے اور لوگ وہاں پہنچ سکتے تھے۔

☆ یہ بات اس لئے قابلِ قبول نہیں کیونکہ حضور ﷺ جس زمانے میں ظاہراً حیاۃ کے ساتھ موجود تھے، اس زمانے میں اسلام شرق و مغرب میں پھیل چکا تھا اور دور دور کے لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور اس زمانے میں سارے مسلمان حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی محبت کی بنیاد پر فرمایا کہ یمن سے محبت کی بو آتی ہے لیکن حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر نہیں ہوئے۔ حالانکہ وہ حضور ﷺ کے زمانے میں تھے۔ تو کیا یہ آیت کریمہ ان کے لئے نہ تھی؟ اب یہ کہنا کہ یہ آیت فقط اس زمانے کے مسلمانوں کے لئے تھی جو وہاں پہنچ سکتے تھے تو یہ بات قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔

☆ یہ تو ایک خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی بات میں نے کہی، آپ کے علاوہ ہزاروں مسلمان سرکارِ مدینہ ﷺ کے زمانے میں تھے لیکن وہ حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضری نہیں دے سکے، تو معلوم ہوا کہ یہ بات نہیں۔

☆ ارے بھائی قرآن مجید تو قیامت تک کے لئے ہے، یہ نہیں کہ قرآن کا کچھ حصہ تو قابلِ عمل ہوا اور کچھ حصہ اب قابلِ عمل نہ رہا ہو۔ استغفر اللّٰہ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا

☆ بڑی برکت والا ہے وہ، جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے (مقدس) بندے پر اتاری تا کہ وہ تمام جہانوں کو ڈرانیوالا ہو

☆ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بارے میں فرمایا "ھُدًی لِّلنَّاسِ" (لوگوں کو ہدایت کرنے والا) "النّاس" میں قیامت تک آنے والے لوگ شامل ہیں۔ لہٰذا قرآنِ کریم کی آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا الخ حضور ﷺ کے زمانہ مبارک تک خاص نہیں بلکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قرآن کی ہدایت سب لوگوں کے لئے ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

☆ اب آپ کہیں گے کہ ایسی صورت میں حضور تاجدارِ مدنی ﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں ہر ایک شخص کا حاضر ہونا کیسے ممکن ہے؟ اور اس آیت پر عمل کیسے ممکن ہوگا؟ کیونکہ خود حضور ﷺ کے کے زمانہ میں سب مومن حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر نہ ہو سکے تو اب اس زمانے میں کیسے ہوگا؟ کیونکہ جن لوگوں نے مدینہ منورہ حاضر ہو کر حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضری دی وہ تو گنے چنے ہیں اور حضور ﷺ کے غلام تو کروڑوں کی تعداد میں ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تو ان کے لئے کیا ہوگا؟

☆ ادھر تو حکم ہے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے میرے محبوب کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو جائیں اور ادھر محبوب (ﷺ) کی بارگاہ

میں حاضر ہونا ممکن نہیں تو یہ کیسے ہوگا؟ اور بات کیسے بنے گی؟

☆ میرے محترم دوستو اور عزیزو! اس کا حل بھی قرآنِ کریم نے ہمیں بتادیا۔ وہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ حیاۃ ظاہری میں بھی اللہ کے رسول ہیں اور حیاۃِ ظاہری کے بعد بھی وہ اللہ کے رسول ہیں، یہ نہیں کہ حیاۃِ ظاہری میں تو کوئی اور بات نہیں اور اب کوئی اور بات ہے اور اسی لئے اب بھی تمام مومن حضور ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ کلمہ میں "محمد" (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں کہتے ہیں۔ "محمد" (ﷺ) اللہ کے رسول تھے، نہیں کہتے۔ اس لئے جیسے آپ ﷺ حیاۃِ ظاہری میں مسندِ رسالت پر جلوہ گر تھے اور پھر رسالت کے جو اوصاف، جو صفات اور جو خواص اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے، وہ اس وقت بھی حضور ﷺ کو حاصل تھے اور اسی طرح حضور ﷺ کو حاصل ہیں۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو وہ اپنے مناسبات اور لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے اور حضور رحمۃ للعٰلمین ﷺ کے مناسبات نبوت اور لوازمات رسالت میں یہ بات بھی ہے جو قرآن نے بیان کی کہ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الخ

☆ تو ثابت ہوا کہ بارگاہِ حضور پرنور ﷺ میں حاضری کا حکم آج بھی اسی طرح ہے۔ تو پھر ہر ایک مومن کس طرح حاضر ہو۔ میرے دوستو اور عزیزو! قرآن نے اس حقیقت کو اس طرح ظاہر فرمایا اور قرآن مجید نے یہ عقدہ اس طرح حل فرمایا، قرآن نے کہا

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

☆ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے ایمان والو! یہ تردد نہ کرو کہ ہم وہاں کیسے حاضر ہوں گے اور کیسے جائیں گے۔ اس لئے کہ میں نے تو اپنے نبی محترم کو تمہاری جانوں سے بھی زیادہ قریب کردیا۔ نبی محترم، نبی معظم، نورِ مجسم ﷺ کی شانِ اقدس یہ ہے کہ آپ ایمان والوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔ اے ایمان والو! یہ فکر نہ کرو کہ ہم کیسے حاضر ہوں۔ اگر ایسا ہو تو حاضر ہونے کا تردد تو تب کرنا پڑے کہ میرا محبوب (ﷺ) دور ہو۔ میں نے تو اپنے محبوب کو تمہاری جانوں سے زیادہ قریب کردیا اور میں آپ سے کیا کہوں، یہ بات ایسی ہے کہ اگر اس کو سمجھ لیا جائے تو یقیناً یہ کہنا پڑے گا کہ حضور ﷺ کے سامنے تو ابوجہل اور ابولہب بھی تھے۔ مگر خدا کی قسم! حضور ﷺ ان کے قریب نہیں تھے اور حضرت خواجہ اویس قرنی ﷺ، اگرچہ یمن میں تھے مگر خدا کی قسم! حضور ﷺ ان کے قریب تھے۔

☆ میرے دوستو عزیزو! میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ مومن کو چاہئے کہ بارگاہِ نبوت کے ساتھ اپنے آپ کو منسلک رکھے اور کسی وقت بھی حضور ﷺ کی ذاتِ مقدسہ سے اپنے آپ کو بعید تصور نہ کرے بلکہ یہی سمجھے کہ میں حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوں۔ جہاں تم نے اپنی توجہ کو حضور ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضر کرلیا، وہیں استغفار کرلیا، وہیں سرکار ﷺ نے استغفار فرمالیا اور وہیں تم نے اللہ تعالیٰ کو "تَوَّابًا رَّحِيْمًا" پالیا۔

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ کی تشریح

الحمد للّٰہ و کفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ اِنَّـآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ ○ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الۡاَبۡتَرُ ○ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم الامین و نحن علٰی ذالک لمن الشاھدین والشاکرین اللّٰھم صل علٰی سیدنا محمد وعلٰی اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم

۱۔ ادبِ حرمِ نبوی

☆ محترم حضرات! ہم سب حرم نبوی ﷺ کے سامنے بیٹھے ہیں۔ مبارک وقت ہے یہ وہ بارگاہِ اقدس ہے، جہاں فرشتے آسمان سے آکر سلام پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ مکین ہے، جس کا مقام آسمانوں سے بلند ہے۔ وہ خوش نصیب ہیں جو دیارِ حرم کی تعظیم وتکریم بجالاتے ہیں اور وہ لوگ محروم القسمت ہیں جو اس نعمت عظمیٰ سے غافل ہیں۔

☆ نہایت ادب کا مقام ہے ادب کہتا ہے "خاموش رہوں" محبت کہتی ہے کہ کچھ کہوں۔ عجیب کش مکش ہے۔ اے مدینے والو! میرے لئے دعا کرنا میرا خاتمہ ایمان پر ہو جائے اور اے اللہ! کچھ باقی رہے نہ رہے میری یہ نسبتیں ہمیشہ باقی رہیں۔ (آمین)

۲۔ لفظ "اِنَّا" صرف ونحو کی رو سے

☆ محترم حضرات! میں نے قرآن پاک کی چھوٹی سی سورۃ "اِنَّـآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ" پڑھی۔ وقت میں اتنی گنجائش نہیں کہ لفظ "اِنَّـا" پر کلام کرسکوں۔ "اِنَّـا" ایک ایسی ضمیر ہے۔ جو متکلم مع الغیر کے لئے وضع کی گئی ہے۔ جس میں جمعیت کے معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہ واحد حقیقی ہے۔ جبکہ جمع میں کثرت ہے۔ معنون واحد حقیقی (اللہ تعالیٰ) اور تعبیر اور عنوان جمع ہے۔ معنون واحد ہے تو عنوان بھی واحد ہونا چاہئے تھا آاس کی وحدت اور واحدنیت کی شان کا اقتضا بھی یہی ہے کہ عنوان بھی وحدت پر دلالت کرے۔ لیکن جمع کے صیغے کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے۔ "اِنَّا" اے محبوب ہم! کیا مطلب؟ میری ذات، میرے تمام صفات، تمام اسماء، تمام افعال جو حقائق کائنات کا مبداء ہیں، کی تمام برکات کو تیرے دامن اقدس میں رکھ دیا۔ اس میں ذات بھی آ گئی اور تمام صفات بھی، اس میں تمام اسماء بھی آ گئے اور تمام افعال بھی، اللہ جل مجدہ اپنے حبیب کو "اِنَّا" کے صیغے کے ساتھ اپنی عطائے عظیم کا ذکر کرکہ "اِنَّـا اَعۡـطَیۡـنَـاکَ" نہ کہ "اِنِّـیۡ اَعۡـطَیۡـتُ" فرمایا۔ تو پتہ چلا کہ عطا بڑی عظیم اور معظم ہے۔ کیونکہ عنوان کی تعظیم معنون کی تعظیم وتکریم پر دلالت کرتی ہے۔ کیا مقصد؟ میرے محبوب! "اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ" یہ عطا بڑی کثیر ہے۔ اور کوثر کے کیا معنی ہیں؟

☆ محترم حضرات! سید المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو نماز تہجد کے وقت زبان رسالت کے ان کلمات طیبات "اللھم

علمه الکتاب ۔ اللھم فقھه فی الدین" کے مصداق تھے، (ا) سے کسی نے کوثر کے معنی پوچھے تو آپ نے فرمایا۔ "الکوثر الخیر الکثیر" "کوثر تو خیر کثیر ہے" تو پھر کسی نے کہا کوثر تو جنت میں ایک حوض کا نام ہے۔ تو فرمایا" ھو من الخیر الکثیر" وہ بھی تو خیر کثیر میں شامل ہے۔ تو وہ کونسی خیر ہے جو اس کے عموم سے باہر چلی جائے گی۔

☆ محترم حضرات! ابو جہل کا بیٹا حضرت عکرمہ اور حضرت امام مجاہد جو سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کے تلمیذ رشید ہیں' کا قول' میں نے تفسیر ابن جریر میں پڑھا کہ حضرت عکرمہ اور امام مجاہد ﷺ تفسیر ابن جریر میں فرماتے ہیں "الکوثر الخیر الکثیر" "کوثر خیر کثیر ہے' اور خیر کثیر کیا ہے؟ "الخیر کله" ۔ "خیر الدنیا والآخرۃ" تو پتہ چلا، اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کی کوئی خیر کثیر باقی نہیں چھوڑی جو مصطفیٰ ﷺ وصحبہ وبارک وسلم کے دامن میں نہ رکھ دی ہو۔ "اے حبیب (ﷺ)! ہم نے آپ کو کوثر عطا فرما کر سب کچھ دے دیا۔ دنیا میں جو چیز خیر ہو سکتی ہے، مال کے اعتبار سے، حال کے اعتبار سے، کسی اعتبار سے، وہ سب نعمتیں خیر کثیر میں شامل ہیں۔ زمین و آسمان کی تمام بھلائیاں اور دنیا اور عقبیٰ کی تمام خوبیاں، تمام عالم امکان اور صانع وجود کے سب جلوے اور حسن الوہیت کے تمام جلوے اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کے دامن میں رکھ دیے۔

۳۔ ایک شبہ کا ازالہ

☆ اس کے بعد اگر کوئی آپ کے دماغ کو خراب کرنے کے لئے یہ کہے کہ خدا نے تو یہ فرمایا ہے

قُلۡ لَّاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ (پ ۷ الانعام آیت ۵۰)

ترجمہ ☆ آپ فرمائیں (اے مشرکو!) میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں خود غیب جانتا ہوں اور نہ تمہیں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

☆ تو پتہ چلا حضور ﷺ کے پاس کوئی خزانہ نہیں، علم غیب بھی حضور ﷺ میں نہیں۔ ملکوتیت بھی حضور ﷺ میں نہیں۔ تو آپ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب خیر حضور ﷺ کے دامن میں رکھ دی۔ یہ کیا بات ہوئی؟ کیا خزانے علم غیب اور ملکوتیت خیر میں شامل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بات مانیں یا آپ کی بات مانیں......؟

۴۔ قرآن وحدیث میں اختلاف نہیں

☆ میں حیران ہوں کہ لوگوں کا ذہن کیسا ہے؟ خدا رسول کو لڑاتے ہیں۔ قرآن کو قرآن سے ٹکراتے ہیں۔ حدیث کو حدیث سے ٹکراتے ہیں اور حدیث کو قرآن سے ٹکراتے ہیں۔ لیکن و اللہ باللہ ثم تا اللہ نہ خدا اور رسول ٹکراتے ہیں، نہ قرآن، قرآن سے ٹکراتا ہے۔ نہ حدیث، حدیث سے ٹکراتی ہے۔ نہ قرآن حدیث سے ٹکراتا ہے۔

لَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا (النساء آیت ۸۲)

☆ قرآن اللہ کا کلام ہے اور حدیث خدا کے رسول کی ہے۔ حدیث بھی وحی الٰہی ہے اور قرآن بھی وحی الٰہی ہے۔ مگر فرق اتنا ہے کہ

حدیث وحی غیر متلو ہے اور قرآن وحی متلو ہے۔ اس میں کوئی تعارض نہیں ہے اور نہ کوئی تضاد۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف ہے تو ہماری عقل کے اندر ہے۔ اب لوگوں کے ذہن میں اس اختلاف کا تصور قائم ہو گیا تو ذرا اس کو ہٹا دوں۔

☆ محترم عزیزو! اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کہہ دو کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی خزانہ نہیں بلکہ فرمایا "قــل" ان کو کہہ دے؟ ایمان والوں کو نہیں۔ اپنے غلاموں سے نہیں، امت اجابت سے نہیں، ان کو کہہ دے جو تیرے دشمن ہیں۔ جو تیرے دامن میں کوئی خزانہ نہیں مانتے جو تیری نبوت اور رسالت کے قائل نہیں۔ ان کو کہہ دے! میں تم سے نہیں کہہ رہا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔

۵۔ ایک شبہ کا ازالہ

☆ آپ سے میں ایک بات عرض کرتا ہوں۔ اگر اس آیت کا یہ مطلب ہوتا کہ یہ کہہ دو۔ میرے پاس اللہ کا کوئی خزانہ نہیں ہے تو حضور خدا کے حکم کی تعمیل میں ضرور یہ کہتے کہ میرے پاس خدا کوئی خزانہ نہیں ہے کیونکہ خدا کے حکم کی تعمیل نبی نہیں کرے گا تو اور کون کرے گا؟ اس لئے خدا نے جب حکم دیا "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ" تو حضور نے اقامت صلٰوۃ فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "قُلْ ھُوَ اللّٰہُ" کہہ اللہ ایک ہے۔ جو جس بات کا اللہ نے کہنے کا حکم دیا حضور ﷺ نے پورا کیا۔ اگر مذکورہ آیت کا یہ مطلب ہوتا کہ میرے پاس اللہ کا کوئی خزانہ نہیں تو حضور ضرور فرما دیتے کہ لوگو! سن لو! میرا دامن بالکل خالی ہے۔ میرے پاس اللہ کا کوئی خزانہ نہیں۔ مگر اللہ کی قسم! میرے آقا نے یہ نہیں فرمایا بلکہ میرے آقا نے فرمایا

اعطیت مفاتیح خزائن الارض

ترجمہ☆ اللہ تعالیٰ نے تمام خزانے کی چابیاں مجھے عطا فرما دیں۔

☆ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے محبوب! ان سے کہہ دو! میرے پاس کوئی خزانہ نہیں۔" اور سرکار فرماتے ہیں، "تمام خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا فرما دی گئیں۔" اور کنجی کے معنی اختیار کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اختیارات اپنے حبیب کو عطا فرما دیئے۔ حضور جس کو جو چاہیں جب چاہیں عطا فرمائیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔ تو پتہ چلا یہ ان لوگوں سے کہنے کی نفی ہے جو اس کے اہل نہیں۔ خزانے کے ہونے کی نفی نہیں ہے اور ہر بات اسی سے کہی جاتی ہے۔ جس کا وہ اہل ہوتا ہے۔ ہر بات ہر کسی سے نہیں ہی جاتی یعنی جس بات کا باپ اہل ہوتا ہے وہی بات باپ سے کہی جاتی ہے۔ جس بات کا بیٹا اہل ہوتا ہے وہی بات بیٹے سے کہی جاتی ہے، جس بات کی اہل بیوی ہوتی ہے وہی بات بیوی سے کہی جاتی ہے۔ حاکم کے شان کے لائق بات حاکم سے کہی جاتی ہے اور جس بات کا دوست اہل ہوتا ہے وہی بات دوست سے کہی جاتی ہے اور جس بات کا دشمن اہل ہوتا ہے وہی بات دشمن سے کہی جاتی ہے۔

☆ پیارے حبیب! جب کافر، منافق اور مشرک سامنے آئیں تو ان سے کہہ دے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور جب ابو بکر و عمر اور عثمان و علی سامنے ہیں تو ان سے فرما دے "اعطیت مفاتیح خزائن الارض" خزانے تو خزانے، کنجیاں بھی مجھے دے دی گئیں۔ یہ بات کافر، منافق اور مشرک سے اس لئے نہیں کہی گئی کہ وہ اس کے مستحق نہیں۔ وہ چور ہیں اور

چوروں کو خزانے بتائے نہیں جاتے۔ خزانے تو دوستوں کو بتائے جاتے ہیں۔ تو پتہ چلا الجھاؤ ہمارے ذہنوں میں ہے۔ حدیث اور قرآن میں تو ٹکراؤ نہیں ہے۔ اگر اس کے معنی یہی لئے جائیں کہ واقعی حضور پاک کے پاس خزانے نہیں ہیں اور حضور فرمائیں، میرے پاس تمام خزانوں کی کنجیاں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی بات پر عمل تو نہ ہوا بلکہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی۔ تو جو رسول، اللہ کی نافرمانی کرے، کیا وہ رسول ہو سکتا ہے؟ ہرگز رسول نہیں ہو سکتا۔ تو صد افسوس ہے ایسی فہم اور عقل پر، اور ایسی فکر اور نظر پر

☆ محترم حضرات! ہمارا تو ایمان ہے کہ

"اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ"

☆ پیارے حبیب! ہم نے ساری خیر کثیر تیرے دامن میں رکھ کر ساری کائنات کو تیرا گدا بنا کر، یہ اعلان فرمادیا

وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

ترجمہ☆ اور رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں رک جاؤ۔

☆ اس لئے میرے آقا نے فرمایا

واللہ یعطی وانا قاسم

ترجمہ☆ اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور میں بانٹتا ہوں۔

۲۔ "اللّٰہ یعطی وانا قاسم" صرف نحو کی رو سے

☆ "یعطی" فعل ہے اور "قاسم" صیغہ اسم فاعل۔ اسم فاعل اور اسم مفعول یہ سب شبہ فعل ہوتے ہیں۔ "یعطی" فعل ہے اور "قاسم" شبہ فعل اور قاعدہ ہے کہ کبھی شبہ فعل کا مفعول حذف کیا جاتا ہے فصاحت و بلاغت کی کتاب جیسے "مختصر المعانی بیان" کی شرحیں آپ پڑھیں تو فعل و شبہ فعل کے مفعول کو حذف کرنے کی وجوہات کا پتہ چل جائے گا۔ کبھی فعل اور شبہ فعل کے مفعول کو اس لئے حذف کیا جاتا ہے کہ مفعول عام ہو جائے اور کبھی فعل اور شبہ فعل کے عموم کو ثابت کرنے کے لئے مفعول کو حذف کیا جاتا ہے۔

☆ حضور نے فرمایا، "واللہ یعطی" اللہ دیتا ہے۔ اللہ کیا دیتا ہے؟ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے "یعطی" کا مفعول ذکر نہیں کیا کہ اللہ کیا دیتا ہے؟ کیونکہ اللہ ہر چیز دیتا ہے۔ کس کس چیز کا ذکر کیا جائے۔ لہٰذا ان چیزوں کا ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ دیتا ہے وہ عام ہے۔ کبھی مفعول کے عام ہونے پر دلالت کرنے کے لئے مفعول کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ جس طرح "یعطی" کا مفعول عام ہے اور اسی طرح "وانا قاسم" کا مفعول بھی عام ہے یعنی اللہ تعالیٰ سب کچھ دیتا ہے اور میں سب کچھ بانٹتا ہوں۔ نہ اللہ تعالیٰ کے دینے میں کمی ہے اور نہ میرے تقسیم کرنے میں کوئی کمی ہے۔ اس کی عطا بھی عام ہے، میری تقسیم بھی عام ہے۔ وہ دنیا بھی دیتا ہے، میں دنیا بھی بانٹتا ہوں۔ وہ دین بھی دیتا ہے، میں دین بھی تقسیم کرتا ہوں۔ علم، اولاد، ایمان غرض یہ کہ دین و دنیا کی ہر نعمت وہ دیتا ہے اور میں بانٹتا ہوں۔

ایک سوال

سوال: اسی دوران سامعین میں سے کسی نے سوال کیا کہ یہ بات "واللّٰہ یعطی وانا قاسم" تو حضور ﷺ وصحبہ وبارک وسلم کی حیات دنیاوی کے ساتھ خاص تھی۔

جواب: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جو شخص حضور کی حیات کو نہ مانتا ہو، کیا وہ مومن بھی نہیں۔ کیونکہ "یعطی" میں استمرار ہے اور استمرار میں دوام کے معنی ہیں۔ جب حیات ختم ہوگئی تو عطا میں دوام کیسے ہوا؟ معلوم ہوا نہ حیات ختم ہوئی اور نہ عطا۔ عطا مستمر ہے تو حیات بھی، اگر عطا منقطع ہو جائے تو حیات بھی منقطع ہوگئی۔ عطا منقطع ہوتی نہیں کیونکہ عطا میں استمرار ہے۔ لہٰذا زندگی بھی منقطع نہیں ہوئی۔ جس وقت حضور نبی کریم ﷺ کی حیات کا انکار کریں گے تو عمل رسالت کا انکار کرنا پڑے گا اور عمل رسالت کا انکار ہم کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا

ترجمہ☆ بڑی برکت والا ہے وہ جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے (مقدس) بندے پر اتاری تا کہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔ میرے آقا اس کل العالمین کے لئے نذیر اور رسول ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ☆ اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر (اے محبوب!) سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر

☆ العالمین کے اندر دنیا بھی ہے عقبیٰ بھی۔ العالمین کے اندر عالمِ برزخ بھی ہے اور عالمِ آخرت بھی۔ العالمین کے اندر عالمِ بیداری بھی ہے اور عالمِ نوم بھی۔ الغرض زمین، آسمان، ظاہر، باطن، تمام عالمِ خلق، تمام عالمِ امر، عالمِ اجسام، عالمِ ارواح، عالمِ جواہر، عالمِ اعراض، عالمِ معانی سب کچھ العالمین کے عموم میں شامل ہیں اور میرے آقا تمام عالموں کے رسول ہیں اور رسول کے معنی ہیں پیغام پہنچانے والا۔ پیغام پہنچانا ایک عمل ہے اور عمل حیات پر دلیل ہے۔ جہاں عمل ختم ہو جاتا ہے وہاں حیات ختم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک کسی کی نبض چلتی رہے، دل کی حرکت قائم رہتی ہے۔ تو حیات باقی ہے کیونکہ دل کا حرکت کرنا، نبض کا چلنا یہ ایک عمل ہے۔ جب تک عمل ہے تو حیات ہے عمل نہیں تو حیات نہیں۔ لہٰذا میرے آقا ہر آن اور ہر وقت رسول ہیں۔

۸۔ ایک شبہ کا ازالہ

☆ اگر میرے آقا ہر آن اور ہر وقت رسول نہیں ہیں تو وہ وقت بتاؤ جس وقت حضور ﷺ رسول نہیں ہیں؟ جب کوئی ایسا وقت نہیں ہے کہ جس وقت عملِ رسالت نہ ہو اور جس وقت عملِ رسالت نہیں ہوگا، اس وقت حضور ﷺ رسول نہیں ہوں گے اور جس وقت سرکار ﷺ رسول نہیں ہوں گے، اسوقت ہم آپ ﷺ کے رسول ہونے کا کلمہ کیسے پڑھ سکتے ہیں۔ اسلئے ہر وقت اس کلمہ کا ہمارے اندر ہونا ضروری ہے۔ تو پتہ چلا ہر وقت آپ ﷺ کا رسول ہونا ضروری ہے اور یہ اسوقت ہوگا جب ہر وقت آپ ﷺ کا عملِ رسالت جاری ہو اور عملِ رسالت تب جاری رہے گا جب حیات جاری رہے گی کیونکہ عمل بغیر حیات کے ہو نہیں سکتا۔ جہاں عمل ختم ہو گیا وہاں حیات ختم ہوگئی اور حضور ﷺ کا عملِ رسالت تا قیامت جاری ہے اور جاری رہے گا۔ حضور ﷺ کی سخا اور عطا کی کوئی حد نہیں، اپنے امتیوں میں اللہ کی عطا

کردہ تمام نعمتوں کو بانٹ رہے ہیں۔

۹۔ ایک اور سوال

☆ ایک طالبہ نے حضور ﷺ کی سخا اور حاتم طائی کی سخاوت کے بارے میں ایک رقعہ لکھا اور کہا کہ اس کا جواب دیں یا نہ دیں لیکن کو پڑھ کر لوگوں کو ضرور سنادیں......! رقعہ یہ تھا کہ

☆ ایک مسلمان عالم نے عرب کی تہذیب اور تمدن کو اونچا ثابت کرنے کے لئے ایک تاریخی واقعہ سے حاتم طائی جو کہ قبیلہ بنی طی کا سردار تھا، کے حوالے سے عربی بڑے سخی اور کریم لوگ ہوتے ہیں اور حاتم طائی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ایک مکان جس کے آٹھ دروازے تھے، بنوایا ہوا تھا اس میں مال وزر جواہر لے کر بیٹھ جاتا اور جو کوئی جس بھی دروازے سے آتا، مانگتا، اس کو دے دیتا خواہ سائل آٹھوں دروازوں سے لینے کے بعد پہلے دروازے پر آتا خالی نہ جاتا۔ مگر میرا سوال یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کا مذہب یہ ہے کہ ہمارے رسول ساری دنیا کے سخیوں سے زیادہ سخی تھے اور حاتم سے بھی زیادہ سخی تھے تو آپ کسی اپنی اسلامی کتاب سے ہی اپنے رسول کی سخاوت کا واقعہ بیان کریں کہ حاتم طائی کی طرح مکان بنوایا ہوا اور اس کے آٹھ دروازے رکھے ہوں اور اسی طرح سخاوت کی ہو۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم حاتم طائی کو زیادہ سخی مان لیں۔

☆ میں نے یہ واقعہ لوگوں کو سنادیا اور پھر لوگوں کو بتایا کہ سرکار کا حاتم طائی سے مقابلہ کرنا، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

☆ میں نے کہا، میرے آقا کی سخاوت کامل تھی اور حاتم طائی کی سخاوت ناقص تھی۔ کیونکہ حاتم کے پاس جب کوئی سائل پہلے دروازے پر کچھ لیتا مطمئن نہ ہوتا تو دوسرے دروازے پر آجاتا اور سائل ہر دفعہ ہر دروازے پر آتا اور سائل ہر دفعہ ہر دروازے پر مطمئن نہ ہوتا اور اس کی سخاوت کے ناقص ہونے پر مہر لگا دیتا کہ تیری سخاوت اب بھی ناقص ہے اور پھر میرے آقا کی شان "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" کتب تاریخ وحدیث میں بے شمار حضور کے جود وسخا کے واقعات ہیں۔ ان میں سے میں آپ کو ایک مسلم شریف کی حدیث سناتا ہوں

عن ربیعۃ بن کعب الاسلمی قال کنت ابیت مع رسول اللّٰہ ا فاتیہ بوضوئہ وحاجتہ فقال لی سل فقلت اسئلک مرافقتک فی الجنۃ قال او غیر ذالک قلت ھو ذاک قال فاعنی علی نفسک بکثرت السجود

یعنی "ربیعہ بن کعب اسلمی ﷺ سے روایت ہے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے وضو کا پانی اور جس چیز کی آپ کو ضرورت ہوا کرتی تھی (مسواک مصلّٰی وغیرہ) لایا کرتا تھا۔ (ایک دفعہ دریائے رحمت جوش میں آیا) آپ نے فرمایا، اے ربیعہ مجھ سے مانگو، کیا مانگتے ہو (جو جی میں آئے مجھ سے مانگو) میں تجھے عطا کروں گا۔ انہوں نے کہا، حضور میں آپ سے یہی مانگتا ہوں کہ "بہشت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو۔" آپ نے فرمایا کچھ اور بھی مانگتے ہو۔ حضرت ربیعہ نے کہا، بس حضور یہی مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، پس تم کثرت سجود سے میری مدد کرو۔"

☆ حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ کیا مانگ؟ کیا نہ مانگ؟ کیا دے سکتا ہوں؟ اور کیا نہیں دے سکتا؟ سرکار نے "سل" کا مفعول ذکر نہیں فرمایا۔ جیسا "یعطی" کا مفعول ذکر نہیں فرمایا اور "قاسم" کا مفعول ذکر نہیں، "سل" کا ذکر نہیں ہے۔ اس لیے محدثین شارحین نے جیسا کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی صاحب نے اشعۃ اللمعات میں صاف صاف فرمایا کہ سرکار کا "سل" فرمانا اس کی دلیل ہے کہ جو مرضی آئے مانگ لے سب کچھ میرے دست کرم میں ہے کیونکہ "اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ" دنیا اور آخرت کی ہر خیر میرے ہاتھ میں ہے اور حضرت ربیعہ کا یہ کہنا کہ حضور! بس یہی مانگتا ہوں اور مطمئن ہو جانا سرکار کی سخاوتِ کاملہ پر دلالت کرتا ہے۔ "فاعنی علیٰ نفسک بکثرت السجود" "اے ربیعہ کثرت سجود سے میری مدد کرو۔" اے ربیعہ تجھے جنت میں میری رفاقت تو نصیب ہو گئی اب اگر تو رکوع سجود چھوڑ دے تو لوگ بھی رکوع سجود چھوڑ دیں گے۔ اسطرح میرے دین میں خلل آئے گا اور میرے دین کو نقصان پہنچے گا۔ لہٰذا سجدے کرتے رہو، نمازیں پڑھتے رہو (اعنی دینی) "میرے دین کی مدد کرو" کے معنے یہ ہیں کہ "ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم" اگر تم (اللہ کے دین) کی مدد کرو گے (تو) وہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ یعنی اللہ بھی دین کی مدد طلب کر رہا ہے اور اللہ کا رسول بھی دین کی مدد طلب کر رہا ہے۔ اگر اس سے رسول کی کمزوری ثابت ہوتی ہے تو پہلے اللہ کو کمزور ثابت کرو۔ اللہ کمزوری سے پاک ہے اور رسول بھی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اسلامی معاشرے میں طلباء کا کردار

☆ غزالی زماں، رازیٔ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی مدظلہٗ کی وہ تقریر جو انہوں نے انجمن طلباء اسلام پاکستان کے مرکزی اجتماع منعقدہ کراچی میں بروز اتوار ۷ اپریل ۱۹۶۸ء کو فرمائی۔

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم

☆ عزیز طلبا! یہاں حاضر ہو کر اور آپ کا اجتماع دیکھ کر میں اس قدر مسرور ہوں کہ میں اپنے ان جذباتِ مسرت کو ظاہر کرنے کے لئے نہ الفاظ پاتا ہوں نہ اس کے لئے وقت کی گنجائش محسوس کرتا ہوں۔ رسمی گفتگو کا میں عادی نہیں اور اس کے لئے بھی وقت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا یہ اجتماع اگر چہ بہت بڑا نہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بڑے بڑے اجتماعات کے مقابلے میں آپ کا یہ اجتماع میرے لیے انتہائی مسرت کا باعث ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ قوم کا متاعِ عزیز آپ حضرات ہی ہیں۔ قوم کی نشو ونما قوم کی فلاح قوم کی صلاح قوم کی بقا، یہ آپ حضرات کے دامنوں سے وابستہ ہے۔ معاشرے میں طلباء کا کیا کردار ہے اور انہیں کیا کردار ادا کرنا چاہئے۔ یہ ایک بہت وسیع موضوع ہے۔ اس کو نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

☆ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حیاتِ انسانی کے دو ستون ہیں، ایک علم اور دوسرا عمل۔ علم بنیاد ہے اور عمل اس بنیاد کی تعمیر۔ علم ایک درخت ہے اور عمل اس درخت کے پھول۔ حضور تاجدارِ مدنی جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے دین کا جو نقشہ پیش فرمایا ہے یقین کیجئے کہ اس میں جمود وخمود نہیں ہے۔ اس کے اندر استنباط کے لئے، سوچنے کے لئے اور صحیح لائنوں پر غور وفکر کے لئے بڑی وسعتیں ہیں۔ مگر افسوس کہ ہماری اپنی تنگ نظری نے ان وسعتوں کو محدود کر دیا۔ ہم یہ سمجھے کہ حقائق کائنات پر غور کرنا اور حقائق کے علم کا حصول بے کار سی بات ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کے جس ذرہ کا آپ علم حاصل کریں گے وہ آپ کے حق میں نور ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ علم کا مقصد کیا ہے؟ علم کے معنی ہیں جاننا۔ کس چیز کا جاننا؟ جو چیز ہے اس کو جاننا لیکن نہ ہونے والی چیز کو ہم جانیں کہ وہ ہے تو یہ علم نہ ہوگا، جہل ہوگا۔ مثلاً اب رات نہیں ہے اور اگر کوئی شخص جانے کہ یہ رات ہے تو یہ جاننا کہاں ہے یہ تو نہ جاننا ہے جو چیز ہے نہیں اس کو ہم جانیں کہ ہے اور جو چیز ہے اس کو ہم جانیں کہ نہیں ہے۔ تو یقین کیجئے کہ ہست کو نیست جاننا اور نیست کو ہست جاننا یہ دونوں جہل ہیں۔ علم کے معنی یہ ہیں کہ نیست کو نیست اور ہست کو ہست جانے .... یہ ہے علم۔

حقیقتِ کائنات

☆ عزیزانِ گرامی! آج دنیا جس چیز کو علم قرار دے رہی ہے وہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدائے قدس جل مجدہٗ کی ذات ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی اور ساری کائنات میں جو کچھ ہے اسی کی صفات کا ظہور ہے، اسی کے اسماء کا ظہور ہے اور اسی

کے افعال کا ظہور ہے اور یوں کہیے کہ حقائق کائنات ...... اٹھارہ ہزار عالم ...... یہ سب کچھ اسی ذات واجب الوجود کا ظہور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا ہے اور خدا کے سوا کچھ نہیں۔ جس چیز کو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہے، خدا کی قسم! اس کا کوئی مستقل وجود نہیں۔ مستقل وجود اگر ہے تو صرف خدا کا ہے۔ واجب الوجود کا ہے اور جس قدر کائنات کا وجود ہے، ہمیں نظر آ رہا ہے، سب اسی کے وجود کے ظلال ہیں۔ اسی کے وجود کا ظہور ہے۔ اسی کے وجود کی حقیقتوں کی نمائندگی کائنات کا ہر موجود ذرہ کر رہا ہے۔ میں کائنات کے وجود کی نفی نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی عاقل کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ ہمارے علم کلام کی بنیاد ہی حقائق کائنات کا ثبوت ہے۔ کیونکہ جب تک ہم حقائق کائنات کو ثابت نہیں مانیں گے تو اس وقت تک ہم مخلوق کو خالق پر دلیل کیسے بنائیں گے؟ ہمارا تو نظریہ یہ ہے کہ زمین کو اور آسمان کی جس چیز کو دیکھو، اسے دیکھ کر خدا کی ہستی کو پہچانو اور کائنات کے ہر ذرہ کو دلیل قرار دو اور کہو کہ سورج خدا کے ہونے کی دلیل ہے۔ چاند خدا کے ہونے کی دلیل ہے اور زمین و آسمان خدا کے ہونے کی دلیل ہیں۔ ہم تو تمام حقائق کائنات کو خدا کی ہستی کی دلیل بناتے ہیں اور اگر یہ چیزیں ہیں نہیں تو پھر دلیل کس کو بنائیں گے؟ عدم کو تو دلیل بنا نہیں سکتے۔ اس لئے ہمارا نظریہ یہ ہے کہ حقائق کائنات موجود ہیں لیکن ان کا وجود مستقل نہیں۔ مستقل وجود اگر ہے تو فقط واجب کا وجود ہے۔ تمام کائنات حقائق اسی واجب کا ظہور ہیں لیکن آج اس علم کا مفاد دنیا میں ہمارے سامنے علم کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو کچھ ہے وہ صرف مادہ ہے اور خدا کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ جو ہے اس کو نیست قرار دے دیا۔ نیست کو ہست بنا لیا اور ہست کو نیست سمجھ لیا۔ کائنات کا وجود کوئی مستقل وجود نہ تھا اور وجود مستقل صرف فقط خالقِ کائنات کا تھا لیکن آج اس مادہ پرستی کی دنیا میں، علم و فضل کے اس دعوے کی دنیا میں اس علم کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو تھا اس کو کہہ دیا کہ نہیں ہے اور جو نہیں تھا اس کو کہہ دیا کہ ”ہے“ کسی نے سچ کہا ہے

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

☆ علم کا مقتضا یہ ہے کہ عدم کو عدم جانے، وجود کو وجود جانے، ہست کو ہست جانے اور نیست کو نیست جانے اور یقین کیجئے کہ اس علم کا سرچشمہ فقط حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ اس راہ میں لوگوں کو بڑی ٹھوکریں لگتی ہیں۔ یہ وادی پرخطر ایسی نہیں کہ جہاں سے انسان آسانی سے گزر جائے۔ بڑے دشوار گزار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور نبی کریم ﷺ نے جو شاہراہ ہمارے لئے متعین کی ہے اس کے متعلق زبانِ رسالت نے فرمایا

تركتكم على ملة بيضاء
ليلها ونهارها سواء

☆ میں نے تمہارے لئے وہ شاہراہ بنائی ہے کہ تم آنکھیں میچ کر گزر جاؤ اس کے دن رات برابر ہیں مگر شرط یہ ہے کہ راہ سے ہٹنے نہ پاؤ۔ اگر راہ سے ہٹ گئے تو ادھر بھی ہلاکت کے گڑھے ہیں اور ادھر بھی ہلاکت و تباہی کے گڑھے ہیں۔ اگر تم نے اس راہ کو اختیار کئے

رکھا، راہ پر رہے تو آنکھیں بند کر کے چلتے رہو۔ لیکن اگر راہ کو چھوڑ دیا تو پھر خواہ تمہاری دس آنکھیں بھی ہو جائیں کچھ کام نہیں ہوگا کیونکہ وہاں تو ہلاکت کے گڑھوں کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ اگر راہ پر استقامت اختیار کر لو تو آنکھیں بند کر کے چلتے رہو۔ یہ راہ وہ ہے جس کے اندر کوئی کانٹا نہیں اور کوئی خطرہ اور خدشہ نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس صراطِ مستقیم پر خدا کے پیارے رسول ﷺ نے ہم کو لگایا ہے وہ ہمارے لئے شاہراہِ علم و عمل ہے۔ ہماری زندگی کا پہلا ستون علم ہے جو کہ بنیاد ہے۔ عمل اسی بنیاد پر تعمیر ہے۔

حقیقتِ علم

☆ طلباء کی شخصیت کیا ہوتی ہے؟ طلباء کا مقام کیا ہے؟ میں گوشت پوست کو طلباء کی شخصیت قرار نہیں دیتا۔ میرے نزدیک طلباء کا وجود اس ذہن کا نام ہے جو علم کے طلب کرنے والا ذہن ہے۔ علم ایک نور ہے اور نور جہاں آتا ہے ظلمت دور ہو جاتی ہے اور جہاں ظلمت دور نہ ہو سمجھ لو کہ وہاں نور آیا ہی نہیں، طلباء کا معیار، طلباء کے وجود کی علامت اور طلباء کے راہِ راست پر ہونے کی جو نشانی ہے وہ یہ ہے کہ جن طلباء کا ذہن صاف و روشن ہے، سمجھئے کہ وہ طلباء ہیں، علم کے طالب ہیں۔ علم کی راہوں پر چل رہے ہیں اور انہیں علم حاصل ہو رہا ہے۔ جو طالب علم اپنے ذہن کے اندر کوئی روشنی نہیں پاتا وہ سمجھ لے کہ میں علم سے محروم ہوں۔

☆ علم ایسا نور ہے جو ذہن کو روشن کرتا ہے جو دل کو روشن کرتا ہے جو دماغ کو روشن کرتا ہے۔ جو طلباء اس نور سے محروم ہیں، ان کو ان امور کی طرف نظر کرنی چاہئے جو اس کی راہ میں مانع ہیں اور جو نورِ علم کے لئے رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ ان رکاوٹوں کو دور کرے اور ان راہوں کو صاف کرے جن راہوں سے ذہن اور دل کے اندر نور آتا ہے۔ مطلب یہ کہ طلباء وہ ہیں جن کا ذہن علم کے نور سے منور اور روشن ہوگا تو پھر ان کا عمل اور کردار بھی روشن ہوگا کیونکہ عمل کی عمارت تو ہمیشہ علم کی بنیادوں پر قائم ہوا کرتی ہے۔ تاریک کردار اس کا ہوگا جس کا دماغ تاریک ہوگا۔ طلباء کا معاشرے میں مقام یہ ہے کہ وہ اپنے ذہن کو روشن کر کے قوم کے ذہن کو روشن کریں۔ طلباء کی جس جماعت کا ذہن روشن نہیں، سمجھئے وہ اپنے موقف پر نہیں ان کا وہ مقام نہیں ہے۔ تو طلباء کا پہلا مقام یہ ہے کہ وہ علم کے نور سے اپنے ذہن کو روشن کریں اور پھر وہی روشنی قوم تک پہنچا کر قوم کی ذہنی تاریکیوں کو روشنی میں بدل دیں۔ یہ ہے طلباء کا معیاری اور بنیادی کردار۔ اس کردار کو ادا کئے بغیر طالب علم کا نہ کوئی ابتدائی مقصد قرار پاتا ہے، نہ انتہائی، اور یہ روشنی جو تمہارے دماغوں کو صاف کرے گی، مادی علوم سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کا حاصل کرنا اسلامی علوم کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے کہ مادے میں تاریکی ہے۔ مادہ خود تاریک ہے۔ تاریکی سے تاریکی کے سوا کیا مل سکتا ہے۔ اگر آپ کو یہ نور حاصل کرنا ہے تو آپ اسلامی علوم کی طرف بھی توجہ دیں۔

☆ میں آپ کو یہ بھی بتادوں کہ اسلامی علوم کیا ہیں؟ آپ شاید یہ کہیں کہ "یہ ہمیں سائنس سے ہٹاتے ہیں۔ دنیا کے علوم سے ہٹاتے ہیں۔" لیکن خدا کی قسم! کائنات کا کوئی علم ایسا نہیں جو غیر اسلامی ہو۔ اسلامی علم سے کیا مراد ہے؟ اسلامی علم سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کا علم تم حاصل کرو، یہ سمجھو کہ وہ چیز خدا نے بنائی ہے۔ اس کے اندر یہ صفت، یہ خصوصیت، یہ کیفیت اسی نے پیدا کی ہے۔ اس چیز کے اثرات کو دیکھتے جاؤ۔ اس کی خصوصیات کا تجزیہ کرتے جاؤ جن چیزوں کے اندر حرارت ہے اس چیز کی حرارت کو دیکھ کر حرارت کے پیدا

کرنے والے کو پہچانو۔ کسی چیز کے اندر تم نے دیکھا کہ برودت ہے تو پھر اس سے برودت پیدا کرنے والے کو پہچانو۔ کیونکہ کسی پیدا کرنے والے کے بغیر کوئی چیز نہیں ہوا کرتی۔ اگر تمہارا دماغ رطوبت و برودت کے اندر پھنس کر رہ گیا تو سمجھو کہ تاریکی میں مبتلا ہو گئے۔ اگر یہ سمجھا کہ وہ ٹھنڈک ہے، یہ گرمی ہے، یہ خشکی ہے اس چیز میں فلاں صفت ہے، یہ تاثیر ہے، یہ اثر ہے، یہ خصوصیت ہے، ان تمام اثرات وخصوصیات کو معلوم کرتے چلے جاؤ اور حقائق کائنات سے واقف ہوتے چلے جاؤ اور جب کبھی حقیقت کا انکشاف ہو، سمجھ لو کہ حقیقت بنانے والے کے بغیر اس حقیقت کا وجود نہیں ہو سکتا۔

☆ یہاں مجھے ایک بات سمجھانا ضروری ہے کہ وہ طلباء جن کے ذہن مادی علوم میں گھرے ہوئے ہیں اور اسلامی علوم کی ہوا نہیں لگی، ان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی ہے کہ یہ خدا کا تصور اور خدا کی ذات کا عقیدہ محض ایک توہم ہے۔ لوگوں نے یوں ہی لوگوں کو ڈرانے کے لئے خدا کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں ڈال دیا ہے، جیسے بچوں کو کہتے ہیں کہ ہوا آ گیا۔ ارے بھائی! اگر خدا نہیں تو یہ نظامِ کائنات آخر کیا ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ مادے کے اندر یہ صفات خود بخود موجود ہیں۔ ایک مادہ ایک وقت میں ایک حال میں ہے۔ پھر وقت گزرا دوسرے حال پر آیا۔ پھر وقت گزرا تیسرے حال پر آیا۔ اس طرح مادے کے اندر جو خواص چھپے ہوئے ہیں، وہ ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ مادے کے اندر تمام ترقیات کے اثرات ہیں اور مادہ اپنے اپنے وقت میں ترقی کی منازل طے کرتا جاتا ہے۔ تو یہ تو تمام مادی خواص ہیں۔ مادی اثرات ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک گندم کا دانہ ہوتا ہے۔ اس کو ہم زمین میں ڈال دیتے ہیں وہ ایک نرم و نازک شاخ کی صورت میں نمودار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ہم کئی گندم کی بالیاں حاصل کر لیتے ہیں۔ تو یہ تو مادے کی خصوصیات اور اثرات ہیں جو اپنے اپنے موقعوں پر جیسا ماحول ان کی کیفیات کے ظہور کے لئے مہیا ہوتا جاتا ہے۔ اس کے مطابق وہ مادے کے اثرات قائم ہوتے جاتے ہیں۔ یہ تو مادے کے اپنے ذاتی اثرات ہیں۔ ان کی خصوصیات ہیں جو خود بخود ظاہر ہوتی جاتی ہیں۔ اس کے لئے یہ نہیں کہ کسی بنانے والے نے بنائے ہوں یا پیدا کرنے والے نے پیدا کئے ہوں۔ اس کے متعلق میں ایک ذرا سی بات عرض کرنا چاہتا ہوں اور اپنے عزیز طلباء سے کہوں گا کہ خاص طور پر اپنے ذہن کو متوجہ کریں۔ دیکھیے! یہ ایک ایسی بات ہے جس کا جواب مشاہدات کی دنیا میں نہیں دیا جا سکتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مشاہدات کی دنیا میں یہ سوال بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن میں نے ارخاءِ عنان کے طور پر یہ بات تسلیم کر لی اور اس کے بعد پھر میں جواب کی طرف آتا ہوں۔

مادہ پرستوں کا عقیدہ

☆ بات یہ ہے کہ تمام نظامِ کائنات کے بارے میں خدا کے منکروں کا مادہ پرستوں کا، مادی علوم کے ماہرین کا بنیادی نظریہ یہی ہے کہ مادے کے اندر یہ اثرات وخواص ہیں اور وقت آنے پر وہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اب ہم نے ان سے پوچھا کہ بھئی یہ بتاؤ کہ مادے کے اندر ان اثرات وخواص کا مختلف مقامات پر مختلف صورتوں میں پایا جانا جو کہ فعل وظہور ہے تو اس کا تعلق کسی امر خارج کے ساتھ ہے یا یہ بھی مادے کی طرح ہے؟ انہوں نے کہا کہ بھئی بات یہ ہے کہ یہ اثرات تو مادے ہی کے ہیں لیکن ان کا ظہور کسی سے متعلق نہیں بلکہ وہ

ایک امر اتفاقی ہے۔ جیسا کہ قضیہ اتفاقیہ ہوتا ہے یعنی اتفاق سے ایک مادہ سورج بن گیا، اتفاق سے ایک مادہ چاند بن گیا، اتفاق سے مادے کے کچھ اجزاء جو تھے انہوں نے درخت کی شکل اختیار کر لی۔ تو یہ تو بالکل قضیہ اتفاقیہ ہے کہ کچھ اجزاء جو مادے کے تھے وہ اونٹ بن گئے اور کچھ گھوڑے بن گئے اور کچھ گدھے بن گے، کچھ بکریاں بن گئیں اور کچھ انسان بن گئے۔ یہ تو محض ایک اتفاقی بات ہے۔ یہ نہیں کہ اس کا تعلق کسی خارجی حقیقت کے ساتھ ہو۔ رہا یہ کہ ان کا اس نوعیت کے ساتھ ظاہر ہونا۔ تو اس ظاہر ہونے میں کسی ظاہر کرنے والے کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ یہ قضیہ اتفاقیہ ہے۔ جیسے اتفاق ہو گیا کہ آپ یہاں بیٹھے ہیں اور میں آیا، میں نے آپ کو دیکھ لیا۔ آپ نے مجھ کو دیکھ لیا۔ میں نے کچھ کہا۔ آپ نے میری باتیں سن لیں۔ گویا قضیۂ اتفاقیہ ہے۔ یہ ہے الولادہ پر ستوں کا نظریہ۔ اب میں اس نظریہ کو توڑتا ہوں ایک دلیل سے اور اپنے عزیز طلباء کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

☆ دیکھیے صاحب، جو چیز محض اتفاقی ہو، اس کا کیا حال ہوتا ہے؟ اور اس نظامِ عالم کا کیا حال ہے؟ ذرا دونوں کے حال پر ایک نظر ڈالیئے تو آپ دیکھیں گے کہ ۱۸۰۰۰ کائنات کا جو نظام ہے وہ اتنا منظم، اتنا مربوط اور مستحکم ہے کہ ایک کی کڑی دوسرے کی کڑی سے جدا نہیں کی جا سکتی۔ چاند، سورج، ہوا، آگ اور پانی یہ عناصر و جواہر ہیں۔ اسی طرح دیگر جتنے بھی اجزائے عالم ہیں ان کا باہمی کتنا ربط ہے، کیسا عظیم ربط ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اگر ہوا نہ ہو تو ہم سانس نہیں لے سکتے۔ اگر حرارت نہ ہو تو ہمارے اندر حیات کا کوئی اثر باقی نہیں رہ سکتا۔ پانی نہ ہو تو ہماری حیات باقی نہیں رہ سکتی۔ زمین نہ ہو تو ٹھہریں گے کہاں؟ اور چاند سورج نہ ہوں تو ان کی طرف سے جو اثرات وخواص نباتات و جمادات پر مرتب ہوتے ہیں وہ مرتب کہاں ہوں گے؟ درختوں، پھلوں اور غلوں کی مختلف لذتیں اور گونا گوں مزے اور پھر ہر چیز کا مختلف رنگ اور مختلف حالت۔ یہ سب کیا ہیں؟ یہ سب چاند اور سورج کی گردش ہی کے اثرات ہیں، جن سے یہ چیزیں رونما ہوتی ہیں، کھیتیاں پکتی ہیں، پھل پکتے ہیں۔ کہیں حیوانات ہیں، کہیں درخت ہیں، کہیں پانی ہے، کہیں آگ ہے، کہیں ہوا ہے، کوئی نظامِ ارضی ہے، کوئی نظامِ سماوی ہے۔ اسی طرح اگر ہم اپنے وجود پر بھی نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ سر سے لے کر پاؤں تک اتنا ربط ہے کہ اللہ اکبر! ہمارے بالوں کا رابطہ ہماری کھال کے ساتھ ہے۔ کھال کا رابطہ ہمارے گوشت کے ساتھ ہے اور گوشت کا ربط ہماری استخوان کے ساتھ ہے اور پھر ایک ایک رگ کا تعلق نیچے سے لے اوپر تک کہاں کہاں جاتا ہے۔ اگر ہماری انگلیوں کے جوڑ نہ ہوں تو نہ ہم کھول سکتے اور نہ بند کر سکتے۔ اگر یونہی ایک سیدھی سی ہڈی رکھ دی جاتی تو پھر یہ انگلیاں سیدھی ہی کھڑی رہتیں۔ اگر ہماری پشت کے اندر مہرے نہ رکھے جاتے تو اٹھنا بیٹھنا ممکن نہ تھا۔ جسم ایک تختے کی طرح رہ جاتا جسے چاہو تو کھڑا کر دو چاہو تو لٹا دو۔ ہمارے گھٹنے کے جوڑ اس نوعیت کے ساتھ پیدا کئے گئے ہیں کہ ہم ان کو سکیڑنا چاہیں تو سکیڑ سکتے ہیں، موڑنا چاہیں تو موڑ سکتے ہیں، سیدھا کرنا چاہیں تو سیدھا کر سکتے ہیں۔ ہماری آنکھیں، ہمارے کان، ہماری زبان، ہمارے دانت سب اپنی اپنی مخصوص جگہوں پر لگے ہوئے ہیں، اب بتایئے کہ یہ دانت جو اللہ تعالیٰ نے منہ میں پیدا کیے ہیں، اگر سر کے اوپر پیدا کر دیتا...... ! بھئی یہ بھی تو قضیہ اتفاقیہ ہے نا! اتفاق سے کسی کے دانت سر پر ہی ہو جاتے تو کون سی بات تھی؟ لیکن دیکھیے کہ ہمارے دانت اس مقام پر ہیں جہاں ہونا چاہیے تھے۔ کسی زبان آپ

کان کی جگہ نہیں دیکھیں گے۔ کسی کے کان آپ آنکھ کی جگہ نہیں دیکھیں گے۔ کسی کی آنکھ آپ پاؤں کی جگہ نہیں دیکھیں گے۔ کسی کا پاؤں سر پر نہیں دیکھیں گے۔ کسی کا ہاتھ آپ پیٹھ پر نہیں دیکھیں گے۔ یہ بات کیا ہے؟ ہمارے وجود کا جو نظام ہے، اتنا منظم ہے، اتنا مربوط ہے اور اتنا مستحکم ہے کہ ایک کا تعلق دوسرے سے ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے۔

نظامِ کائنات

☆ لیکن میرے دوستو! اگر اس تمام نظام کو ہم قضیہ اتفاقیہ قرار دے دیں تو خوب سمجھ لیجئے کہ جو عمل اتفاقاً ہو جائے اس کے اندر نظم و ضبط نہیں ہوا کرتا۔ یہ ارتباط اس بات کی دلیل ہے کہ کسی ارتباط پیدا کرنے والے نے ارتباط پیدا کیا ہے۔ کسی نظام قائم کرنے والے نے نظام قائم کیا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب آپ بازار میں چلتے ہیں تو آپ کسی انداز سے چلتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کی رفتار غلط نہ ہو، آپ کا قدم زیادہ آگے نہ بڑھ جائے۔ آپ چھوٹے قدم نہ اٹھائیں، اتنی تیزی سے نہ بھاگیں کہ لوگ دیکھ کر آپ پر ہنسنے لگیں اور نہ اتنے آہستہ چلیں کہ لوگ سمجھیں کہ شاید دل پر چپکے ہوئے ہیں تو آپ اتنا آہستہ نہیں چلتے، اتنا تیز نہیں چلتے، قدم آپ کا نہایت ہموار ہوتا ہے اور آپ کے جسم کی حرکات بالکل معتدل ہوتی ہیں اور آپ کے جسم کے تمام اعضاء بالکل اعتدال کے ساتھ متحرک ہوتے ہیں۔ آپ تو بڑے نظم کے ساتھ چل رہے تھے، لیکن اتفاقاً اگر چلتے چلتے اندھیرے میں کہیں کیچڑ آ گئی اور آپ کو پتہ نہ چلا یا اتفاق سے کہیں کیلے کے چھلکے پر پاؤں پڑ گیا اور دھڑام سے آپ گرے تو ایمان سے کہنا کہ آپ کا گرنا اتفاقی ہے یا نہیں......! اب اس گرنے کو قضیہ اتفاقیہ کہیے اور اس نظم وضبط کے ساتھ چلنے کو آپ مربوط نظام کے تحت لائیے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب آپ گریں گے تو گرنا تو اتفاقی ہے نا۔ لیکن گرنے میں کیا وہ نظم وضبط باقی رہے گا......؟ بتائیے! اگر اس منظم کائنات کا اتفاقیہ مان لیا جائے تو پھر گرنے میں نظم وضبط ہونا چاہیے۔ کیونکہ کائنات کا نظم وضبط تو ہمارے سامنے ہے۔ اس حادثے کے گرتے وقت آپ خوب سنبھل کر گریں کہ پاؤں جہاں ہونے چاہئیں، وہیں ہوں، ہاتھ بالکل غیر محل پر نہ ہوں اور پاؤں بالکل نامناسب جگہ پر نہ ہو اور سر کہیں ایسی نامناسب جگہ پر نہ ہو، جہاں سر کی توہین ہو جائے۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ سر جہاں پڑ گیا پڑ گیا، ہاتھ جہاں گر گئے، گر گئے اور پاؤں جہاں پڑے گئے پڑ گئے۔ کوئی اس کے اندر نظم وضبط نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ جو قضیہ اتفاقیہ ہوتا ہے، اس میں نظم وضبط نہیں ہوا کرتا۔ چونکہ ساری کائنات میں نظم وضبط ہے، اس لئے پتہ چلا کہ جہاں نظم وضبط نہ ہو وہ اتفاقی بات ہوتی ہے اور جہاں نظم وضبط ہو وہ کسی پیدا کرنے والی کی پیدائش پر ہوا کرتی ہے اور کسی ضبط قائم کرنے والے کی انضباط پر ہوا کرتی ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ کائنات کے ذرے ذرے کو دیکھو اور نظام قائم کرنے والے کی دلیل قائم کر کے اس ہستی کو پہچانو۔ کائنات کا ہر نظام دعویٰ ہے اور نظم اس کی دلیل ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ مادے اندر خواص ہوتے ہیں۔ پانی جو ہے وہ بارد، راطب ہے۔ آگ جو ہے وہ حار، یابس ہے۔ حار کے معنی ہیں گرم اور یابس کے معنی ہیں خشک، بارد کے معنی ہیں ٹھنڈا اور راطب کے معنی ہیں تر۔ آگ اور پانی دونوں متضاد ہیں۔ ایک خشک ہے دوسرا تر ہے۔ ایک گرم ہے، دوسرا سرد ہے لیکن یہ دونوں طرح کے اثرات مادہ اپنے گھر سے نہیں لایا۔ آگ کو حرارت دینے والا وہ خدا ہے جس

نے اپنے ابراہیم علیہ السلام کے لئے فرمادیا

یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ

☆ کیونکہ حرارت میں نے دی ہے، اس لئے جب چاہوں گا، حرارت رکھوں گا، جب چاہوں گا سلب کرلوں گا۔ پانی کے اندر جو خواص رکھے ہیں، میں نے رکھے ہیں۔ پانی کا کام ہے سیال ہونا۔ لیکن میں جب چاہوں گا، کہہ دوں گا کہ ایک نیل! ٹھہر جا میرے کلیم گزرنے والے ہیں۔ پانی کا سیلاب، پانی کی سیالی، پانی کا بہنا، یہ میری دی ہوئی صفت ہے۔ یہ نہیں کہ وہ مادے کا اپنا ذاتی خاصہ ہے بلکہ میری پیدا کی ہوئی ہے تو جو چیز میری پیدا کی ہوئی ہے، وہ پیدا کرنے سے پہلے بھی میری قدرت میں تھی اور پیدا کرنے کے بعد بھی میری قدرت میں ہے۔ میں چاہوں تو اس کو باقی رکھوں اور چاہوں تو فنا کر ڈالوں۔

☆ یہ ہے وہ بنیادی نکتہ جس پر سارے علم کا دارومدار ہے۔ اس لئے میں کہوں گا کہ سائنس کا علم غیر اسلامی نہیں ہے۔ آپ دنیا کے کسی علم کو لے لیں، وہ ریاضیات سے متعلق ہو یا ارضیات سے، فلکیات سے متعلق ہو یا وہ علم حقائق کائنات سے متعلق ہو۔ وہ علم اثرات وخواصِ اشیاء سے متعلق ہو یا کائنات کا کوئی بھی علم ہو، میں کہتا ہوں کہ ہر علم اسلامی ہے۔ مگر اسلامی جب ہوگا کہ جب ہر چیز کو جان کر اور ہر علم کو حاصل کر کے خدا کا علم حاصل کیا جائے۔ آپ سائنس پڑھیں یا ریاضی، آپ جغرافیہ پڑھیں یا تاریخ، ان تمام علوم کا جو مرکز ومحور ہو تو وہ خدا کی معرفت ہو اور خدا کی ذات پر یقین ہو۔ یہ ایک بنیادی بات ہے۔ اگر آپ نے اپنی اسلامی تعلیمات کے محور کو چھوڑ دیا تو آپ کے ذہن کو آوارہ کر دیا جائے گا۔

☆ اسلامی تعلیمات کا مقصد صرف یہی نہیں کہ آپ قرآن کے ترجمہ کے سوا کچھ نہ پڑھیں۔ آپ قرآن کا ترجمہ بھی پڑھیں اور جن چیزوں کا ذکر آپ نے قرآن میں پڑھا، ان کی حقیقتوں کو جاننے کے لئے آپ جدید علوم کی طرف بھی توجہ کریں۔ قرآن نے کہا

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ

☆ تو تم آسمان کی حقیقتوں کو جاننے کے لئے جیسی بھی جدوجہد کرو گے وہ بھی اسلامی اور قرآنی علم قرار پائے گا۔ آسمان سے رات کو آنے والے جو لطیف اثرات ہیں جو زمین کے کرہ میں پیوست ہوتے ہیں اور پھر اس سے معدنیات کا ظہور ہوتا ہے۔ کہیں نباتات کا ظہور ہوتا ہے، کہیں سونا پیدا ہو رہی ہے۔ کہیں تریاق پیدا ہو رہا ہے۔ کہیں لوہا پیدا ہو رہا ہے اور کہیں کوئلہ پیدا ہو رہا ہے۔ اسی زمین میں لوہے کی کانیں ہیں۔ کہیں سونے کی کانیں ہیں۔ کہیں چاندی کی کانیں ہیں۔ کہیں سے پٹرول نکل رہا ہے۔ یہ جتنی چیزیں ہیں، یہ سب "والسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ" کے اندر مذکور ہیں۔ تو جب آپ قرآن کے لفظ ومعنی دونوں کو پڑھیں تو پھر جو کچھ آپ نے قرآن میں پڑھا، اس کی ماہیت کو پہچاننے کے لئے آپ علوم جدیدہ کو اختیار کریں۔ آپ کا ہر علم اسلامی قرار پائے گا۔ جب تک آپ کا مرکز قرآن ہوگا۔

عزیز طلبا! آپ کا ایک بہت بڑا مقام ہے۔ آپ کو چاہیے کہ خود اپنے ذہن کو علم کے نور سے روشن کریں اور اس روشنی سے قوم کے ذہن کو روشن کریں۔ قوم کا بہترین سرمایہ تم ہو۔ آج اگر ہمارے عزیز طلبا کے اندر کچھ کوتاہیاں ہیں تو یہ صرف میرے عزیز طلبا کا قصور نہیں اور نہ والدین کا قصور ہے، یہ اس گہوارے کا قصور ہے جس گہوارے کے اندر ہمارے طلباء کو تربیت دی گئی ہے۔ کیونکہ گہوارے کا بڑا اثر ہوتا

ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہماری قوم کی ماؤں اور بہنوں کی گود میں امام ابو حنیفہ جیسے لعل کھیلا کرتے تھے۔ ایک وہ دور تھا کہ ہماری قوم کی ماؤں اور بہنوں کی گود میں امام غزالی جیسے بچے پیدا ہوتے ہیں، غزالی، رازی، بو علی سینا، بڑے بڑے فلسفی اور حکماء، بڑے بڑے علماء، صوفیاء، زہاد، عباد اور محدثین و مفسرین، یہ سب ہماری قوم کی ماؤں کی گودوں میں تربیت پانے والے ہوئے۔ تصوف کی طرف آئیے۔ حضور غوث پاک ﷺ کیسی مقدس ہستی ہیں۔ اسی قوم کی ماؤں اور بیٹیوں نے ایسے بچوں کو جنم دیا اور اپنی مبارک آغوش میں پالا اور اپنی تربیت سے ان کے ذہنوں کو روشن کیا۔

☆ عزیزانِ گرامی! یاد رکھیے کہ ہماری تربیت کا جو گہوارہ ہے وہ بھی بڑا اغلط ہے۔ گہوارے کے اثرات کے متعلق مجھے ایک تاریخی واقعہ یاد آیا۔ حضرت عمر فاروق کی خلافت کا زمانہ ہے۔ عیسائی سلطنت روم کو فتح کرنے کے بعد مجاہدین نے روم کی گوری چٹی عیسائی عورتوں سے نکاح کرنا چاہا۔ امیرِ لشکر کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے کہا کہ میں تم کو اجازت نہیں دوں گا۔ حالانکہ قرآن کی رو سے جائز ہے۔ لیکن بہت سی جائز چیزیں بعض اوقات مضر ہو جاتی ہیں۔ مثلاً انار کھانا کوئی حرام نہیں، جائز ہے لیکن ایک شخص ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ انار کھائے گا تو اس کو بہت نقصان پہنچے گا۔ اس لئے ڈاکٹر منع کرے گا کہ انار مت کھانا۔ حالانکہ وہ جائز ہے۔ اسی طرح بیشک عیسائی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ مگر بعض حالات ایسے ہوتے ہیں، بعض ماحول ایسے ہوتے ہیں کہ جائز چیز اس میں مضر ہو جاتی ہے۔ تو امیر لشکر نے کہا کہ میں تم کو اجازت نہیں دوں گا۔ جب تک امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب سے مشورہ نہ لے لوں، حضرت عمر ﷺ سے مشورہ لیا گیا تو آپ نے جواب دیا۔ کیا پیارے الفاظ ہیں۔ فاروقِ اعظم آپ پر خدا کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔ فاروقِ اعظم نے فرمایا کہ خدا کی قسم! عمر خدا کے حلال کو حرام نہیں کر سکتا اور خدا کے حرام کو حلال نہیں کر سکتا جو اللہ نے حلال کیا یا اللہ کے رسول نے حلال کیا حلال ہے لیکن اے میرے عرب کے مجاہدو اور بہادرو! میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم روم کی گوری چٹی عیسائی عورتوں سے نکاح نہ کرو، اس لئے کہ اگر تم نے ان سے نکاح کیا تو ہوگا یہ کہ بچے تمہارے ہوں گے اور ان کی گودوں میں پلیں گے۔ فاروقِ اعظم نے فرمایا کہ تم ایسا نہ کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارے بچے جب اہل روم کی عورتوں کی آغوش میں تربیت پائیں گے تو مجھے خطرہ ہے کہ کہیں عرب کی تہذیب روم میں گم نہ ہو جائے۔

☆ اس واقعہ سے یہ بتانا مقصود تھا کہ تربیت کے ماحول کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ ہمارے عزیز طلباء کے اندر بڑی اچھی صلاحیتیں ہیں اور اگر یہ صلاحیتیں نہ ہوتیں تو وہ طالبِ علم کے میدان میں کیسے آتے، ان کا طالبِ علم کے میدان میں آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے اندر بڑی بڑی عظیم صلاحیتیں موجود ہیں۔ اب اس کے باوجود بھی اگر کچھ کوتاہیاں پائی جاتی ہیں تو ان سب کو طلبا کے سر نہ تھوپا جائے بلکہ ان کو یہ بتایا جائے کہ جس آغوش میں یہ پل کر آئے ہیں، اس آغوش میں کچھ خامیاں ہیں۔ ہماری قوم کے وہ ماں باپ جن کی گود میں پل کر یہ بچے طالبِ علمی کی صف میں آئیں ان کا کردار ایسا پیارا ہو، ان کی آغوش اتنی پاک ہو کہ اس آغوش میں پلے ہوئے بچے آگے چل کر قوم کی کایا پلٹ دیں۔

☆ عزیز طلبا! اگر تمہارا ذہن گمراہ ہو گیا تو یقین کرو کہ ساری قوم گمراہ ہو جائے گی۔ اگر تمہارا دماغ روشن نہ ہوا تو قوم کا دماغ روشن نہیں ہو سکتا۔ اگر تمہارا کردار غلط ہوا تو قوم کا کردار صحیح نہیں ہو سکتا۔ قوم کے کردار کو تم نے بچانا ہے۔ قوم کے دماغ کو تم نے روشن کرنا ہے، ملک کا مستقبل تمہارے دامن سے بندھا ہوا ہے۔ تمہاری قوم کی فلاح، تمہاری قوم کی نجات، تمہاری قوم کی ذہنی نشو ونما اور تمہاری قوم کے تمام ذہنی ارتقاء کا دار و مدار تمہارے اپنے ذہنی ارتقاء پر ہے۔ قوم کے کردار کا مدار تمہارے اپنے کردار پر ہے۔ اس لئے تمہارا ذہن روشن ہونا چاہئے اور تمہارا کردار بلند ہونا چاہئے۔ تم اپنی اس روشن دماغی اور خوش کرداری کے ساتھ اپنی قوم کی وہ بہترین خدمت انجام دے سکتے ہو کہ جو خدمت معاشرے میں کوئی دوسرا گروہ انجام نہیں دے سکتا، تم اپنے ملک کی فلاح کے لئے، اپنی ملت کی فلاح کے لئے، اپنی قوم کی فلاح کے لئے وہ سب کچھ کر سکتے ہو جو تمہارے سوا کوئی اور گروہ نہیں کر سکتا۔

☆ یہ مختصر سا میرا خطاب تھا، میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا میرے عزیز طلبا کو اس کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے ذہنوں کو روشن کریں اور اپنے کردار کو بہتر بنائیں۔

نورِ مبین (صلی اللہ علیہ وسلم)

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

☆ صدر محترم علماء اہلسنّت و جملہ برادرانِ اہلسنّت! اللہ تعالٰی کا اہل سنت پر اتنا کرم ہے کہ ہم اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالٰی کی نعمت کا شکر ادا کرنا اس کی خوشی کا باعث ہے اور اللہ تعالٰی نے کائنات کی ہر نعمت ہم کو عطا فرمائی۔

"وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" (ب ١٤، النحل ع ٢، آیت ١٨)

ترجمہ☆ اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں گن نہ سکو گے۔

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (ب ٢١، لقمٰن، آیت ٢٠)

ترجمہ☆ اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔

☆ لیکن ایک وہ نعمت ہے کہ جس کے دامن سے ہر نعمت وابستہ ہے اور میں پورے وثوق سے عرض کرتا ہوں کہ جس زحمت کا دامن اس نعمت سے وابستہ ہو جائے تو وہ زحمت، زحمت نہیں رہتی بلکہ نعمت اور رحمت بن جاتی ہے اور جس نعمت کا تعلق اس نعمت سے قطع ہو جائے تو وہ نعمت، نعمت نہیں رہتی بلکہ زحمت بن جاتی ہے اور مرکز نعمت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

اَلَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا (ب ١٣ سورئہ ابراھیم، آیت ٢٨)

ترجمہ☆ جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا۔

☆ اس آیت کے تحت بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں

☆ نعمة اللّٰه محمد رسول اللّٰه (ﷺ) "اللہ کی نعمت تو محمد رسول اللہ (ﷺ) ہیں۔

☆ اور اسی لئے اللہ نے فرمایا

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (سورئہ والضحٰی، آیت 11)

ترجمہ☆ اور اپنے رب کی نعمت کا (خوب) بیان فرمائیں۔

☆ رب کی نعمتوں پر خوب اظہار فرحت کرو مگر مسرت، فرحت اور خوشی کا اظہار وہی کرے گا جو اس کو نعمت سمجھے گا۔ الحمد للّٰه! اہل سنت کا اعتقاد ہے کہ سب نعمتیں حضرت محمد ﷺ سے حاصل ہوئی ہیں۔

واللّٰه یعطی وانا قاسم

☆ اللہ تعالٰی دیتا ہے؟ لوگوں نے کہا، حضور علم دیتے ہیں۔ ارے کس نے کہا حضور علم نہیں دیتے۔ میں کہتا ہوں حضور علم، عمل اور ہر نعمت دیتے ہیں۔ وہ کون سی نعمت ہے جو سرکار نے ہمیں نہیں دی۔ بلکہ میرا تو یہ ایمان ہے کہ جو نعمت حضور نے نہیں دی وہ نعمت، نعمت ہی نہیں۔ جو لوگوں کو مالِ حرام کھانے میں مزہ آتا ہے اور لوگ اس کو نعمت سمجھتے ہیں۔ مگر حرام مال سرکار نے ہمیں نہیں دیا اور ہم نے اپنے فعل اور کسب سے اس کو حرام بنا دیا۔ یہ مال اللہ کے حکم کے مطابق نہیں ملا۔ اگر چہ یہ مال ہمارے کسب حرام سے پہلے نعمت اور حلال تھا۔

مگر مصطفیٰ سے تعلق الگ ہوا تو وہ زحمت بن گیا اور میں آپ سے کیا کہوں، قتل سے زیادہ اور کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور شہید کون ہے؟ جو اللہ کی راہ میں قتل ہو

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (پ ۲، البقرہ، آیت ۱۵۳)

ترجمہ☆ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں، انہیں مردہ مت کہو۔

☆ اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ مت کہو۔ شاید کوئی مجھے کہے کہ مردہ کہنے سے روکا ہے بلکہ فرمایا

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا

ترجمہ☆ ور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو۔

☆ یعنی گمان بھی نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں اور پھر آپ کو معلوم ہے کہ قتل ایک ایسی تکلیف ہے کہ اس کے مقابلے میں انسان ہر تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو سکتا ہے، مگر قتل ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

واقعہ حضرت خبیب

☆ عزیزانِ گرامی! اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے کس شان سے قتل ہوتے ہیں، میں اس کو بیان نہیں کر سکتا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے سچے صحابی اور عاشق رسول تھے جب دشمنوں نے آپ کو قید کیا تو منوں لوہا پہنا دیا اور لوہے کے پنجرے میں مقفل کر دیا کھانے کو خنزیر کا گوشت اور پینے کو شراب دیتے لیکن حضرت خبیب ایک نظر بھی نہ دیکھتے چھ ماہ تک اسی طرح قید و بند کی تکلیفیں برداشت کرتے رہے۔ دشمنوں نے حضرت خبیب سے کہا کہ اضطرار کی حالت میں حرام چیز حلال ہو جاتی ہے تو تم خنزیر کا گوشت کیوں نہیں کھاتے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے کہ اضطرار کی حالت میں حرام حلال ہو جاتا ہے لیکن تم میرے محبوب کے دشمن ہو میں سمجھتا ہوں کہ میرے اس کھانے پر تم خوش ہو جاؤ گے میں اپنے محبوب کے دشمن کے خوش ہونے کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اللہ اکبر! ان کی کیا محبت تھی۔

☆ اور پھر مشرکین مکہ ان کے پنجرے کے اندر تازہ انگوروں کے خوشے رکھے ہوئے دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ یہ کہاں سے آتے ہیں۔ جب قید کا وقت ختم ہوا قتل کرنے کے لئے پنجرے کے باہر نکالا گیا تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ کوئی آرزو اور تمنا ہے آپ نے فرمایا، ہاں ایک ہی تمنا ہے اور وہ یہ ہے مدت ہو گئی ہے منوں لوہا مجھ پر لدا ہوا ہے نماز جیسا کہ میرے رب کا حکم ہے نہیں پڑھ سکا۔ اب جی چاہتا ہے کہ نہا دھو کر، کپڑے صاف کر کے دو رکعت نماز ایسے پڑھ لوں جیسے میرا دل چاہتا ہے چنانچہ انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ حسب منشا نماز پڑھنے کھڑے ہوئے مگر مختصر اً قیام، رکوع اور سجود کے بعد دو رکعت نماز مکمل کر کے سلام پھیر دیا۔ مشرکین یہ دیکھ کر حیران ہوئے اور کہا کہ ہم تو یہ سمجھے تھے کہ آپ لمبی نماز پڑھیں گے آپ نے فرمایا دل تو یہ چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نماز لمبی کر کے پڑھ لوں مگر میرے دل میں خیال آیا کہ اگر میں نے اس طرح لمبی نماز پڑھی تو تم یہ خیال کرو گے کہ موت کے ڈر سے نماز کو لمبا کر دیا ہے۔ میں تو اپنے آقا کا غلام ہوں اور مصطفیٰ کے غلاموں کے بارے میں یہ تصور قائم کیا جائے کہ موت کے ڈر سے نمازیں لمبی کر دیتے ہیں تو میں نے نماز کو مختصر کر دیا۔ یہ طعنہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ جب آپ کو سولی پر چڑھایا گیا تو آپ یہ چاہتے

تھے کہ جب مجھے قتل کیا جائے تو میرے رُخ مدینے کی طرف کر دیا جائے۔ مگر کافر تو مدینے والے کی دشمنی میں قتل کر رہے تھے، وہ کب مان سکتے تھے۔ آپ نے فرمایا، پرواہ نہیں ہے؟ جب میرا دل مصطفیٰ (ﷺ) کی طرف ہے جدھر چاہو رخ کر کے مجھے قتل کر دو۔ میں جامِ شہادت نوش کرنے کے لئے تیار ہوں۔

☆ ''یہ سب کچھ رضائے رب کی خاطر ہے۔ اور پھر میرا رب اتنا بھی نہیں کرے گا کہ میرے بند بند اور جوڑ جوڑ میں برکت دے اور میری یہ تمنا پوری کر دے کہ جب میرا بدن خاک ہو جائے تو مدینے کی گلیوں کی ہوا میں اڑا دیا جائے۔''

☆ عزیزانِ محترم! یہ بیان نہیں کر سکتا کہ کن کن تکلیفوں کے ساتھ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا۔ سولی پر چڑھانے سے پہلے کسی نے پیچھے سے نیزہ مارا اور وہ نیزہ پیچھے سے آگے سینے کے باہر نکل گیا اور خون کا فوارہ نکلا۔ خون کو ہاتھ میں لیتے جاتے تھے اور سر کے اوپر ڈالتے جاتے تھے۔ اپنے خون میں نہا رہے تھے اور زبان سے یہ فرما رہے تھے

☆ ''ربِ کعبہ کی قسم جو مراد گھر سے لے کر چلا تھا، پوری ہو گئی۔''

☆ اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں نے کتنی تکالیف اٹھائیں۔

☆ عزیزانِ گرامی! قیامت کے دن جب سب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ کی طرف سے ایک فرشتے کو حکم ہو گا کہ ان جنتیوں سے پوچھو، تم میں کوئی ایسا ہے کہ جو دنیا میں واپس جانا چاہے۔ سب انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہم دنیا میں واپس نہیں جانا چاہتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ مصیبتوں اور مشقتوں کا گھر ہے اور یہاں کون سی نعمت ہے جو ہمیں حاصل نہیں۔ ''اِلَّا شَہِیْد'' مگر شہید کھڑا ہو جائے گا اور کہے گا، مجھے دنیا میں دوبارہ بھیج دو تو سب حیران ہوں گے اور فرشتہ پوچھے گا اے شہید تجھے کون سی نعمت حاصل نہیں، جس کے لئے تو دنیا میں جانا چاہتا ہے۔ تو شہید کہے گا، یہاں سب نعمتیں حاصل ہیں مگر خدا کے نام پر سر کٹانے، سینے میں زخم کھانے اور خون کا فوارہ بہنے میں جو لذت وہاں آئی تھی، وہ لذت یہاں محسوس نہیں ہو رہی۔ لہٰذا ہمیں دنیا میں پھر بھیج دو تا کہ خدا کی راہ میں قتل ہوتے وقت جو مزہ آیا تھا، وہ مزہ ہم پھر لوٹیں۔ اگر ہے قتل ہونا تو زحمت تھا، مگر مصطفیٰ کے دامن سے لگ گیا تو رحمت ہو گیا۔

اَلَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا (پ ۱۳، س ابراھیم، آیت ۲۸)

ترجمہ☆ جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا۔

☆ عزیزانِ گرامی! میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ یہ سینوں کا نصیبہ ہے کہ اس نعمت عظمیٰ پر مسرت اور فرحت کا اظہار کرتے ہیں۔ حضور کی ولادت پاک کی خوشی میں بڑے بڑے عظیم الشان جلسے منعقد کرتے ہیں۔ یہ سنیوں کا مقدر ہے۔ اے اللہ! سنیوں کے مقدر کو دوبالا کر دے۔ اے اللہ! ہم تیرے حبیب کا میلاد منا ہی نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو پیدا کرنے کی خاطر سارا جہاں بنایا۔ کیوں؟ اسلئے کہ

لَوْ لَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ ۔۔۔ لَوْ لَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ

☆ میرے پیارے! یہ سب تیرے ہی جشن میلاد کے لئے تو بنایا ہے۔ کون ہے جو خدا جیسا فرش بچھائے۔ خدا جیسا شامیانہ لگائے بلکہ خدا نے ساری کائنات کو اپنے محبوب کی پیدائش کے لئے سجایا ہے۔ آج ہم جو کچھ زیبائش کرتے ہیں بشرطیکہ اس میں ریا، دکھاوا اور

اسراف نہ ہو، فقط محبت اور اخلاص ہو تو عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (پ ٦، المائدہ، آیت ١٥)

ترجمہ☆ بے شک جلوہ گر ہوا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب

☆ وہ نور کون ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، حضرت امام مجاہد، عطا بن ابی ربیعہ اور حضرت عکرمہ سے پوچھو تو یہ صاف صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ "قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ" سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اسی آیت کے تحت حضرت علامہ الوسی بغدادی تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں کہ

ای نور الانوار و نبی المختار محمد رسول اللّٰہ ﷺ

☆ نور سے مراد حضور ہیں اور "نور الانوار" میں نور کی اضافت انوار کی طرف ہے اور انوار جمع ہے جب جمع پر الف، لام، آئے تو استغراق کے معنی پیدا ہوتے ہیں، کیا مطلب؟ مطلب یہ کہ میرے آقا فقط نور نہیں بلکہ تمام نوروں کے نور ہیں؟ جس طرح آپ نوروں کا نور ہیں اسی طرح آپ روح الارواح بھی ہیں۔ اگر بدن سے روح نکل جائے تو بدن بے جان ہو کر گر پڑتا ہے۔ اسی طرح حضور کی روحانیت کا فیض ہماری روحوں سے نکل جائے تو روحیں بے جان ہو کر گر پڑیں۔ آپ روحوں کے روح اور نوروں کے نور ہیں۔ اگر نور سے حضور کی نورانیت سلب ہو جائے تو نور ظلمت بن کر رہ جائے۔ ہر نور کا نور محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ لوگوں نے کہا، وہ نورِ ہدایت ہیں یا پھر زیادہ سے زیادہ علم کا نور ہیں۔ حالانکہ کئی موقعوں پر حضور کے علم کا انکار موجود ہے۔ میں کہا، جب اللہ نے کوئی قید اور تخصیص نہیں فرمائی تو ہمارا اور آپ کا کوئی حق نہیں کہ ہم قید لگائیں۔ وہ تو نور مطلق ہیں۔ اگر ھدیٰ کا نور ہیں تو آپ ہیں

هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى (سورہ توبہ، آیت ٣٣، الفتح، آیت ٢٨)

ترجمہ☆ (اللہ) وہی ہے، جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین عطا فرما کر بھیجا اور علم کا نور بھی مصطفیٰ ہیں

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (نساء، ١١٣)

ترجمہ☆ اور آپ کو سکھلایا جو کچھ آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے

☆ ایمان اور عرفان کا نور سرکار ہیں۔ قرآن اور اسلام کا نور مصطفیٰ ہیں۔ جسم و جان کا نور حضور ہیں۔ زمین و آسمان کا نور نبی محترم ہیں۔ ارے آقا تو ہر نور کا نور ہیں۔

شبہ اور اس کا ازالہ

☆ عزیزانِ محترم! اللہ تعالیٰ نے نور کے ساتھ کتاب مبین کا ذکر فرمایا۔ کیا بات ہے؟ آپ کہیں گے کہ حضور تشریف لائے مگر سرکار پر کئی برس نورِ نبوت چمکا اور پھر آپ قبر انور میں تشریف لے گئے۔ لہٰذا وہ نور ہمارے لئے تو کچھ نہ ہوا۔ کیونکہ ہم تو چودہ سو سال بعد پیدا ہوئے۔

☆ تو میں کہتا ہوں کہ ہمارے لئے سب کچھ ہوا بلکہ قیامت تک آنے والے مومنوں کے لئے سب کچھ ہوا۔ مگر کوئی اپنے آپ کو مومن بھی سمجھے۔ اگر کوئی اپنے آپ کو مومن نہ سمجھے تو اس کے لئے کچھ بھی نہیں ہوا۔ غور سے سن لو۔ سید عالم ﷺ کی نورانیت فقط ظاہری

نہیں باطنی بھی ہے۔ فقط حسی نور نہیں، معنوی بھی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ جب مسکراتے تھے تو دندانِ مبارک سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں اور یقین کیجئے کہ ایمان کے نور کا مرکز اور آفتاب فقط ذات پاک سید عالم ﷺ ہے۔ اگر آفتاب نہ رہے تو اس کی شعاع کبھی بھی باقی نہ رہے گی۔ کیونکہ شعاعیں آفتاب کے ساتھ ہی منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اگر سورج طلوع ہو تو شعاعیں بھی ساتھ ہی نمایاں ہو جاتی ہیں اور جب سورج غروب ہو جائے تو شعاعیں بھی ساتھ ہی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں اور حضور ایمان کا آفتاب ہیں یعنی ایمان وجودِ محمدی کی شعاع کا نام ہے اور جو کہے کہ ہم چودہ سو برس کے بعد پیدا ہوئے تو ہمیں کچھ نہ ملا تو ان کے اندر ایمان نہیں۔ ہمارے دلوں کا ایمان آفتابِ محمدی کی شعاع کا نام ہے۔ مرکزِ ایمان مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ آپ کہیں گے کہ ہم نے آقا کے حلیہ مبارک کی زیارت نہیں کی اور ہم نے آپ کے حسن و جمال کو نہیں دیکھا تو میں کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے ظاہری و باطنی حسن و جمال کو قرآن میں رکھ دیا ہے اور خوب یاد رکھو؟ قرآن کیا ہے؟ جمالِ محمدی کا آئینہ ہے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحابہ نے آپ کے حسن خلق کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا

"کان خلقه القرآن"

ترجمہ☆ آپ کا خلق دیکھنا ہو تو قرآن کو دیکھ لو۔

☆ تو صحابہ کی زبان سے بے ساختہ نکلا

"کانه ورقة مصحف"

ترجمہ☆ حضور کا منور چہرہ قرآن کا ورق ہے۔

☆ عزیزانِ گرامی! اللہ تعالیٰ نے قرآن کے تیس پاروں کے ایک ایک ورق میں اپنے محبوب کے حسن و جمال کو ہمارے سامنے رکھ دیا۔ مگر

آنکھ	والا	تیرے	جلوے	کا	تماشہ دیکھے
دیدۂ	کور	کو	کیا	آئے نظر	کیا دیکھے

☆ یہ قرآن ہمارے سینوں، زبانوں اور ہاتھوں میں ہے، یہ جمالِ محمدی کا آئینہ ہے۔ قرآن بھی نور ہے اور سرکار بھی، تو آپ کہیں گے کہ دو نوروں کا کیا مطلب؟ کیا ایک نور کافی نہ تھا؟ تو بھائی میں عرض کروں گا کہ جب تک دونوں جمع نہ ہوں اس وقت تک کسی تیسری چیز کا انکشاف نہیں ہوتا یعنی تیسری چیز کا انکشاف دو نوروں پر موقوف ہوتا ہے۔ آپ لوگوں نے میلاد النبی کی خوشی میں طرح طرح کی روشنیوں سے جلسہ گاہ کو سجا رکھا ہے، کہیں ٹیوب لائٹ اور کہیں بلب ہیں۔ یہ روشنی ایک نور ہے۔

☆ ایک روشنی ہماری آنکھ میں ہے، یہ باہر کی روشنی خارجی ہے اور آنکھ کی روشنی داخلی ہے۔ اگر خدانخواستہ بجلی فیل ہو جائے اور تمام بلب اور ٹیوب لائٹ بجھ جائیں تو نہ آپ مجھے دیکھ سکیں گے اور نہ میں آپ کو۔ حالانکہ آپ کی آنکھوں میں بھی روشنی ہے اور میری آنکھ میں بھی۔ ہماری آنکھوں میں نور ہے مگر ہم ایک دوسرے کو خارجی نور کے بغیر نہیں دیکھ سکے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ تیسری چیز کی حقیقت تب ہی

منکشف ہو گی، جب دونوں نور جمع ہوں گے۔ اگر خارجی نور ہو اور داخلی نور نہ ہو تب بھی حقیقت منکشف نہیں ہو گی اور اگر داخلی نور ہو اور خارجی نور نہ ہو تب بھی تیسری چیز کی حقیقت عیاں نہیں ہوتی۔ ایک نابینا کے لئے لاکھ بلب اور ٹیوب لائٹ لگا دو اسے کچھ نظر نہیں آئے گا۔

☆ اس لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو نور عطا فرمائے۔ ایک سید عالم ﷺ کی ذاتِ اقدس اور دوسرا قرآنِ حکیم ہے۔ ان دونوروں کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کے جلوے منکشف ہوئے ہیں اور معراج کی رات سرکار نے اللہ تعالیٰ کا بلاواسطہ دیدار کیا اور اس کے حسن کے جلوے تو بلاواسطہ بات تھی مگر بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کے جلوے کائنات کے ذرے ذرے اور تخلیق عالم، آسمانوں اور زمینوں میں چاند اور سورج میں، ہواؤں اور خلاؤں میں، دریاؤں اور سمندروں میں، تحت الثریٰ اور عرشِ علیٰ میں ہیں۔ اگر یہ دونوں نور تمہارے پاس ہیں تو خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کے جلوے اٹھارہ ہزار کائنات کی چھپی ہوئی حقیقتیں تمہارے سامنے منکشف ہوں گی۔

☆ عزیزانِ محترم! ایک شخص نے آ کر کہا کہ ایک سائنسدان کا علم نبی کے علم سے زیادہ ہوتا ہے۔ میں نے کہا، ارے خدا تجھ کو خراب کرے تو کیسی بات کرتا ہے۔ میں سائنسدان کے علم کو مانتا ہوں مگر اس کا علم ظنی ہے اور میرے آقا کا علم قطعی ہے اور پھر نبی کے علم میں ظنیت کا احتمال تک نہیں ہوتا اور تم کہتے ہو کہ انہیں صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حلال و حرام کا علم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (پ ۷، انعام، آیت ۷۵)

''اسی طرح ہم نے دکھائی ابراہیم علیہ السلام کو ساری بادشاہی (کل مخلوقات) آسمانوں اور زمینوں کی اور اس لئے کہ وہ علم الیقین کے ساتھ عین الیقین والوں میں سے (بھی) ہو جائیں۔''

☆ یعنی ہم نے جس طرح اپنے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام حقیقتیں دکھائیں، اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت السمٰوٰت بھی دکھائے اور ملکوت الارض بھی......! اب بتایئے کہاں کہاں سائنسدان کا علم مقابلہ کرے گا۔

☆ سائنسدانوں کا یہ حال ہے کہ آج ایک مفروضہ کو نظریہ قائم کیا اور دوسرے آنے والے سائنسدان نے اس کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا اور اس سے پہلے نظریہ کو غلط ثابت کر دیا۔ لیکن نبی کی وہ اٹل بات ہے کہ جو کچھ فرمایا وہ دین ہے۔ اس کے خلاف کبھی کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ نبی کی ذات حق کا معیار ہوتی ہے۔ نبی جو کچھ کہتا، سنتا اور بولتا ہے، وہ حق ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص والی حدیث پر غور کرو کہ بلا تخصیص سرکار کی ہر حدیث لکھ لیا کرتے تھے۔ سرکار کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ سرکار قریش کے کچھ لوگوں نے مجھے آپ کی ہر بات لکھنے سے روکا ہے اور ''قالوا'' انہوں نے کہا ''انه بشر'' وہ تو بشر ہیں۔ ''یکلم فی الغضب و الرضا'' کبھی وہ غصے میں اور کبھی راضی ہو کر بات کر جاتے ہیں تو ہر بات نہ لکھا کرو۔ میرے آقا! اب میں کیا کروں؟ سرکار نے فرمایا، ''اکتب یا عبد اللّٰه'' اے عبداللہ! میری ہر بات لکھ لیا کرو۔ اس لئے کہ

فو الذی نفسی بیدہ ما یخرج منه الا حق و اشار الی فمه

☆ ترجمہ جس ذات پاک کی قدرت میں، میری (محمد ﷺ کی) جان ہے اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس دہن (پاک) سے حق

کے سوا کچھ نکلتا ہی نہیں۔

☆ عزیزانِ گرامی! ہمارے نزدیک سرکار کی ذات معیارِ حق ہے اور ہمارے نزدیک وہ مقدس ہستیاں بھی معیارِ حق ہیں، جن کو حضور نے مظہر حقانیت بنایا اور فرمایا، "عمر وہ ہیں جن کی زبان اور دل پر حق بولتا ہے۔"

☆ عزیزانِ محترم! اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو بے نقاب کرنے کے لئے اپنے محبوب کو نورانیت عطا فرمائی اور سرکار نے بلاشبہ جو جو حقیقت جس وقت ظاہر کرنا تھی، ظاہر فرماتے گئے۔ کچھ حقیقتیں ایسی تھیں، جن کے ظاہر کرنے کا حکم نہیں تھا، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اشیاء حضور پر منکشف نہیں تھیں۔ حضور پر ہر چیز منکشف تھی۔ اس لئے سرکار اللہ کی بارگاہ میں دعا کیا کرتے تھے

اللھم ارنا حقائق کل اشیاء کما ھی

ترجمہ☆ اے اللہ! تو مجھے تمام اشیاء کی حقیقتیں اسی طرح دکھادے، جیسے وہ ہیں۔

☆ یہ دعا اللہ نے اپنے حبیب کو تعلیم فرمائی اور آپ نے یہ دعا فرمائی

"رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا" (پ ۱۶، طٰہٰ، آیت ۱۱٤)

☆ خود ہی دعا کی تعلیم فرمائے اور اس کا حکم دے اور پھر دعا خود ہی قبول نہ فرمائے۔ یہ عجیب فلسفہ ہے۔ سرکار تو مستجاب الدعوات ہیں۔ سرکار کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی۔ العیاذ با اللّٰہ! ارے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تو بڑی شان ہے۔ مومنین کاملین کی بھی دعائیں رد نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ"

ترجمہ☆ مجھ سے دعا کرو، میں (خدا) قبول کروں گا یعنی تم مانگو میں دوں گا۔

بابا فرید گنج شکر کا واقعہ

☆ عزیزانِ گرامی! ایک مولانا حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، "حضور! بہت تنگ دست ہوں، دعا فرمائیں یا کچھ عطا فرمائیں۔" بابا صاحب نے مٹی کا ڈھیلا منگوایا، اس پر تین دفعہ قل ھو اللّٰہ پڑھ کر دم کیا تو سونا ہو گیا۔ مولانا بہت خوش ہو گئے کہ سونا بھی لے کر جا رہا ہوں اور سونا بنانے کا نسخہ بھی۔ گھر جا کر بیوی سے کہا کہ ہم بابا صاحب سے سونے کے ساتھ سونا بنانے کا نسخہ بھی لائے ہیں۔ وہ بھی بہت خوش ہو گئیں۔ چنانچہ انہوں نے سونا بنانے کا کہا تو مولانا نے ڈیڑھ من مٹی جمع کر لی اور رات بھر قل ھو اللّٰہ پڑھ کر پھونک مارتے رہے۔ صبح ہوئی تو چہرہ غبار آلود تھا۔ مولانا کو بہت غصہ آیا۔ بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، "حضور! آپ نے ہمارے ساتھ مذاق کیا ہے۔ آپ نے پڑھا تو کچھ اور تھا اور ظاہر "قل ھو اللّٰہ" کیا۔ میں تو تمام رات "قل ھو اللّٰہ" پڑھ کر پھونکتا رہا ہوں، وہ مٹی سونا تو سونا، لوہا بھی نہیں بنی اور میرا تو ستیاناس ہو گیا۔ آپ نے فرمایا، "قل ھو اللّٰہ تو وہی ہے مگر بابا فرید کی زبان کہاں سے لاؤ گے۔"

☆ میرے آقا! آپ کی عظمتوں پر قربان ہو جاؤں۔ آپ نے اپنی زبانِ مقدس کے انوار و برکات اپنے مقربین کو بھی عطا فرمائے

اور یہ وہی مقربین ہیں جن میں بابا فرید گنج شکر بھی شامل ہیں۔

☆ عزیزانِ محترم! آقائے مدنی تاجدارِ حرم ﷺ نور ہیں۔ سرکار نے فرمایا، "اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا اور وہ نور ستر ہزار حجاباتِ عظمت میں تربیت پاتا رہا، پھر وہ نور وہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں چمکا۔ آدم علیہ السلام سے وہ نور مبین اصلاب طاہر ارحام طیبہ میں منتقل ہوتا ہوا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور والدہ ماجدہ سیدہ طیبہ طاہرہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک پہنچا۔ سید عالم ﷺ اپنی والدہ ماجدہ سیدہ طاہرہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکم اقدس سے طلوع ہوئے۔ بارہ ربیع الاول، پیر کا دن اور صبح صادق کا وقت تھا۔ لوگ آپ کی پیدائش کے لئے چھ اور نو تاریخوں کا قول کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے یہ تاریخیں بھی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں لیکن اہلِ مدینہ کے نزدیک حضور کی ولادتِ باسعادت کا دن بارہ ربیع الاول ہے اور یہ تعامل اہلِ مدینہ سے ثابت ہے۔ امام مالک اہلِ مدینہ کے تعامل کو بہت بڑی دلیل سمجھتے ہیں۔ ہم حنفی ہو کر بھی کبھی نہیں کہیں گے کہ معاذ اللہ امام مالک گمراہی پر تھے۔ اختلافی مسائل میں اختلافات ہوا کرتے ہیں مگر یہاں اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تعامل اہلِ مدینہ کے مطابق بارہ ربیع الاول کو ہی ولادتِ باسعادت کا دن مناتے تھے اور ایصالِ ثواب کے لئے ہدیہ پیش کرتے تھے اور یہ ساری باتیں فتاویٰ عزیزی میں ہیں اور پھر سرکار صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔ اس وقت رات کی ہلکی سی تاریکی اور دن کا ہلکا سا اجالا ہوتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا فرما کر دن اور رات کو شرف بخشا۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی تو آپ یہ کہیں گے، ایسا وقت تو مغرب کو بھی ہوتا ہے۔ تو میں کہوں گا کہ ٹھیک ہے مگر مغرب کے وقت دن جا رہا ہے اور رات آ رہی ہے یعنی نور جا رہا ہے اور ظلمت آ رہی ہے اور پھر صبح صادق کا وقت کہ رات جا رہی ہے اور دن آ رہا ہے یعنی ظلمت جا رہی ہے اور نور آ رہا ہے اور حضور کا آنا تو ایسا ہی تھا کہ "قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ" اور نور کے آنے کا وقت بھی وہی موزوں ہوتا ہے جو ظلمت کے جانے کا

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

حیات النبی ﷺ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

☆ محترم حضرات! ہم سب اس ارضِ مقدس پر حاضر ہیں۔ وہ لوگ خوش نصیب ہیں جو دیارِ حبیب، دیارِ رحمت اور دربارِ نبوت میں پناہ گزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پناہ کو ہمیشہ قائم رکھے اور انہیں کبھی بھی دیارِ نبوت سے جدا نہ کرے۔ ہم تو اس قابل نہیں کہ دیارِ حبیب میں زیادہ عرصہ ٹھہر سکیں لیکن سرکار کا کرم ہے، ہم جیسے نابکاروں کو بھی یاد فرمالیا۔ میں جب بھی کوئی ارضِ اقدس پر آتا ہوں تو یہ سمجھتا ہوں

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

☆ میرے لئے یہاں کے آداب بجا لانا میرے ممکنات سے نہیں۔ اس لئے میں سرکار کی بارگاہ میں عرض کر دیتا ہوں کہ سرکار ایمان کے ساتھ رخصتی عطا فرما دیں۔ پھر ایمان کے ساتھ بلا لیں پھر ایمان کے ساتھ بھیج دیں۔ میں مدینے میں پھر آؤں پھر جاؤں پھر آؤں پھر جاؤں تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے۔

☆ میں اس بارگاہ اقدس میں لب کشائی کی طاقت نہیں پاتا۔ لیکن اہلِ مدینہ کا اصرار اور میرا انکار ممکن نہیں کیونکہ میں اہلِ مدینہ کی ناراضگی کسی حال میں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ محترم حضرات! میں سراپا خطا اور قصور ہوں۔ بہر حال میں آپ حضرات سے دست بستہ اس مدینے والے آقا کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ میری کوئی بات ناپسند ہو تو اللہ کے لئے مجھے معاف کر دینا۔ آپ کی ناراضگی ناقابلِ برداشت ہے۔ اس لئے کہ آپ دیارِ حبیب کے رہائشی ہیں۔

احسانِ الٰہی

☆ عزیزانِ محترم! میں آپ کے سامنے قرآن مجید سے ایک آیت پڑھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ"

ترجمہ☆ بیشک اللہ نے بڑا احسان کیا ایمان والوں پر جب اس نے ان میں عظمت والا رسول بھیجا ان ہی میں سے۔

☆ اور اس کا احسان یہ ہے کہ "يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ" جو تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیتیں "وَيُزَكِّيْهِمْ" اور انہیں پاک کرتا ہے "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

☆ "وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ" اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

☆ لیکن میرے محبوب نے ان کو ضلالت و گمراہی سے نکال کر ہدایت عطا فرمائی ظلمت سے نور میں اور کفر سے ایمان میں لائے۔ باطل سے نکال کر راہِ حق عطا فرما کر خدا کے قرب میں پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ نے اپنے بندوں کو بے شمار نعمتوں سے نوازا،

جنہیں گنا بھی نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (پ ۱۴، النحل آیت ۱۸)

ترجمہ☆ اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں گن نہ سکو گے۔

"وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً"

ترجمہ☆ اور اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اتنی نعمتیں عطا فرمائی کہ جنکو ہم گن نہیں سکتے لیکن کسی نعمت پر احسان نہیں جتایا۔ صرف ایک نعمت کا پر احسان جتایا۔ کیا؟

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا"

☆ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور نعمتوں کی بنیاد پر احسان نہیں جتایا اور ہمیں بھی ایسا کرنے سے منع فرمایا

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى

ترجمہ☆ نہ ضائع کرو اپنی خیراتیں احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر۔

احسان کے لوازمات

☆ ہمیں تو احسان جتانے سے روک دیا اور خود احسان جتا رہا ہے۔ اس احسانِ عظیم میں تین باتیں قابلِ توجہ ہیں

☆ احسان میں ایک احسان جتانے والا ہوتا ہے۔

☆ دوسرا وہ جس پر احسان ہو۔

☆ تیسری وہ چیز جس کی بنیاد پر احسان جتایا جاتا ہے۔

☆ ان تینوں باتوں میں سے ایک بات نہ ہو تو احسان جتانے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اب احسان جتانے والا کون ہے؟ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ" اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ احسان جتانے والا ہے اور احسان کن پر ہے؟ "عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" مومنین پر احسان ہوا ہے۔ کس نعمت کی بنیاد پر احسان ہوا؟ "اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا" وہ نعمت ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ ہے۔ اور وہ نعمت ہے کیوں؟ اس لئے کہ وہ نعمت عظمٰی باقی ہے۔ اگر وہ نعمت باقی نہ ہو تو پھر احسان کیسا؟ اگر آپ کسی کو کوئی نعمت دیں اور پھر خود اس سے واپس لے لیں تو کیا آپ کو کوئی احسان جتانے کا حق رہے گا؟ ہرگز نہیں۔ یعنی آپ نے مجھے ایک چھوٹا سا رومال دیا اور پھر صبح آ گئے اور واپس لے گئے۔ آپ پھر تشریف لا کر یہ کہیں کہ بھائی میرا آپ پر بڑا احسان ہے کہ تمہیں رومال دیا تھا؟ تو ہم کہیں گے بھائی آپ نے احسان تو ضرور کیا تھا مگر آپ نے تو وہ رومال واپس لے لیا اب احسان کس چیز کا ہے۔ احسان کی بنیاد تو ختم ہو گئی تو احسان بھی نہ رہا۔ نعمت واپس کرنے کے بعد تو احسان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور وہ نعمت کیا ہے؟ ابھی میں نے بتایا، "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا" وہ نعمت رسول کی ذات پاک ہے۔ اب اگر اللہ نے رسول ہم سے واپس لے لیا تو پھر اللہ تعالیٰ احسان کس چیز کا جتا رہا ہے؟

شبہ اور اس کا ازالہ

☆ اگر آپ یہ کہیں کہ یہ احسان تو صرف انہی لوگوں پر ہے جن میں رسول اللہ ﷺ موجود تھے۔ جب تک رسول ان میں زندہ رہے ان لوگوں پر احسان تھا۔ تو جو لوگ بعد کو پیدا ہوئے ان پر تو کوئی احسان نہیں؟ اگر کوئی کہتا ہے کہ ہم پر کوئی احسان نہیں تو میں کہوں گا کہ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" اللہ تعالیٰ نے یہ احسان صرف اولین اور آخرین پر نہیں اور نہ صرف موجودین پر بلکہ احسان تو تمام مومنین پر فرمایا۔ اب یہ بتاؤ کہ تم مومن ہو یا نہیں۔ اگر تم کہو کہ ہم مومن ہی نہیں تو تم پر واقعی کوئی احسان نہیں۔ تو اس میں ہمارا کیا قصور......؟ تم اپنے آپ کو خود ہی مومنین سے الگ کرلو تو تمہاری مرضی......! ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ مومنین جمع ہے اور اس پر الف لام داخل ہے۔ تو جب "جمع پر الف لام" داخل ہو تو پھر وہ جمعیت کے معنے میں نہیں رہتی تو وہ استغراق کے محل میں ہوتی ہے۔ جمعیت باطل ہو جاتی ہے۔ جمعیت کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جمع کا اطلاق تین فرد سے کم پر نہیں ہوتا۔ لیکن استغراق میں ایک سے لے کر لامتناہی ہوتے ہیں۔ تو پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ایک مومن سے لے کر لامتناہی مومنین تک ہے۔ یعنی قیامت تک جتنے مومن پیدا ہوں گے، خدا کا یہ احسان ہر ایک مومن پر رہے گا۔ یہ نہیں کہ یہ احسان فقط اہلِ عصر (صحابہ) پر ہو بلکہ یہ احسان سارے مومنین پر ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ

"اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا" (النساء ۱۰۳)

ترجمہ☆ بے شک نماز ایمان والوں پر وقت مقرر کیا ہوا فریضہ ہے۔

☆ یعنی نماز مومنین پر "كِتَابًا مَّوْقُوْتًا" ہے۔ جب وقت آئے نماز فرض اور یہ نماز کن پر فرض ہے۔ "عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" مومنین پر۔ اور یہاں بھی یہ حکم مومنین پر ہے۔ اب یا تو یہ کہو کہ ہم تو اس زمانہ میں نہیں تھے۔ اس لئے ہم پر نماز فرض نہیں ہے۔ اگر تم پر احسان نہیں ہے تو تم پر نماز بھی فرض نہیں ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ نماز ہم پر فرض ہے تو احسان تم پر ہوا ہے۔ وہاں بھی "عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" ہے اور یہاں بھی "عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" ہے۔ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" اور "اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا"۔ اگر نماز سب پر فرض ہے تو احسان بھی سب پر ہے۔ یعنی قیامت تک آنے والے ہر مومن پر احسان ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ احسان تب ہوگا، جب نعمت موجود ہو۔ اگر خدا نے رسول کو واپس لے لیا تو احسان کس بات کا؟ تو پتہ چلا کہ قیامت تک وہ نعمت باقی رہے گی تو یہ احسان برقرار رہے اور اس لئے قرآن نے کہا

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ (الحجرات۔ پ۲۶، آیت ۷)

ترجمہ☆ اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول (موجود) ہیں۔

☆ اب جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کا رسول ہم میں موجود نہیں ہے۔ یعنی حضور زندہ نہیں.....تو میں کہوں گا کہ حضور نعمت ہیں۔ اور حضور موجود ہیں۔ اور موجود تبھی ہو سکتے ہیں، جب آپ زندہ ہوں۔ بغیر زندہ آپ موجود ہو ہی نہیں سکتے۔ رسالت تو ایک عمل ہے اور رسالت کے معنی پیغامبری کے ہیں کہ اللہ کا پیغام اللہ کی مخلوق تک پہنچانا۔ اور یہ پیغام پہنچانا ایک عمل ہے۔ تو آپ ہی بتائیں کہ مردہ عمل کیسے کرے گا؟ مردہ عمل ہرگز نہیں کر سکتا...... پھر اب اگر آپ یہ کہیں کہ اس وقت پیغام لانے کا مسئلہ تھا تو جب حضور کی وفات ہو گئی تو

پیغام لانے کا مسئلہ ہی ختم ہو گیا۔ اب اگر آپ کی یہ بات مان لیں تو پھر رسالت کا خانہ ہی خالی ہو گیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ جب رسول ہی نہ رہا تو عملِ رسالت کیسے جاری رہا؟ تو گویا عملِ رسالت بھی نہ رہا تو پھر ہم جو کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں لَآ اِلٰــهَ اِلَّا اللّٰــهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰــهِ ۔ کیا معنی؟ معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ عملِ رسالت جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ہر نماز میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" کہتے ہیں۔

رسالت رسول کے بغیر ممکن نہیں

☆ عزیزانِ محترم! میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ جب نعمت موجود نہ ہو تو احسان نہیں ہوتا۔ اور رسول زندہ نہ ہو تو عملِ رسالت جاری نہیں رہتا...... آقائے مدنی تاجدارِ حرم ﷺ کی ذاتِ پاک پر تو خدا نے احسان جتایا کہ مومن کے محبوب کی نعمت تم کو دی ہے۔ اگر نعمت نہ ہو تو احسان ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ نعمت سے صحتِ احسان ہے یعنی احسان کا ہے۔ اگر احسان ہے تو پھر رسول بھی ہیں۔ اب یہ کہنا کہ رسالت تو موجود ہے مگر رسول نہیں ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہوئی کہ کوئی صفت موصوف کے بغیر ہو جائے۔ صفت تو عرض ہوتی ہے اور موصوف قائم بالذات ہوتا ہے۔ یعنی صفت موصوف کے ساتھ ہوتی ہے۔ صفت کا وجود موصوف کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ کہیں آپ نے چراغ کے بغیر روشنی نہیں دیکھی ہوگی اور نہ کبھی آپ نے یہ دیکھا ہوگا کہ روشنی ہو اور چاند نہ ہو۔ سورج نہ ہو اور سورج کی روشنی ہو؟ رسالت ہو اور رسول نہ ہو؟ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر سورج کی روشنی ہے تو وہ سورج کے وجود کی دلیل ہے۔ یوں سمجھو کہ روشنی رسالت ہے اور رسول سورج ہے۔ تو لہٰذا تمہیں کبھی یہ شبہ ہوا کہ سورج کی روشنی تو موجود ہے۔ ذرا دروازہ کھول کر دیکھ لیں کہ سورج ہے کہ نہیں ہے؟ اور تمہیں کبھی بھی یہ خیال نہیں آیا ہوگا۔ جب تمہیں یہ خیال نہیں آیا تو رسالت کی موجودگی میں رسول کے نہ ہونے کا خیال کیسے آ گیا؟ تو اپنے چکا! جس طرح سورج کے بغیر روشنی نہیں ہو سکتی، اسی طرح رسول کے بغیر بھی رسالت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کے رسول ہم میں موجود ہیں اور اللہ کے حبیب آج بھی رسول ہیں۔ کیونکہ جس طرح چاند، سورج اور چراغ کے بغیر روشنی ممکن نہیں اسی طرح رسول اور نبی کے بغیر بھی رسالت اور نبوت ممکن نہیں۔

ختمِ نبوت زندہ باد

☆ اب ختمِ نبوت زندہ باد کا نعرہ لگانا تب ہی جائز ہوگا جب خاتم الانبیاء کو زندہ مانو گے۔ حضور کو نعوذ باللہ مردہ مان کر ختمِ نبوت زندہ باد کا نعرہ لگانا بے معنے ہے۔ یہ نعرہ تو ہمارا ہے کیونکہ ہم خاتم الانبیاء کو زندہ مانتے ہیں۔ اس بات کو تو عقل بھی نہیں مانتی کہ رسول نہیں ہیں اور رسالت ہے نبی نہیں ہیں اور نبوت ہے؟ تو لہٰذا ماننا پڑے گا خاتم الانبیاء زندہ ہے تو نبوت زندہ ہے۔ یقیناً رسول زندہ ہیں تو رسالت ہے۔ اگر رسول زندہ نہ ہوں اور نعمت رسول نہ ہو تو احسان کس نعمت کی بنیاد پر جتایا گیا۔ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ"

☆ عزیزانِ گرامی! یہ بات بھی آپ کو بتا دوں کہ حضور ﷺ تمام عالموں کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ☆ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محبوب!) مگر سارے جہانوں کے لئے رحمت

☆ حضور تمام عالمین کے لئے رحمت ہیں اور تمام عالمین کے رسول ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ ارسلت الی الخلق کافۃ

ترجمہ☆ میں اس ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

☆ اور قرآن نے کہا

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا"

اور (اے محبوب!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر (قیامت تک) تمام لوگوں کے لئے اس حال میں کہ آپ خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا

"بڑی برکت والا ہے وہ جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے (مقدس) بندے پر اتاری تا کہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔

☆ وہ تو عالمین کے لئے نذیر ہیں۔ آپ ﷺ کا وصف نذارت اور وصف انذار، وصف رسالت اور وصف نبوت سارے عالموں میں چل رہا ہے اور کوئی عمل چل ہی نہیں سکتا جب تک عمل کرنے والا زندہ نہ ہو۔ عمل خود دلیلِ حیات ہے اور بے عملی موت۔ جیسے نبض کا چلنا، دل کا حرکت کرنا، یہ عمل ہیں، اگر نبض کا چلنا بند ہو جائے اور دل کا حرکت کرنا رک جائے تو پھر موت ہے۔ عمل سے تو حیات کا پتہ چلتا ہے اور میرے آقا کا عملِ رسالت ختم ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا آپ مردہ ہو ہی نہیں سکتے۔

زبردست شبہ

☆ آپ کہیں گے کہ قرآن کہتا ہے

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ

ترجمہ☆ بے شک آپ پر موت آنی ہے اور یقیناً انہیں بھی مرنا ہے۔

☆ اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ فرماتا ہے

☆ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ "ہر جان تو موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔"

☆ ایک مرتبہ خود سرکار نے فرمایا، "انی مقبوض" میں تو قبض کیا جانے والا ہوں۔ اور پھر حضرت ابو بکر کا وہ خطبہ جو سرکار کی وفات شریفہ کے موقعہ پر پڑھا گیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی کہ جس نے کہا کہ سرکار نے وفات پائی، اس کی گردن اڑا دوں گا۔ سرکار کی وفاتِ شریفہ کے موقع پر حضرت عمر کے ہوش و حواس بالکل باختہ ہو گئے تھے۔ اگر یہ بات ہوئی تو پھر لوگ حضور کی وفات کے اعتقاد کو تسلیم نہیں کریں گے اور سرکار کی وفات کو مانیں گے ہی نہیں۔ پھر دین میں ایک بہت بڑا فتنہ پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے کہ

"حی لا یموت" تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

شانِ ابوبکر صدیق

☆ اس طرح لوگ دین سے دور ہو جائیں گے۔ ہر ایک کا علم اس کے لائق ہوا کرتا ہے۔ حضرت عمر کا علم بے شک ان کے ظرف کے لائق تھا ان میں کوئی کمی نہیں تھی اور ان کا کوئی قصور نہ تھا مگر حضرت عمر فاروق سے زیادہ شان حضرت ابوبکر صدیق کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مقام پر اپنے آپ کو سنبھالا اور مسجد نبوی میں یہ خطبہ جو بخاری اور مسلم اور تمام کتب احادیث میں آیا ہے، پڑھا۔ میں بخاری شریف سے خطبہ پڑھتا ہوں۔ سیدنا صدیق اکبر ﷜ نے خطبے میں فرمایا

من کان یعبد محمداً فان محمداً قدمات ومن کان یعبد اللّٰہ فان اللّٰہ حی لا یموت

☆ "تم میں سے اگر کوئی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عبادت کرتا ہو تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر موت واقع ہو چکی اور اگر تم میں سے کوئی خدا کی عبادت کرتا ہو تو وہ سن لے ان اللّٰہ حی لا یموت ۔ بے شک خدا تو حی لا یموت ہے۔

اس کے بعد حضرت فاروق ﷜ کا حال آہستہ آہستہ تدریجاً تدریجاً حضرت ابوبکر کے مقام پر اتر آیا۔

☆ محترم حضرات! یہ ساری باتیں میں نے وضاحت کر کے اس لئے کہی ہیں کہ اس پرفتن دور میں کہیں آپ کو کوئی پریشان نہ کرے اور آپ کو اس کا جواب نہ آئے تو میں ان سب اعتراضات کا جواب دیتا جاؤں۔

☆ محترم حضرات! اب کوئی ان ساری باتوں کو سامنے رکھ کر یہ کہہ دے کہ رسول اللہ زندہ موجود ہیں تو یہ آیات اور احادیث کہاں جائیں گی۔ اس سے قبل کہ میں آپ کو اس کا جواب دوں تو اپنا عقیدہ بیان کر دوں۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم کامل حیات کے ساتھ زندہ موجود ہیں بلکہ آپ کا جسد پاک ایک آن کے لئے بھی حیات سے محروم نہیں ہوا۔ کیونکہ جس وقت جسد پاک حیات سے محروم ہو جائے، اسی وقت عملِ رسالت منقطع ہو جائے اور رسالت کا خانہ خالی ہو جائے۔ آپ تو رسول رب العالمین، نذیر العالمین اور رحمت للعالمین ہیں۔ آپ تو رسول الی الخلق کافۃً کی شان رکھنے والے ہیں۔ اگر ایک آن کے لئے بھی حیات منقطع ہو جائے تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ ایک آن کے لئے بھی سرکار کی ذات پاک حیات سے خالی نہیں ہوئی۔ ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہئے اور میرا بھی یہی عقیدہ ہے۔ آپ پھر یہی کہیں گے کہ ان آیات اور احادیث کا کیا مطلب ہوگا؟ تو میں آپ کو بات سمجھا دوں۔ اگر آپ نے میری یہ بات سمجھ لی تو میری نجات ہو گئی۔

☆ حضور کا فرمان غلط نہیں ہو سکتا۔

☆ عزیزانِ گرامی! قرآن حق ہے۔ آمنا وصدقنا اور حدیث حق ہے۔ اور حدیث حق کیوں نہ ہو؟ وہ حضور کی بات ہی کب ہوتی ہے۔ قرآن نے کہا،

☆ "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى" "اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے"

☆ یعنی وہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں۔

"اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی" (پ ۲۷، س النجم، آیت ۳-۴)

ترجمہ☆ نہیں ہوتا ان کا فرمانا مگر وحی جو (ان کی طرف) کی جاتی ہے۔

☆ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اس آیت "وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی" کے تحت فرماتے ہیں۔ کیف ینطق عن الھوٰی. ما لیس الھوٰی. جو خواہشِ نفس سے پاک ہیں وہ خواہش نفس سے کیسے بولیں گے؟ اس لئے ان کا بولنا ان کا بولنا ہی نہیں۔ ان کا فرمانا رب کا فرمانا ہے۔ تو اسی لئے میں کہتا ہوں کہ سارے جہاں کا نظام غلط ہو سکتا ہے، مگر خدا کی قسم! مصطفیٰ کی زبان غلط نہیں ہو سکتی۔ نظام شمسی اور قمری کا غلط ہونا ممکن ہے۔ نظام ارضی اور سماوی کا غلط ہونا ممکن ہے۔ مگر زبانِ رسالت کا غلط ہونا ممکن ہی نہیں۔ اگر ہم سے کوئی پوچھے کیا وقت ہے دن ہے یا رات تو ہم وقت کے لئے گھڑی دیکھیں گے۔

☆ دن رات کے لئے آسمان پر نظر دوڑائیں گے کہ دن ہے یا رات۔ کیونکہ واقع جو ہوگا وہی کہیں گے۔ اگر واقعہ یہ ہے کہ دن ہے تو دن کہیں گے۔ اگر واقع میں رات ہے تو رات کہیں گے۔ گویا ہم واقعہ کے دیکھنے کے محتاج ہیں۔ کہ جیسے واقعہ ہوگا ویسے ہی ہم کہیں گے۔ مگر خدا کی قسم! واقعہ مصطفیٰ کا محتاج ہے۔ جیسا فرمائیں ویسا ہی واقعہ ہو جائے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

☆ عزیزانِ محترم! میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ حضور تاجدارِ مدنی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان بالکل حق ہے اور اس پر میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سناتا ہوں۔ یہ حدیث ابوداؤد جلد ثانی کتاب العلم ص ۱۵۷۔ ۱۵۸ پر موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں حضور کی ہر مجلس میں ہر حدیث لکھ لیا کرتا تھا کہ بعض لوگوں نے کہا

هو بشر یتکلم فی الغضب والرضاء

ترجمہ☆ وہ بشر ہیں کبھی راضی ہو کر بات کرتے ہیں اور کبھی غصے میں بات کرتے ہیں۔

☆ کبھی بھول کر بات کر جاتے ہیں۔ ہر بات تو لکھنے کے قابل نہیں ہوتی۔ تم ہر بات کیوں لکھ لیا کرتے ہو؟ اب حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، "میرے آقا! میں تو آپ کی ہر ادا اور ہر حدیث لکھ لیتا ہوں لیکن میرے آقا! قریش کے کچھ لوگوں نے مجھے یہ کہا کہ "هو بشر یتکلم فی الغضب والرضاء" حضور کی ہر بات نہ لکھا کرو۔ سرکار! آپ فرمائیں، میں آپ کی ہر بات لکھوں یا نہ لکھوں۔" سرکار نے فرمایا، "اکتب یا عبد اللّٰه" اے عبد اللہ میری ہر بات لکھ لیا کر۔ اس لئے کہ "فو الذی نفسی بیده ما یخرج منه الاحقا" اس ذات پاک کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس دہن (پاک) سے سوائے حق کے کچھ نکلتا ہی نہیں۔"

☆ اللہ اکبر! تو میرے آقا نے فرمایا، "انی مقبوض" میں قبض کیا جانے والا ہوں۔ دراصل یہاں جو لفظ "انی مقبوض" ہے یہاں اس کے معنی ہیں کہ میری روح ضرور قبض ہوگی۔ میرا اور ساری دنیا کا اس پر ایمان ہے کہ حضور تاجدارِ مدنی ﷺ کی روح ہے۔ عبد

وہ ہے جس کی روح قبض ہو اور معبود وہ ہے جس پر کبھی یہ وقت نہ آئے۔ حی لا یموت کا یہی مفہوم ہے۔ ممکن اور واجب، الٰہ اور عبد، رسول اور خدا کا فرق یہی ہے۔ سرورِ عالم ﷺ نے کبھی بھی اپنی الوہیت کی تعلیم نہیں دی بلکہ فرمایا

☆ اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ "تمہارا معبود ایک معبود ہے۔"

☆ اللہ ایک ہے۔ میں اللہ نہیں ہوں۔ میں رسول اللہ ہوں۔ رسول اور اللہ کا یہی فرق ہے کہ خدا پر کبھی قانون موت کی شکل میں بھی طاری نہ ہونے پائے۔ اگر رسول پر بھی اسی طریقے سے قانون طاری نہ ہو تو رسول تو رسول نہ رہے وہ خدا ہو گئے۔ آپ تو پھر ممکن نہ رہے واجب ہو گئے۔ آپ عبد نہ رہے، معبود ہو گئے۔ مگر آپ ایسے عبد مقدس ہیں

عبد	دیگر	عبدہٗ	چیز دگر
او	سراپا	انتظار	ایں منتظر

☆ سرکار کی عبدیت کہاں اور ہماری عبدیت کہاں۔ ہم بھی عبد ہیں لیکن ہم کیسے عبد ہیں کہ کوئی نماز میں کہے السلام علیکم اور ہم نے کہا، والسلام علیکم تو ہماری نماز گئی اور مصطفیٰ بھی عبد ہیں۔ جب تک نماز میں مصطفیٰ سے نہ بولیں تو نماز ہی نہیں ہوتی۔ جب روضۃ الجنۃ اور اصحاب صفہ کے چبوترے پر نماز پڑھتا ہوں تو سامنے مصطفیٰ ہوتے ہیں تو "السلام علیک ایھا النبی" پڑھتے ہوئے بڑا مزہ آتا ہے۔ سرکار کی عبدیت پر ہمارا ایمان ہے۔ سرکار کی عبدیت وہ عبدیت نہیں جیسی ہماری تمہاری عبدیت ہے۔ حضور تو وہ عبد ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (پ ۹: الانفال: ۲۴)

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جاؤ، جب تمہیں رسول اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندہ کر دے گی۔"

☆ یعنی فوراً میرے رسول کے بلانے پر دوڑتے چلے آؤ۔ خواہ تم نماز کی حالت میں کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ایک صحابی سعید بن معلی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ سرکار نے بلایا اور دیر ہو گئی۔ انہیں مسئلہ معلوم نہیں تھا۔ نماز پوری کر کے آئے۔ سرکار نے فرمایا، "تو نے دیر کیوں کی؟" عرض کیا، "حضور! نماز پڑھ رہا تھا۔" آقا نے فرمایا، "تو نے یہ آیت نہیں پڑھی

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (پ ۹: الانفال: ۲۴)

☆ اب اگر رسول تم سے بولیں اور تم ان سے بولو تب بھی نماز نہیں ٹوٹتی۔ ہم بھی عبد ہیں اور رسول بھی عبد ہیں۔ لیکن معبود اور عبد میں فرق ہونا چاہئیے اور وہ یہی کہ خدا حی لا یموت ہے۔

حیات و موت کی اقسام

☆ موت کی دو قسمیں اور حیات کی بھی۔ ایک موت حقیقی اور دوسری موت عادی۔ اسی طرح ایک حیات حقیقی اور دوسری حیات عادی۔ اب میں اگر اس کی تفصیل میں جاؤں تو بڑا وقت گزر جائے گا۔ نہایت اجمال کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔ ایک موت تو عادی

ہے۔موت عادی کیا ہے؟ جسم سے روح کا قبض ہونا۔ یہ موت عادی ہے۔یعنی عادتًا موت اس طرح آتی ہے کہ جسم سے روح قبض ہو جائے۔لیکن موت عادی کے لئے حیاتِ حقیقی کا نہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ موت عادی ہو جائے مگر حیات حقیقی موجود ہو۔ اب جوقرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ" اے پیارے حبیب! بے شک آپ پر قبضِ روح کا وقت آئے گا۔اور"کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" کہ ہر ایک کی روح قبض ہوگی۔ اور سرکار نے یہ بھی فرمایا"انی مقبوض" کہ میری روح مبارک ضرور قبض ہوگی۔اور"من کان یعبد محمدًا فان محمدًا قدمات" معاذ اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کی عبادت کرنے والو! حضور پر قانون موت طاری ہوگیا۔یعنی حضور پر قبضِ روح کا حال طاری ہوگیا۔تو قبض روح کے ہم بھی قائل ہیں۔ کیونکہ یہ فرق تو عبد و معبود کا ہے۔لیکن قبض روح میں کیا ہوتا ہے؟یعنی روح بدن سے باہر آجاتی ہے۔ جب روح بدن سے باہر آتی ہے تو کیا زندگی بدن کے اندر ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔

☆ بے شک زندگی بدن کے اندر ہوتی ہے۔ کیونکہ حیات کو پیدا کرنا روح کا کام نہیں ہے۔ بلکہ حیات کو پیدا کرنا اللہ کا کام ہے۔ اللہ نے تو ایک عادت بنادی کہ بدن کے اندر روح ہو تو انسان زندہ ہے ورنہ مردہ۔ یہ تو محض ایک عادی بات ہے۔ اگر اللہ چاہے تو بدن میں روح کے ہوتے ہوئے بھی مردہ کردے اور اللہ چاہے تو روح نکال کر بھی بدن کو زندہ رکھے۔ اس لئے میں حیران ہوں کہ اور باتوں میں کسی شے کو ثابت کرنا ہو تو"اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر" ہو جائے یعنی خدا ہر چیز پر قادر ہے لیکن خدا اس بات پر قادر نہیں کہ قبض روح کے مابعد اپنے حبیب کے جسم اقدس کو زندہ رکھ سکے۔ روح تو خالق نہیں، خالق تو خدا ہے۔ روح بدن میں ہو یا نہ ہو، خدا جب چاہے حیات پیدا کرسکتا ہے۔ اس کی مثالیں بخاری اور مسلم میں موجود ہیں۔

مسعود ربیع اور ربعی بن حراش کا واقعہ

☆ مسعود بن حراش، ربیع بن حراش اور ربعی بن حراش تینوں بھائی جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنے والے تابعی ہیں، ان میں سے مسعود بن حراش نے قسم کھائی کہ جب تک مجھے یہ پتہ نہ چلے کہ میں جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں، تو میں نہیں ہنسوں گا۔ مجھے دنیا میں ہنس کر کیا کرنا ہے کیونکہ ہنسی تو خوشی کے لئے ہوتی ہے۔ خوشی تو جب ہوگی، جب معلوم ہو کہ میں جنتی ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ہنسنا چھوڑ دیا اور ربیع بن حراش نے قسم کھائی کہ ہم نہیں بولیں گے جب تک ہمیں یہ علم نہ ہو جائے کہ ہم جنتی ہیں یا دوزخی۔ چنانچہ انہوں نے بولنا چھوڑ دیا اور ہر قسم کا کلام ترک کردیا۔ صرف سلام کہتے جو شرعاً ضروری اور واجب ہے۔ اب تینوں بھائیوں کو اپنے اپنے وقت پر موت آگئی۔ مسعود بن حراش نے مرنے کے بعد ہنسنا شروع کردیا۔ غسال غسل دیتا رہا، کفن پہناتا رہا۔ اپنا کام کرتا رہا اور مسعود بن حراش بھی ہنستے ہی رہے۔ اسی طرح ربیع بن حراش اور ربعی بن حراش کی روح جب قبض ہوئی تو غسال نے غسل دینے کے لئے سریر پر لٹایا تو انہوں نے بولنا شروع کردیا۔ غسال غسل دیتا رہا اور یہ بولتے رہے۔ اپنے رب کا انعام و اکرام بیان کرتے رہے اور اپنے گھر والوں کو خوشخبریاں دیتے رہے۔ (مسلم شریف ج اول)

☆ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں، یہ ہنسنا، بولنا اور اپنے رب کے انعام واکرام بیان کرنا عمل ہیں کہ نہیں ہیں؟ عمل ہیں اور ہر عمل دلیلِ حیات ہوتا ہے۔ روح قبض ہو چکی ہے یعنی بدن میں روح نہیں ہے۔ لیکن حیات آ چکی ہے۔ اگر مصطفیٰ کے غلاموں کے بدن میں بغیر روح کے حیات ہو سکتی ہے تو مصطفیٰ کے بدن میں کیسے حیات نہیں ہو سکتی؟ ضرور ہو سکتی ہے۔ اسی کو حیاتِ حقیقی کہتے ہیں۔ روح کا قبض ہونا موت عادی ہے۔ انک میت کے یہی معنی ہیں۔ اے میرے حبیب! عادتاً آپ پر بھی موت آئے گی اور تیری روح قبض ہو گی مگر یہ نہیں فرمایا کہ تیرا بدن حیات سے خالی ہو جائے گا۔

ابوجہل اور کنکریاں

☆ عزیزانِ گرامی! دو باتیں اور یاد آ گئیں۔ لوگ مولانا روم کی باتوں کو نہیں مانتے، مگر میں سمجھتا ہوں کہ مثنوی، مولوی، معنوی......

ہست قرآن درزبان پہلوی

☆ ابوجہل نے اپنے ہاتھ میں کنکریاں بند کر کے سرکار کی بارگاہ میں پیش کیا اور کہا،

رسولی چیست، درد ستم نہاں

چوں خبر داری راز آسماں

☆ امام بیہقی نے بھی اس واقعہ کو دلائل نبوت میں لکھا تو سرکار نے فرمایا، میں بتاؤں تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ یا تیرے ہاتھ میں جو چیز ہے وہ بتائے کہ میں کیا ہوں۔ اس نے کہا، یہ تو اور زیادہ تعجب کی بات ہے۔ سرکار نے فرمایا، تیرے ہاتھ میں گیارہ پتھر کے ٹکڑے (کنکریاں) ہیں۔

☆ اور ان پتھر کے ٹکڑوں سے سن لے کہ میں کیا ہوں؟ تو سب کے سب ٹکڑوں نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا اور کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اب پتھر کے ٹکڑے کلمہ پڑھ رہے تھے۔ ان کے اندر کوئی روح نہیں تھی، مگر حیات تھی۔ پتھر کے اندر روح کے بغیر حیات ہو سکتی ہے۔ کیا نعوذ باللہ مصطفیٰ کا جسم پاک پتھر سے بھی گیا گزرا ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ پتھر تو کہیں ہوں گے۔ پتہ نہیں کہاں گئے۔ لیکن وہ ستون حنانہ (استن حنانہ) کھجور کا ستون تو ابھی تک موجود ہے۔ اے مدینے والو! استن حنانہ دیکھتے ہو کہ نہیں۔ میں ابھی زیارت کر کے آیا ہوں اور کل صبح بھی انشاء اللہ زیارت کروں گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ کیا ہے؟

استن حنانہ در ہجر رسول

نال میز ہمچوں ارباب عقول

☆ استن حنانہ آپ کے فراق میں صاحب عقل کی طرح فریاد کرتا تھا۔ مثنوی کی بات تو قرآن وحدیث کا عطر ہے اور یہ حدیث بخاری شریف میں کئی سندوں میں موجود ہے کہ ایک خشک کھجور کی لکڑی کا ستون گاڑھ دیا گیا اور سرکار اس پر ٹیک لگا کر خطبہ فرماتے تھے۔ ایک صحابی نے عرض کیا، ”حضور! میرا ایک غلام نجار ہے۔ آپ اجازت فرمائیں تو منبر بنوا دوں۔“ آپ نے فرمایا، ”تمہاری مرضی۔“

چنانچہ اس نے منبر بنوا کر پیش کر دیا۔ سرکار منبر پر جلوہ گر ہو گئے۔ استن حنانہ الگ رہ گیا۔ تو حدیث میں آتا ہے۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ "وہ استن حنانہ اونٹنی کی سی غمناک آواز سے ہچکی باندھ کر اتنا روئی کہ قریب تھا کہ ہمارے جگر پھٹ جاتے۔"

☆ محترم حضرات! قابل توجہ بات ہے کہ استن حنانہ کا یہ رونا کیا تھا؟ اس میں روح انسانی تو درکنار، روح حیوانی اور نباتاتی بھی نہ تھی۔ یہ محض خشک لکڑی تھی مگر روئی، رونا عمل ہے اور یہ عمل حیات کی دلیل ہے۔ معلوم ہوا حیات حقیقی اس خشک کھجور کی لکڑی (استن حنانہ) میں تھی۔ شارح بخاری امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خدا اس بات پر قادر ہے کہ روح کے بغیر بھی بدن میں حیات پیدا کر دے۔

اے حبیب! تیری اگلی شان پچھلی سے بہتر ہے

☆ محترم عزیزو! سرکار کی روح ایک آن کے لئے قبض ضرور ہوئی تا کہ عبد اور معبود کا فرق ہو جائے۔ لیکن روح دوبارہ جسم اقدس میں لوٹا دی گئی کیونکہ اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں خواہ زمین و آسمان ہوں یا عرش و کرسی۔ اگر وہ روح اقدس کم جگہ پر ہوتی تو اصل مقام سے نیچے آ جاتی لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (پ ۳۰ ج والضحیٰ، آیت ٤)

ترجمہ☆ اور بے شک (ہر) پچھلی (گھڑی) آپ کے لئے پہلی سے بہتر ہے۔

☆ یعنی تیری ہر اگلی شان پچھلی سے بہتر ہے۔ تو پتہ چلا کہ جب روح مبارک کے قبض ہونے "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" اور "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" کا قانون پورا ہو گیا۔ تو روحِ اقدس مصطفیٰ ﷺ کے جسمِ اقدس میں واپس جلوہ گر ہو گئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ کوئی مقام جسمِ اقدس سے بہتر تو درکنار، برابر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ میرے آقا کی روح پاک آج بھی حضور کے جسم اقدس میں جلوہ گر ہے۔

زید بن خارجہ کا واقعہ

☆ محترم حضرات! اب مجھے زید بن خارجہ کا واقعہ یاد آ گیا۔ سنیئے اور خوب جھومیے۔ زید بن خارجہ تابعی تھے۔ جن کا انتقال حضرت عثمان غنی کی خلافت کے چوتھے سال ہوا۔ آپ کا جنازہ پڑا ہے کہ اچانک بولنے کی آواز آئی۔ لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ زید بن خارجہ بول رہے ہیں۔ وہ کیا بول رہے تھے؟ وہ فرما رہے تھے،

"احمد فی الکتاب الاول"

"ارے احمد کا کیا کہنا، وہ تو کتاب اول میں احمد مصطفیٰ ہیں اور ابو بکر صدیق کا کیا کہنا وہ تو کتاب اول میں ابو بکر صدیق ہیں اور عمر کا کیا کہنا وہ تو کتاب اول میں عمر فاروق ہیں۔"

☆ اس کے بعد فرماتے ہیں

☆ چار برس گزر چکے ہیں اور دو برس باقی ہیں۔ تمہیں پتہ چل جائے گا۔

☆ لوگ اس بات کو نہ سمجھ سکے کیونکہ اس کا تعلق آنے والے واقعہ سے تھا۔ چنانچہ چار برس گزر چکے تھے اور دو برس بعد یہ ہوا کہ حضرت عثمان غنی ﷺ سرکار کی سنت کی یاد تازہ کرنے کے لئے بئرِ عریض میں پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے۔ حضرت معیقیب ﷺ جو حضور کے زمانہ اقدس سے حضرت عثمان غنی کے زمانہ تک انگوٹھی بردار رہے۔ انگوٹھی حضرت عثمان غنی کو دیتے یا لیتے وقت کنوئیں میں گر گئی۔ تو پھر کیا ہوا؟ فتنوں کے دروازے ایسے کھل گئے کہ حضرت عثمان غنی کی شہادت انہی فتنوں کا نتیجہ ہوئی۔ دراصل وہ انگوٹھی آقائے مدنی تاجدارِ حرم ﷺ کی تھی۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکر کے پاس آئی۔ حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر فاروق کے پاس۔ فاروقِ اعظم سے عثمان غنی کے پاس۔ تو پتہ چلا کہ سارا نظام اس انگوٹھی کا صدقہ تھا۔ کیونکہ انگوٹھی حضرت محمد ﷺ کی انگلی سے مس ہوئی تھی۔ جب وہ کنوئیں میں گر گئی تو خلاء پیدا ہو گیا۔ جب خلاء پیدا ہوا تو فتنوں کے دروازے کھل گئے۔ خلافت کے آخری چھ سال عثمان غنی کے نہایت پریشانی میں گزرے۔ حتیٰ کہ شہید کر دیئے گئے۔

☆ اب دیکھیے! زید بن خارجہ بول رہے ہیں اور علم کی بات بتائی۔ جو دنیا والوں کو معلوم نہ تھی۔ کسی کو بھی پتہ نہ تھا کہ دو سال بعد کیا ہونے والا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آقا حضور نبی کریم کو غیب کا علم نہیں۔ آپ کے غلام مرنے کے بعد غیب کی خبر دے رہے ہیں۔ زید بن خارجہ کلام بھی فرما رہے ہیں اور غیب کی خبر بھی دے رہے ہیں۔ مرنے کے بعد کلام فرمانا حقیقت حیات کی دلیل ہے۔ تو جن کے غلاموں کے مرنے کے بعد حیات کا یہ عالم ہے کہ مرنے کے بعد غیب کی خبر دے رہے ہیں، ان کے آقا کی حیات کا کیا عالم ہو گا؟

حضرت قثم بن عباس والی حدیث

☆ عزیزانِ گرامی! اب خود آقا مدنی تاجدارِ حرم ﷺ کی اپنی بات سنیئے۔ اس حدیث کو شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں لکھا ہے۔ آقا کا انتقال ہو گیا۔ قثم بن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ جب آقا ﷺ کو قبر انور میں رکھا گیا تو سب سے آخر میں حضور ﷺ کی زیارت میں نے کی۔ تو میں نے کیا دیکھا کہ لب مبارک ہل رہے ہیں، جیسے کوئی بول رہا ہو۔ میرا جی چاہا اور میں بے قرار ہوا کہ سنوں حضور کیا فرما رہے ہیں؟ تو میں نے اپنے کان حضور ﷺ کے منہ کے قریب کر دیئے۔ حضور کے بعض الفاظ یہ تھے،

"اللّٰھم امتی امتی" (مدارج النبوۃ ج ثانی، ص ۷۰۸)

☆ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ روح قبض ہو چکی اور آپ "اِنَّکَ مَیِّتٌ" کا مصداق ہو چکے اور پھر آپ کلام فرما رہے ہیں۔ آپ کا یہ کلام فرمانا کیا ہے؟ یہی کلام فرمانا حیات حقیقی کی دلیل ہے۔ تو معلوم ہوا کہ میرے آقا کا جسم پاک ایک آن کے لئے بھی حیات سے محروم نہیں ہوا۔ اس وقت بھی میرے آقا کا جسم پاک زندہ تھا۔ یہی زندگی تو یہی عملِ رسالت ہے۔ عملِ رسالت ایک آن کے لئے بھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ موت سے مراد قبض روح ہے اور قبض روح پر ہمارا ایمان ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قبض روح مبارک کے ساتھ حضور کا بدن مبارک حیات سے خالی ہوا یا نہیں۔ تم کہو خالی ہوا اور بغیر روح کے حیات نہیں ہو سکتی۔ تو پھر بڑے افسوس کا مقام ہے کہ تم نے خالق روح کو مانا خدا کو نہیں۔

خرقِ عادت

☆ عزیزانِ محترم! بعض امور عادیہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ بعض اوقات ان خرق عادات کو ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے تا کہ خدا کی سنت پر دلیل قائم ہو جائے۔ تو عادت تو یہ ہے کہ روح نکل جانے کے بعد کوئی نہیں بولتا۔ لیکن خرق عادت یہ ہے کہ اس سے پتہ چل جائے کہ روح کے بغیر بھی خدا حیات پیدا کر سکتا ہے۔ روح حیات کا مرکز قلب ہے، جس کو لوگ ہارٹ (Heart) کہتے ہیں۔ قلب کی حرکت بند ہو جائے تو کہتے ہیں کہ ہارٹ فیل (Heart Fail) ہو گیا۔ تو گویا روح نکل گئی۔

☆ محترم حضرات! عمل جراحت ان اسباب عادیہ کے ماتحت ہوتے ہیں جو اللہ نے پیدا کئے ہیں اور ڈاکٹروں کو بڑے بڑے انتظامات کے ساتھ مخصوص آلات استعمال کرنے پڑے ہیں اور پھر ہر ڈاکٹر بھی قلب کا آپریشن نہیں کر سکتا۔ آپ نے کبھی بھی نہیں دیکھا ہوگا کہ کسی ڈاکٹر نے کسی چلتے ہوئے انسان کو لٹا کر اس کا قلب نکال لیا ہو اور پھر وہ انسان زندہ رہ گیا ہو۔ کیونکہ مرکز حیات قلب ہے۔ حرکت قلب بند ہو گئی تو روح بھی چلی گئی اور پھر آپ کو پتہ ہے حضور کا سائنسی زمانہ نہ تھا۔ کوئی مرہم پٹی اور جراحی آلات نہ تھے۔ مگر حضور کے قلب انور کو چار دفعہ باہر نکالا گیا اور قلب پاک کا شگاف بھی کیا گیا اور آبِ زم زم کو شرف اور فضیلت بخشنے کے لئے قلب انور سے نسبت دی گئی یعنی قلب انور کو دھویا گیا۔ نہ کہ نعوذ باللہ قلب میں خرابی تھی کہ دور کی گئی۔ اور قلب انور باہر کیوں نکالا گیا؟ اس لئے تا کہ پتہ چل جائے کہ قلب مبارک باہر ہے یعنی روح حیات باہر ہے اور روح حیات کے بغیر آپ زندہ ہیں۔ یہ شق صدر حیات بعد الموت کی دلیل ہو گئی کہ میرے محبوب کا جسم اقدس قبض روح کے بعد ایسے ہی زندہ رہے گا جیسے شق صدر کے بعد اور معراج کی رات کو بھی شق صدر ہوا اور قلب باہر نکالا گیا تو روح بھی باہر چلی گئی۔ کیونکہ مرکز حیات قلب انور ہے۔ مگر کیا ہوا؟ کہ آپ پر کوئی موت طاری نہ ہوئی اور جسم پاک زندہ رہا۔ اور یہ دلیل تھی کہ قلب پاک اور روح مقدس باہر ہے مگر جسم پاک زندہ ہے۔ جب جسم پاک زندہ ہے تو "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" خدا کا احسان بھی ٹھیک بیٹھ سکتا ہے کہ نعمت موجود ہے اور نعمت مصطفیٰ کی ذات ہے۔ لہٰذا سرکار زندہ ہیں (زور دے کر بار بار فرمایا کہ سرکار زندہ ہیں) اور "وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ" خوب یقین کر لو کہ تم میں خدا کے رسول موجود ہیں (یہاں بھی زور دے کر فرمایا کہ سرکار موجود ہیں)

☆ واجب و ممکن، عبد و معبود، خدا اور رسول کا فرق واضح کرنے کے لئے "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" فرمایا گیا۔ یہاں "اِنَّكَ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ" نہیں فرمایا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کے لئے موت اور تھی اور دوسروں کے لئے الگ میتون کا لفظ فرمایا۔ اس لئے کہ ان کی موت اور تھی۔ آپ ﷺ کے لئے "اِنَّكَ مَيِّتٌ" کا الگ لفظ فرمایا ورنہ سب کی موت ایک جیسی ہو جاتی۔ مصطفیٰ ﷺ کی موت ویسی ہے جیسے آپ خود ہیں۔ میں تو یہ جانتا ہوں

☆ موت نیند کی بہن ہے اور حضور کی نیند کیسی تھی کہ سوتے میں جاگتے تھے۔

☆ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضور سو گئے۔ حضرت عائشہ نے سرکار کے سونے کی آواز سنی اور جاگے وضو نہیں فرمایا نماز کی

نیت باندھ لی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، میرے آقا! آپ تو سو گئے تھے۔ سرکار نے فرمایا، "تنام عینی ولا ینام قلبی" "میرا آنکھ سوتی ہے، قلب نہیں سوتا۔"

☆ جیسے جسکی نیند ہوتی ہے ویسے ہی ان کی موت ہوتی ہے۔ جیسے آپ کے سونے میں بیداری تھی ویسے آپ کی موت میں بھی حیات تھی۔ لہٰذا آپ قبض روح کے بعد بھی حیات ہیں اور زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے کیونکہ دلیل یہ ہے کہ خدا کا یہ احسان موجود ہے، احسان نعمت پر ہوتا ہے۔ خدا کے اس احسان کو قرآن سے کوئی نہیں نکال سکتا۔ یہ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ" کا احسان قیامت تک رہے گا۔ لہٰذا سمجھ لو کہ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ

اسلام دین فطرت ہے

☆ عزیزانِ گرامی! یہ دنیا فانی ہے۔ دنیاوی زندگی بالکل ناپائیدار اور بے ثبات ہے۔ اس کو بالکل بقا نہیں۔ ہمیں آخرت کی فکر کرنی چاہئے کہ کیا کرنے آئے اور کیا کر کے جارہے ہیں۔ اور اس کا کیا انجام پائیں گے۔ محترم حضرات! اسلام ایک عظیم، فطری اور پیدائشی دین ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ

''(اے لوگو!) اپنے اوپر لازم کرلو اللہ کی بنائی ہوئی سرشت (دین اسلام) کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔'' (پ۲۱، س الروم، آیت ۳۰)

☆ یہ آیت قرآنی اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ ''فطرت اللّٰہ التی'' جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور یہ وہی دین اسلام ہے، جس کے لئے زبانِ رسالت نے فرمایا

کل مولود یولد علی الفطرۃ

ترجمہ☆ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

☆ اسلام کا نام فطرتی دین ہے اور ہم اسلام کو فطرت کیوں کہتے ہیں؟ (اسلئے) کہ ایک چیز کے کئی نام ہوا کرتے ہیں۔ (ایسے ہی جیسے) کئی معنوں کا ایک لفظ۔ ان معنوں میں کئی صفتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ الفاظ بھی کسی نہ کسی صفت کو ظاہر کرتے ہیں اور اللہ کی بھی یہی شان ہے۔

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (پ ۲۸، سورئہ الحشر، آیت ۲۴)

''اسی کے لئے سب اچھے نام، اس کے لئے پاکی بیان کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور وہی ہے نہایت غلبے والا بڑی حکمت والا۔''

☆ اللہ تعالیٰ ایک ہے لیکن اس کے صفاتی نام بے شمار ہیں۔ اسی طرح سید عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی ایک ہے مگر آپ کے نام بہت ہیں۔ کہیں سرکار نے اپنا نام ''انا احمد، انا محمد'' اور کہیں ''انا قاسم، انا حاشر'' فرمایا تو ناموں کی کثرت نام والے کے کمالات پر دلالت کرتی ہے۔ اصولی طور پر تو اسلام کا نام دین ہے لیکن دین کے معنے اسلام بھی ہے اور فطرت بھی۔ زیادہ عرض کرنے کا موقع نہیں ورنہ میں بہت کچھ کہتا۔ فقط میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام کا نام فطرت کیوں ہے؟

☆ عربی زبان کا قاعدہ اور کلیہ یہ ہے کہ جس فعل یا اسم میں تین حرف یعنی ف، ط، ر، کا مادہ واقع ہو جائے تو اس کے معنی شگاف کے ہو جاتے ہیں۔ اب انسان کے شگاف اور دین کے شگاف کا کیا مطلب؟

☆ فطرت کے معنے دین اس لئے ہیں کہ جب انسان عدم سے عدم کے پردے کو پھاڑ کر اور شگاف ڈال کر عالم شہود اور وجود پر جلوہ گر ہوا اور پیدا ہوا تو دین اسلام پر پیدا ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ پیدا ہونے کے بعد کوئی کسی کو ہندو، یہودی، عیسائی اور مجوسی بنا لے یعنی پیدا ہونے والا مسلمان ہی پیدا ہوا ہے اور اسلام اس کا پیدائشی دین ہے اور اسلامی کے معنی اطاعت میں گردن رکھ دینا اور سر بسجود ہونا کے ہیں یعنی جب انسان اس دنیا میں آتا ہے تو سب سے پہلے اس کا سر ہوتا ہے جو زبانِ حال سے یہ گواہی دیتا ہے کہ

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فِطَرَتَ النَّاسَ عَلَیْهَا

ترجمہ☆ میں اپنے رب کے سامنے سجدہ کرتا ہوا اور اطاعت کرتا ہوا پیدا ہوا ہوں۔

ایک شبہ کا ازالہ

☆ کوئی شخص یہ کہہ دے کہ دنیا میں اور بھی تو بہت سے معبود ہیں۔ سورج کا پجاری کہہ دے کہ وہ سورج کو سجدہ کرتا ہوا پیدا ہوا اور چاند کا پجاری کہہ دے کہ وہ چاند کی اطاعت کرتا ہوا پیدا ہوا، اسی طرح مجوسی (آگ کے پجاری)، درختوں اور سمندروں کے پجاری دعویٰ کر سکتے ہیں۔ مگر سر اسی کے سامنے ہو جو وہاں موجود ہو اور جو وہاں موجود نہ ہو اس کے سامنے سر کیسا؟ پیدا ہونے والا رات کو پیدا ہوتا ہے تو سورج نہیں اور دن کو پیدا ہوتا ہے تو چاند نہیں۔ جنگل میں پیدا ہوتا ہے تو سمندر نہیں اور اسی طرح سمندر میں پیدا ہو تو وہاں درخت نہیں۔ تو وہ صرف خداوند قدوس ہی ہے جو ہر پیدا ہونے والے بچے کے سامنے موجود ہے جیسا کہ فرمایا

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

ترجمہ☆ تو جہاں کہیں تم ہو (قبلہ کی طرف) منہ کرو، وہیں اللہ (تمہاری طرف) متوجہ ہے

☆ لہٰذا پیدا ہونے والے کا سر سوائے ایک خدا کے کسی کے سامنے نہیں جھکتا۔ کوئی پیدا ہونے والا کفر پر پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے میں سرکار کے والدین کریمین طیبین کو مومن کہتا ہوں اور کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ حضور ﷺ کے والدین طیبین نے کبھی کفر کیا ہو یا بت پرستی۔ بلکہ فرمانِ نبوی ہے کہ میں طاہرین، طیبین ارحام میں منتقل ہوتا ہوا آیا ہوں۔

ایک شبہ

☆ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے والد کافر تھے کیونکہ قرآن ان کو کافر کہتا ہے

"وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ" (پ ۷، سورئہ الانعام آیت ۷۴)

ترجمہ☆ جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا

☆ حضور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں یعنی حضور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور حضرت ابراہیم کے والد نعوذ باللہ کافر تھے تو حضور کا پاک ارحام اور پشتوں سے منتقل ہونا کیسے صحیح ثابت ہوگا؟

شبہ کا ازالہ

☆ اس کا جواب میں کئی مرتبہ دے چکا ہوں۔ اب بھی اس کا جواب دیتا ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "ابی" عربی زبان کا لفظ ہے

اور عربی زبان وہ جانے جو عربی زبان جانتا ہو۔ قرآن مجید میں ہے

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ (الانعام، آیت ۸۷)

ترجمہ☆ اور (ہم نے ہدایت فرمائی) ان کے باپ دادا اور ان کی اولاد کو

☆ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے حالانکہ قرآن خود کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ جیسے "وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ" حالانکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "وَ كَذٰلِكِ" اسی طرح پیدا ہو جائے گا۔ پھر قرآن نے فرمایا

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (پ ۱۶، مریم، آیت ۱۷)

"تو ہم نے ان کی طرف اپنے فرشتے (جبریل) کو بھیجا تو اس نے اس (مریم) کے سامنے تندرست آدمی کی صورت اختیار کی۔"

☆ یعنی ہم نے جبریل کو انسانی بشری شکل میں مریم کے پاس بھیجا اور اس نے مریم کے گریبان میں پھونک ماری تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے رحم میں آ گئے تو اب "ابـــا" کا مطلب کیا ہوا؟ اس کا مطلب یہ کہ "ابــی" باپ، دادا، نانا، چچا اور ماما کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تو پتہ چلا "آذر" حضرت ابراہیم کے والد نہیں بلکہ چچا ہیں کیونکہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کے لئے کہیں بھی نعوذ باللہ "لـوالده" نہیں آیا بلکہ "لابیـه" آیا جو باپ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور نانا کے لئے بھی۔ چچا کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور ماما کے لئے بھی۔ تو معلوم ہوا کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا اور وہ مومن تھے۔ اس دلیل سے بھی میں حضور کے والدین کریمین طیبین طاہرین کو مومن کہتا ہوں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور کے والدین طاہرین کو قبور سے زندہ کیا گیا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ بعض لوگوں نے اس سے یہ مطلب لیا کہ وہ مسلمان اور مومن نہ تھے۔ آپ پر ایمان لا کر مسلمان اور مومن ہوئے۔ خدا کی قسم! اس کا مطلب یہ نہیں بلکہ وہ مسلمان اور مومن تھے کیونکہ اصل کے خلاف کوئی نفی ہو تو اس کی نفی کی جائے۔ جب اصل کے خلاف کوئی نفی نہیں تو پھر بتاؤ کہ آپ کے والدین کو قبروں سے دوبارہ زندہ کیوں کیا گیا؟

☆ عزیز محترم! وہ مومن تو پہلے ہی تھے۔ دوبارہ قبور سے زندہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضور کی امت شرفِ صحابیت رکھے اور والدین اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم ہیں۔ لہٰذا ان کو شرفِ صحابیت بھی عطا فرمایا گیا۔

☆ بہرحال بات دور چلی گئی۔ میں عرض کر رہا تھا کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ ہمارا سر خدا کی بارگاہ میں علامتاً جھکتا ہے۔ حقیقتاً نہیں اور علامت حقیقت کے خلاف ہو تو جرم ہے۔ مثلاً ایک شخص مجسٹریٹ کا لباس پہن لے اور وہ مجسٹریٹ نہ ہو تو مجرم ہے۔ ہم سر تو زمین پر رکھیں مگر دل خدا کے سامنے سرکش ہو تو کیا ہمارے اندر اسلام کی حقیقت پائی جائے گی۔ ہرگز نہیں......! ہم نے کہا، ایمان لائے۔ اللہ نے کہا، خبردار، تم نے ظاہراً اقرار کیا ہے مگر تمہارے دلوں میں فتور بھرا ہوا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ جب تک سر کے ساتھ دل، جسم کے ساتھ روح اور ظاہر کے ساتھ باطن نہ جھکے اور تمہارے عمل، اخلاق، نفسیات، حسیات، ارادات اور خواہشات اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک

نہ جائیں،تم اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتے۔

☆ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں اپنے حقیقی بھائی پیرومرشد کی خدمت میں حاضر تھا اور ایک فقیر صدا دے رہا تھا کہ ہزاروں خدا ہیں، لاکھوں خدا ہیں، کروڑوں خدا ہیں، خدا ہی خدا ہیں۔ میں نے عرض کی، حضور! یہ کیا کہہ رہا ہے؟ یہ تو نہیں سنا جاتا۔ آپ نے فرمایا، یہ قرآن کی آیت کا ترجمہ کررہا ہے۔ میں خاموش لرزاں باندام ہوگیا۔ آپ نے آیت پڑھی

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ (پ ۱۹، س الفرقان، آیت ۴۲)

ترجمہ☆ کیا آپ نے اسے دیکھا، جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا

☆ یعنی جس کے نفس کی ایک خواہش ہے، اس کا ایک خدا ہے، جس کی دو خواہشات ہیں اس کے دو خدا ہیں، جس کی جتنی خواہشات ہیں، اس کے اتنے خدا ہیں۔ لہٰذا خدا ہی خدا ہیں۔ ارے کعبے کے بتوں کو توڑنا کیا تھا؟ حضور نے فرمایا، میں کعبہ کے بتوں کو توڑتا ہوں اور تم دل کے بتوں کو توڑ کر اپنے اندر کو تمام ناپاک خواہشات سے پاک کردو۔ کیونکہ مومن کا دل کعبہ ہے۔ زبانِ رسالت پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے(حدیث قدسی)

(لایسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن)

ترجمہ☆ (کہ اے میرے محبوب!) نہ آسمان اپنے اندر مجھے سما سکتا ہے اور نہ زمین، ہاں! میں مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔

☆ عزیزانِ گرامی! میرے عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اسلام بڑا کامل، اصلی اور پیدائشی دین ہے۔ اس میں سب کچھ ہے۔ سب سے پہلی اور بڑی بات یہ ہے کہ بندے کا سر ہو اور رب کا در ہو۔ یہ کب ہوگا؟ جب لوگوں کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی محبت والے کون لوگ ہیں؟ جن کے دل حضور کی محبت سے سرشار ہیں۔ خدا تک پہنچانے والے کون ہیں؟ وہ سرکار ہیں۔ کیونکہ خدا کو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں۔ خدا کا کلام کسی کان نے سنا نہیں۔ وہ دیکھنے، سننے، چھونے سے پاک ہے۔ کیونکہ چھونے، دیکھنے، سننے میں وہی آئے گا جو محدود ہوگا۔ اللہ تو لامحدود ہے

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (پ ۷، الانعام آیت ۱۰۳)

''نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ احاطہ کئے ہوئے ہے سب نگاہوں کا اور وہی ہے ہر چیز کی تاریکیوں اور مشکلات کو جاننے والا اور ظاہر و باطن سے خبردار۔''

☆ میں اس لئے بار بار مجدد الف ثانی کی یہ بات دہراتا ہوں کہ

من خدا را ازاں می پرستم کہ وے خدائے محمد است

ترجمہ☆ میں خدا کی پوجا اس لئے کرتا ہوں کہ وہ محمد کا خدا ہے۔

☆ اگر حضرت محمد ﷺ نہ ہوتے تو ہم نہ ہوتے۔ ہم نہ ہوتے تو خدا کو پوجنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا کیونکہ حضرت محمد ﷺ کے بغیر کوئی ہوتا تو خدا کا پتہ چلتا یعنی محمد عربی ﷺ کے بغیر کوئی نہ ہوتا۔

☆ تمام انبیاء علیہم السلام روحِ مصطفیٰ کے فیض یافتہ ہیں۔ ہر نبی نے روح مصطفیٰ سے فیض پایا۔ میں نہیں کہتا۔ روح اسلام نے فرمایا

كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ

☆ یہ ترمذی کی صحیح حدیث ہے، فرمایا، میں اس وقت نبی تھا، جب آدم علیہ السلام ابھی جسم اور روح کے درمیان تھے۔ ابھی خمیر بھی تیار نہیں ہوا تھا۔ لوگوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ ''آدم علیہ السلام جب جسم اور روح میں تھے تو حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی تھے۔''

☆ تو میں ان سے یہ پوچھتا ہوں کہ فقط حضور ہی اللہ کے علم میں نبی تھے اور کوئی نبی بھی اللہ کے علم میں نہ تھا؟

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

☆ ارے یہ بھی کوئی کہنے کی یا پتے کی بات تھی؟ نہیں لیکن محدثین نے کیا کہا؟ محدثین نے کہا کہ

كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ

☆ آدم علیہ السلام کا ابھی جسم روح سے نہیں ملا تھا بلکہ ان کے جسم کا ابھی پتلا بھی تیار نہیں ہوا تھا۔ میں اس عالم کے اندر تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح کو نبوت کی تعلیم دیتا تھا۔ اس لئے فرمایا کہ میں نبیوں کا نبی ہوں۔ ہر نبی میری نبوت کا فیض یافتہ ہے۔

محبت باعث نجات ہے

☆ عزیزانِ گرامی! میں عموماً کہا کرتا ہوں کہ جس کے دل میں خدا کی عظمت ہوگی، اس کے دل میں اس کے حبیب کی بھی عظمت ہوگی اور میں نے ہزاروں مرتبہ کہا ہے کہ محبت ہی نجات کی دلیل ہے۔ اگر دل میں سرکار کی عظمت ہے تو محبت ہوگی۔ شریعت محمدیہ میں محبت سے بڑھ کر کوئی دلیل ہی نہیں۔ اب لوگوں کے دلوں میں نہ آقا کی عظمت ہے، نہ حیا اور محبت۔

شبہ

☆ اب لوگوں نے کہا کہ ہمارے دلوں میں رسول اللہ ﷺ وصحبہ وبارک وسلم کی محبت کیسے پیدا ہو کیونکہ ہم تمام گناہوں میں اور گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔

شبہ کا ازالہ

☆ بلاشبہ گمراہی اور گناہ محبتِ رسول سے جدا کرتے ہیں لیکن یاد رکھو گمراہی اور بدعملی کی بھی دو قسمیں ہیں

☆ ایک بدعملی ایسی ہے کہ جس میں انسان شیطان کے اغواء سے بالکل مغلوب ہو کر غرق ہو جائے یعنی گناہ انسان کی رگ و ریشہ میں رچ بس جائے۔ اس کا تصور بھی مومن اپنے ذہن میں نہیں لاسکتا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ (آمین)

☆ دوسری بدعملی وہ ہے کہ بتقاضائے بشری انسان سے کوئی خطا ہو جائے۔ شراب کی حرمت کے بعد بعض صحابہ نے شراب پی لی۔ بعض صحابہ سے چوری کا فعل سرزد ہو گیا اور بعض صحابہ اور صحابیات سے بھی ایسا جرم ہو گیا جن پر سو یا ۸۰ کوڑے مارنے کی سزا آئی لیکن حال کیا تھا؟ حال یہ تھا کہ ان سے گناہ برداشت نہیں ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک صحابیہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری ہوئیں اور عرض کیا، ''حضور! بتقاضائے بشری مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جسے میں برداشت نہیں کرسکتی۔ خدا کے لئے مجھے سوکوڑے مارے کر پاک

کیجئے۔" حضور ﷺ نے فرمایا کہ "جب تک تمہارے ہاں بچہ پیدا نہ ہو جائے یہ سزا تم کو نہیں مل سکتی۔ اب تو واپس چلی جا۔" چنانچہ وہ عورت واپس چلی گئی۔ بچہ ہونے کے بعد وہ عورت حضور کی خدمت میں واپس آ گئی اور عرض کیا، "حضور مجھے پاک فرمائیں۔" سرکار نے فرمایا، "کیا اس بچے کو کوئی دودھ پلانے والی ہے؟" اس نے کہا، "اور تو کوئی نہیں۔" فرمایا، "پھر اسے دودھ پلاؤ، جب یہ بچہ دودھ مقررہ مدت دو سال تک نہ پی لے، اس وقت تک ہم تمہیں سزا نہیں دے سکتے۔" صحابیہ پھر چلی گئیں۔ مقررہ مدت دودھ پلانے کی ختم ہونے پر روٹی کا ٹکڑا بچہ کے ہاتھ میں دے کر حاضرِ خدمت ہو گئی۔ عرض کی، "حضور! اب یہ تو روٹی کا ٹکڑا کھانے لگا ہے۔ اب مجھے گناہ سے پاک کر دیں۔" سرکار نے حکم جاری کر کے ۱۰۰ کوڑے لگوائے۔" فرمایا، "اس کی وہ توبہ ہے کہ اگر سارے مدینے میں تقسیم کی جائے تو سارے مدینے والوں کی مغفرت ہو جائے۔" صحابہ سے بتقاضائے بشری گناہ ہو جاتے اور گناہ برداشت نہ ہوتا۔ پاک ہونے کے لئے حاضرِ خدمت ہو جاتے اور سرکار انہیں پاک فرماتے۔ یہ حضور کے زمانہ والوں کا ایمان تھا اور آج ہمارے ایمان کا کیا حال ہے۔ اول کوئی مجرم خود بخود نہیں آتا اور اگر کوئی خود بخود بھی آ جائے تو بغیر ضمانت کے کوئی چھوڑتا نہیں۔ مگر وہ صحابیہ کہ جرم کا کسی کو پتہ نہیں، آئی، حضور کے حکم سے بغیر ضمانت کے چلی گئی اور پھر آئی اور گئی پھر دو سال کی مدت تک دودھ پلا کر پھر آئی۔ یہ تھے ایمان والوں کے گناہ کہ بتقاضائے بشریت گناہ سرزد ہوا تو ایمان نے برداشت نہ کیا۔ اگر ایک گناہ کسی ایمان دار کو ایسا مل جائے جس کے بعد وہ ایسی توبہ کر لے تو خدا کی قسم! ہم جیسے گندوں کی ہزاروں برس کے روزوں اور عبادتوں سے افضل ہے۔ غرض یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس چیز کا نام ایمان ہے۔ حیوانیت اور انسانیت میں یہی فرق ہے۔

ظاہر و باطن کا فرق

☆ ظاہر کے بغیر باطن چل سکتا ہے لیکن باطن کے بغیر ظاہر بالکل نہیں چل سکتا۔ باطن کے بغیر بات نہیں بنتی۔ ہمارے ظاہر بہت اچھے ہیں۔ مگر ہمارے اندر بہت خرابیاں بھی بھری ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ (آمین) ظاہر و باطن کے بارے میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال دی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ "ایک شکاری شکار کرنے جاتا اور ہرنیاں شکاری کو دیکھ کر بھاگ جاتیں۔ شکاری بڑا پریشان ہوا۔ اس نے سوچا، ایسے بات نہیں بنے گی۔ شکاری لباس میں ہرنیاں میرے قریب نہیں آئیں گی۔ چنانچہ انہوں نے صوفیا کرام کا لباس پہن لیا۔ اس لباس میں ایک کنوئیں کے قریب ایسے بیٹھ گیا جیسے کوئی نیک صالح بزرگ اللہ کی یاد میں مستغرق ہو۔ ہرنی آئی، کنوئیں سے پانی پینے لگی۔ صوفی کے لباس میں ملبوس شکاری نے تاڑ کر ایک لکڑی ماری تو اس بچاری کی ٹانگ توڑ دی۔ ہرنی بھاگنے میں کامیاب ہو گئی اور اس (ہرنی) آسمان کی طرف منہ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے قوت گویائی کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو انسانی زبان عطا کر دی۔ اس نے قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائرہ کر کے کہا کہ میرا انصاف کیجئے۔ چنانچہ شکاری کو عدالت میں بلا لیا گیا۔ قاضی نے صوفی نما شکاری سے کہا کہ تو نے اس ہرنی کی ٹانگ کیوں توڑی؟ اس نے کہا یہ تو میرا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال کیا ہے۔ یہ تو بھاگ گئی ورنہ میں نے کبھی کا اس کو ذبح کر کے کھا بھی لیا ہوتا۔ قاضی نے ہرنی سے کہا کہ بات تو شکاری کی ٹھیک ہے

تو اس کے لئے حلال ہے اور اس کی غذا ہے۔ تیرا دعویٰ تو اس قابل نہیں کہ اس کے خلاف ایکشن (Action) لیا جائے۔ ہرنی نے کہا، حضور! میرا یہ دعویٰ نہیں کہ اس نے میری ٹانگ کیوں توڑی؟ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ اس کا یہ لباس (صوفیوں والا) اتروا دیں اور شکاریوں والا لباس پہنوا دیں۔ پھر دیکھیں کہ کون ہم میں سے اس کے قریب آتا ہے۔"

☆ مولانا روم فرماتے ہیں کہ ہم انسان کے لباس میں حیوانی کام کرتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے یہ انسانی لباس اتار لے اور ایسا پہلے ہو چکا ہے کہ انسان بندروں کی شکلوں میں ہو گئے۔ ہم میں اللہ کا خوف اور ڈر نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ اپنا خوف اور ڈر عطا فرمائے۔ (آمین)

سفرنامہ حجاز مقدس

اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ و بارک وسلم

☆ محترم حضرات! آپ حضرات کی مستجاب دعاؤں کے صدقے میں اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کا بڑا فضل ہوا اور کرم شامل حال ہوا اور حضور تاجدارِ مدنی ﷺ کی رحمت اور عنایت شامل ہوئی۔ یہ فقیر اپنے رفقائے سفر حرمین طیبین کے ساتھ وابستہ ہو کر ملتان سے کراچی پہنچا۔ کراچی کا سفر جو صرف ایک گھنٹہ میں طے ہونا تھا، چار گھنٹے میں طے ہوا جس کی تفصیل بیان کرنے کے قابل نہیں۔ میں اتنا عرض کروں گا کہ سرکارِ مدینہ ﷺ کی نظر رحمت شامل نہ ہوتی تو ہمارا کراچی پہنچنا ممکن ہی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی اتنی رحمت ہوئی کہ ہم کراچی پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ہم سب کی جانوں کو محفوظ رکھا۔

☆ ہم کراچی سے جدہ شریف پہنچ گئے۔ جدہ میں مدینہ منورہ سے ہمارے عزیز گاڑی لے کر آئے ہوئے تھے۔ ظہر کی نماز حدیبیہ کے مقام پر میں نے جماعت کے ساتھ خود پڑھائی۔

☆ الحمد للہ! یہ فقیر اور محمد شفیع صاحب جو مجھے ہر جمعہ ہار پہناتے ہیں، میرے ساتھ رہے۔ ہم لوگ رات ہی رات اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہم سیدھے حرم شریف پہنچے۔ ہم نے سب سے پہلے عمرے کے لئے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور ہر پھیرے میں حجرِ اسود کو چومنے کی سعادت حاصل کی۔ پھر صفا و مروہ کی سعی کی۔

☆ میرے ساتھ مستورات تھیں۔ ان کے بال میں نے خود کاٹے۔ ہم لوگ احرام کی چادریں اوڑھے گاڑی میں بیٹھے۔ سیدھے مدینے پاک کا رُخ کیا۔ مغرب کے وقت پہنچ گئے۔ حرم شریف کی حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ اب میں آپ سے کیا کہوں کہ وہ کیا وقت اور گھڑیاں تھیں؟ بس اتنی بات کہتا ہوں کہ جب التحیات پر بیٹھ کر ایھا النبی کہنے کا وقت آتا تھا تو پتہ چلتا تھا کہ یا ایھا النبی کہنے کا تو یہی مقام ہے اور روضہ رسول پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ کیونکہ پندرہ دن کا ویزا تھا اور قانون کی روشنی میں ہم پندرہ دن سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ قانون جہاں کا بھی ہو، میں کتنی پابندی کرتا ہوں۔ وہاں ویزا کی معیاد کو بڑھانے، ان کے لئے چکر کاٹنا اور لوگوں کی منت کرنا میرے بس کا کام نہ تھا۔ الحمد للہ! پہلے بھی یہی ارادہ تھا کہ سرکار اپنے کرم سے حرمین طیبین کی زیارت کا شرف عطا فرما کر حاضری قبول فرما لیں۔ الحمد للہ! ایسا ہی ہوا۔ سرکار کی بارگاہِ اقدس میں چھ سات دن رہے۔ میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اتنی بات عرض کروں گا کہ جیسے کوئی انتہائی پیاس کے عالم میں میٹھے پانی کے چشموں پر پہنچے اور سیراب ہو کر واپس آئے۔ ہم مضطرب اور بے چین تھے۔ جب سرکار کی بارگاہ سے واپس آیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسا کہ بالکل سیراب کر دیا گیا ہوں۔

☆ الحمد للہ! تمام مقاماتِ مقدسہ کی زیارات پر حاضر ہوا۔ میرا چھوٹا بچہ طاہر اور تمام ساتھی میرے ساتھ تھے۔ پھر حضرت مولانا ضیاءالدین دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں حاضری تھی۔ اب ان کے ہاں روزانہ میلاد پاک ہوتا ہے۔ ہماری تقریروں کا پروگرام مختلف مقامات پر کبھی ان کے ہاں کبھی ان کے ہاں رکھا گیا۔ میں ان کی خواہشات کو پورا کرنے کے قابل نہ تھا۔ میری ساری تقریریں محمد شفیع صاحب نے ریکارڈ کرلیں۔ میری تقریریں ان کے پاس ہیں اور یہ میرے پاس ہیں۔

☆ بہرحال وہاں کیسی کیسی لذتیں آئیں بیان نہیں کرسکتا۔ لوگوں نے کمال کردیا۔ غارِ حرا میں داخل ہوگئے۔ اس دفعہ کیا گزشتہ سال بھی میں اس قابل نہ تھا کہ اوپر چڑھ سکوں۔ وہاں اوپر چڑھنا ہر ایک کا کام نہیں۔ کیا عجیب لطف تھا! کیا عجیب سماں تھا؟ کچھ بیان نہیں کرسکتا۔ سبحان اللہ!

☆ پھر ہم نے مسجد قبلتین، مسجد قبا اور مسجد جمعہ کی زیارت کی۔ حضور مسجد جمعہ بموقع ہجرت جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور جمعہ کا وقت ہوگیا۔ وہاں حضور نے نماز جمعہ فرض ہونے پر پہلی نمازِ جمعہ پڑھی تھی۔ اس مسجد میں جا کر ہم نے نماز پڑھی۔ وہاں مسجد حضرت علی، مسجد حضرت عثمان، مسجد حضرت عمر، مسجد حضرت ابوبکر صدیق اور مسجد حضرت فاطمہ کی زیارت کی اور وہ کنواں جو حضرت عثمان غنی نے یہودیوں سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا تھا، کی زیارت کی۔ اب اس کو بند کردیا گیا ہے (اسے بئر عریض کہتے ہیں) لیکن اس کی یاد لوگوں کے دلوں میں تازہ رہے گی۔

☆ حضرت طلحہ کا ایک بہت بڑا باغ تھا۔ اس میں ایک کنواں تھا۔ باغ کے کچھ نشانات نظر آئے لیکن اب وہاں آبادی ہوگئی ہے۔ بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ کنواں بند کرکے اس پر کمرہ بنادیا گیا تھا۔ سرکار کی ولادت پاک کی جگہ بھی دیکھی۔ وہاں اب لائبریری بنادی ہے اور ہجرت کے راستے میں جہاں جہاں سرکار نے نمازیں پڑھی تھیں، وہ تمام نشانات ختم ہوگئے ہیں اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکان دیکھا جو مسجد قبا کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں میرے اور آپ کے شامل حال ہوں۔ یہ بھی عرض کردوں کہ میں پھر عرض کرکے آیا ہوں کہ سرکار کم از کم ایک مرتبہ مجھے پھر بلالیں اور میں نے تہیہ کیا ہوا ہے کہ انشاءاللہ العزیز ایک مرتبہ پھر حاضری ضرور ہوگی۔

☆ محترم حضرات! اس میں شک نہیں، دیارِ مدینہ اور مکہ کی برکتیں ہر وقت، ہر حال، ہر آن موجود ہیں۔ دیکھنے والے ان برکتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور ان کے وجود کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اگر کسی کی آنکھ مشاہدہ نہ کرے تو خدا کی قسم! ایمان والوں کا دل ضرور گواہی دیتا ہے کہ رحمتوں کی بارش ہر وقت، ہر حال اور ہر آن ہورہی ہے۔

☆ میں نے آپ کے سامنے ایک آیت "وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ" پڑھی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ دیارِ مدینہ، مکہ اور دیگر مقاماتِ مقدسہ میں اللہ کی رحمتوں کی جو بارش ہورہی ہے، اس کا مرکز ومحور حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ ہے یعنی میرے آقا رحمتوں کی بارش کا مرکز ہیں، جنکی رحمتوں کی بارش نے ہر مقام کو مقدس کردیا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کیلئے اتنی بات جان لینا کافی ہے کہ

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ○ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ○ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ○

ترجمہ☆ قسم انجیر کی اور زیتون کی اور طورِ سینین کی اور اس امن والے شہر (مکہ) کی۔

☆ اَلتِّیْنِ کے معنی انجیر کے ہیں۔ زَیْتُوْنِ ایک پھل ہے اور طُوْرِ سِیْنِیْنَ وہ پہاڑ ہیں، جہاں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے انوار اور فیوض وبرکات حاصل کئے اور شرف کلام سے مشرف ہوئے۔ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

شبہ اور اس کا ازالہ

☆ لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انجیر اور زیتون کے پھل کی قسمیں فرمائیں ہیں۔ یہ ٹھیک ہے لیکن یہاں ایک نکتہ ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ طورِ سینین ایک پہاڑ تھا جس پر انجیر ہی کے درخت تھے اور ان پہاڑوں کی نسبت انبیاء علیہم السلام سے تھی۔ یعنی انجیر کے درختوں کی نسبت پہاڑوں سے پہاڑوں کی نسبت جماعت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اور جماعت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ سے تھی۔ جبلِ تین، جبلِ زیتون، جبلِ طورِ سینین اور بلد الامین کی قسمیں فرمانا دراصل حضور سرورِ عالم ﷺ سے دور کی نسبتوں کی بنا پر ہے۔

☆ آپ کہیں گے کہ مکہ مکرمہ کی عظمت وبرکت حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ کی وجہ سے ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ حضرات قدسیہ کون ہیں؟ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جدِ کریم ہیں اور ان کی پیشانیوں میں حضور کا نور پاک چمکتا تھا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت ھاجرہ کی یادوں کو تازہ فرمایا لیکن آپ کو اس کی دلیل بتاؤں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ" "اور اس امن والے شہر (مکہ) کی (قسم)"

☆ مکہ مکرمہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا (آل عمران: ۹۷)

ترجمہ☆ اور جو اس میں داخل ہوا، وہ بے خوف ہو گیا۔

☆ "وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ" کی قسم کا سبب یہاں بیان نہیں فرمایا۔ اس کا سبب قرآن میں دوسری آیت میں فرمایا

☆ لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ (س البلد) "میں قسم فرماتا ہوں، اس شہر کی۔"

☆ کیا وجہ؟ اس کی وجہ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت ھاجرہ، حجرِ اسود، مقام ملتزم، رکن شامی، رکن یمانی، حطیم کعبہ، مقامِ ابراہیم، باب رحمت، مسجد حرام اور حرم محترم نہیں بلکہ اس کی وجہ اے میرے محبوب تیرے قدم ہیں۔

وَاَنْتَ حِلٌّ م بِھٰذَا الْبَلَدِ (پ۳۰: س البلد: آیت ۲)

ترجمہ☆ اس حال میں کہ (اے محبوب!) آپ اس شہر میں جلوہ گر ہیں۔

☆ اس شہر میں آپ خرام ناز فرما رہے ہیں کیونکہ ان نسبتوں کا مہبط ومحور حضور سید عالم محمد عربی ﷺ وصحابہ وبارک وسلم ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

☆ اے میرے پیارے محبوب! سارے عالموں کے لئے تو ہی نعمت ہے۔ زمین کی سوراخوں میں رہنے والی چیونٹیوں سے لے کر سدرہ پر رہنے والے جبریل، سب کے لئے مصطفیٰ رحمت اور نعمت ہیں۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ساتھ العالمین میں ہر کسی کو اور ہر چیز کو حضور کی ذاتِ مقدسہ سے فیض پہنچ رہا ہے۔ حضور کی نسبتوں کی وجہ سے حرمِ کعبہ اور حرم مدینہ بلکہ مکہ مکرمہ کے کونے کونے کا ذرّہ ذرّہ قابلِ تعظیم ہے۔ میں آپ سے کیا کہوں کہ

در زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدہ گاہ تو آن خواہند بود

"پیارے محبوب! یہ زمین آپ کے نشانِ قدم کی برکت کا نتیجہ ہے۔ سالہا سال لوگ وہاں سجدے کرتے رہیں گے۔"

☆ ہم انہیں نسبتوں کو لے کر گئے تھے اور انہیں کیلئے جو ان نسبتوں کو لے کر جائے گا تو وہ وہاں سے کچھ لائے گا اور جو ان نسبتوں کو یہاں رکھ کر جائے گا وہ وہاں سے کچھ نہیں لائے گا۔ میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جو حضور کے نور اور ایمان سے بھرپور ہیں اور ان کے پیالے ایسے چھلک رہے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی دیکھا جو خالی ہیں۔

☆ اے دیارِ حبیب! تیری عظمتوں کا کیا عالم ہے۔ میں نے تو یہ دیکھا کہ زمین کا ہر ذرّہ وہ کشش رکھتا ہے کہ

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ اینجا است

☆ مدینے کی مٹی سب نعمتوں سے افضل ہے۔ مگر اس کیلئے جس کے دل میں حضور ﷺ کی محبت ہو۔ اگر حضور ﷺ کی محبت نہیں تو سب کچھ بے کار ہے۔

مسجدِ نبوی کو روضہ سے الگ کرنے کی سازش

☆ میرا ایمان ہے کہ کوئی طاغوتی طاقت حضور کے روضہ اقدس کو گزند نہیں پہنچا سکتی۔ میں مطمئن ہوں۔ آپ کسی کی بات پر کان نہ دھریں۔ اگر کسی نے حضور کی عظمت کے خلاف ارادہ کیا تو ختم ہو جائے گا۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اس دلیل سے مسجد نبوی کو روضہ اقدس سے الگ کیا جا رہا ہے۔

اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا

ترجمہ ☆ بے شک مسجدیں اللہ کے لئے ہیں اور اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو۔

☆ مسجد نبوی میں لوگ رسول اللہ ﷺ کو پکارتے ہیں تو اس لئے حضور کے روضے کو مسجد سے الگ کر دو اور میرے آقا اپنے ساتھ اسے جوڑ گئے کہ کوئی طاغوتی طاقت جدا نہیں کر سکتی۔ سرکار فرما گئے

مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَ مِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ

ترجمہ☆ میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کا باغ ہے۔

☆ مسجد سے منبر الگ نہیں ہوسکتا منبر مسجد میں ہوتا ہے۔ اب کوئی طاغوتی طاقت اس جنت کے خطے کو مسجد سے الگ کرے تو وہ خود ہی کٹ جائے گا۔

☆ الحمد للہ! میں مطمئن ہوں کہ کوئی شخص بھی سرکار کے دیار کو گزند نہ پہنچا سکے گا اور نہ ہی گنبد خضرا کو۔ اور اگر کسی نے کوئی ارادہ کیا بھی تو اس کا آخری سانس ہوگا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ایک طویل واقعہ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "وفا الوفا" میں لکھا ہے۔ تفصیل بتانے کا وقت نہیں۔ اتنی بات عرض کردوں کہ کچھ لوگ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے جسدِ عنصری کو نکالنے کی غرض سے پھاوڑے اور کہیاں لے کر لوگوں سے ساز باز کر کے روضہ میں داخل ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زمین پھٹ گئی اور وہ سب کے سب زمین میں دھنس گئے اور کسی کا نام ونشان نہیں رہا۔ تو جن لوگوں نے حضرت عمر اور ابوبکر صدیق کی گستاخی کرنا چاہی تو یہ حال ہوا اور جو سرکار کے ساتھ گستاخی کرے گا، اس کا کیا حال ہوگا؟ اب میں دعا کرتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ

مدینہ کے خطے خدا تجھ کو رکھے

اے غریبوں فقیروں کو ٹھہرانے والے

☆ یہ عرض کر کے آیا ہوں کہ سرکار ایک مرتبہ پھر بلالیں۔ خدا جانے وہ کیسے خوش نصیب لوگ ہیں جو دیارِ حبیب میں مستقل طور پر اقامت پذیر ہیں۔ میں تو چند دن بھی ٹھہرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ میں فقط یہی چاہتا ہوں کہ سرکار کو سلام کروں اور سرکار سے ایمان لے کر واپس آجاؤں۔ وہ بڑے خوش نصیب لوگ ہیں۔ خدا ہمیں ویسے خوش نصیب بنائے۔ آمین!

☆ میں نے حرم کعبہ، حرم مدینہ اور دیگر مقاماتِ مقدسہ وتمام مساجد میں آپ تمام حضرات کو تصور میں لا کر حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں پیش کیا کہ حضور ﷺ یہ آپ کے امتی اور غلام ہیں۔ ان پر اپنی رحمت کی بارش فرمادیں۔ آقا! ان کے صدقے میں مجھ کو بھی کوئی قطرہ عطا فرمادیں۔

☆ (اس دوران محمد شفیع صاحب ادب سے کھڑے ہو کر عرض گزار ہوئے کہ اہلِ مدینہ کے لئے دعا فرمائیں۔ انہوں نے آپ سے دعا کے لئے درخواست کی تھی) محمد شفیع صاحب بڑے عرصے کے آدمی ہیں کہ مدینہ منورہ میں پاکستانیوں کے لئے دعا منگواتے رہے اور یہاں اہلِ مدینہ کے لئے دعا منگوا رہے ہیں۔ یا اللہ! مکہ والوں کی خیر ہو، مدینہ والوں کی خیر ہو، الٰہی دیارِ حبیب میں رہنے والوں کی خیر ہو، عالمِ اسلام کی خیر ہو، یا اللہ! مکہ کی خیر ہو، مدینہ کی خیر ہو، مکہ اور مدینہ میں رہنے والوں کی خیر ہو۔ آمین!

صلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلٰی اٰلہ وصحبہ وبارک وسلم

انجمن طلبائے اسلام سے کسی کالج میں خطاب

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ اَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

☆ عزیز طلبا! مجھے بڑی مسرت ہے کہ آپ نے نہایت محبت کے ساتھ یہ محفل سجائی اور ہمیں دعوت دی۔ میں سمجھتا ہوں کہ طلباء ہماری قوم وملک کا عظیم سرمایہ اور متاعِ عزیز ہیں۔ ہماری نسلوں کی بہبود وفلاح طلباء کی بہبود وفلاح پر موقوف ہے۔ ہمارے عزیز طلباء معاشرے میں بہت اونچا اور بلند مقام رکھتے ہیں اور ان کی عظمتوں کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ طلباء کو سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بہت سنگین اور شدید قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان تعلیمی اداروں میں کئی قسم کے لوگ ہوں گے۔ بعض آپ سے مذہب کا نام لے کر آپ کے نظریات سے اختلاف کریں گے۔ بعض سرے سے مذہب کا انکار کریں گے۔ کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو مذہب کا انکار نہیں کریں گے اور نہ ہی بظاہر آپ کے نظریات سے متصادم ہوں گے لیکن ان کی اخلاقی حالت اس قدر گری ہوئی ہوگی کہ ان کے اخلاقی ماحول کو آپ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ مگر آپ کو حسنِ اخلاق اور تدبیر سے کام لینا ہوگا۔ بڑے نرم لہجے میں بڑی خوبی کے ساتھ اپنے علم اور عقل کی روشنی میں اپنا موقف ان پر واضح کریں۔ بغیر منفی انداز اختیار کرنے کے نہایت مثبت طریقے سے آپ اپنے نظریات کو دلائل کی روشنی میں ان پر واضح کریں۔ ایک دو یا تین مرتبہ آپ کی بات کا ان پر اثر نہ ہو۔ آپ مایوس نہ ہوں۔ پھر انہیں دعوتِ فکر دیں اور اپنے ماحول میں بدلنے کی کوشش کریں۔ برا ماحول کیں بدلنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی دلیل کے ساتھ قائل ہوتا ہے تو اسے دلیل سے قابو کریں۔ کسی مسئلہ میں آپ کو دلائل درکار ہوں تو ان حضرات سے رابطہ رکھیں جو آپ کے ساتھ دلیل کے میدان میں تعاون کریں اور اگر آپ ان کو دلائل کے میدان میں قائل نہیں کر سکتے تو آپ ان کو اپنے کردار سے متاثر کریں۔ آپ کا کردار اتنا بلند اور اونچا ہونا چاہیئے کہ دوسرا شخص دیکھتے ہی مغلوب ومرغوب ہو، آپ کی سچائی اور نظریئے کی صداقت کو تسلیم کرلے۔

☆ اپنے عزیز محترم امجد علی چشتی کے خیالات پر نہایت ہی خوشی کا اظہار کرتا ہوں (انہوں نے حضرت صاحب قبلہ سے پہلے تقریر کی تھی) اور ان کی تائید میں چند باتیں عرض کرتا ہوں اور آخر میں یہ عرض کروں گا کہ زیادہ سے زیادہ اپنے قلم میں زور پیدا کریں اور اپنی تمام تر صلاحیتیں اس نظریئے کے تحفظ کے لئے صرف کریں کہ جو نظریہ آپ کے سکول، کالج اور یونیورسٹی میں داخل ہوتا ہے، اس نظریئے کی وضاحت کے لئے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ انجمن طلباء اسلام ہیں اور اسلام کے معنی اطاعت میں گردن رکھ دینے کے ہیں۔ اور دین اسلام کے لئے قرآن نے کہا

اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ (پ۳: عمران: آیت ۱)

☆ میں غیر مبہم الفاظ میں واضح طور پر کہوں گا کہ دین جس چیز کا نام ہے، خدا کی قسم! وہ صرف محمد مصطفیٰ ﷺ کی ادائیں ہیں۔ یعنی سرکار نے جو کچھ کر کے دکھایا اور جو کہا، اس کا نام اسلام ہے۔ آپ کہیں گے کہ قرآن تو حضور کا کہا ہوا نہیں ہے۔ تو میں کہوں گا کہ قرآن بھی حضور کا کہا ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ

☆ یہ قرآن بھی اسی دہن پاک سے اور حدیث بھی اسی دہن پاک سے نکلی تھی۔ فرق یہ ہے کہ قرآن پاک کی عبارت اور الفاظ حسنِ الوہیت کا آئینہ ہیں اور حدیث حسنِ رسالت کا آئینہ ہے۔ سرکار نے بِسْمِ اللّٰهِ سے وَالنَّاسِ تک جو پڑھا وہ "یَتْلُوْا عَلَيْهِمْ" آیت کا مصداق ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہم پر تلاوت فرماتے ہیں۔ اسی دہنِ مقدس کے صدقے ہمیں سارا قرآن اور حدیث ملا۔ لیکن کتنے تعجب کی بات ہے کہ ان میں الفاظ کا تفاوت بہت واضح ہے۔ یعنی کوئی حدیث بھی کسی آیت کے مشابہ نہیں ہے۔ خواہ کسی ان پڑھ کو بھی قرآن کی آیت اور حدیث پڑھ کر سنائیں تو وہ بھی واضح طور پر بتا دے گا کہ یہ قرآن کی آیت ہے اور یہ حدیث ہے۔ یہ حضور کی صداقت کی چمکتی ہوئی دلیل ہے۔ سرکار نہ کہتے تو ہمیں پتہ نہ چلتا۔ جو کچھ حضور نے کہہ دیا، وہ اسلام ہے، خواہ حدیث کی صورت میں یا قرآن تلاوت کرنے کی صورت میں کہا ہو۔

☆ بہر حال سارا دین حضور ﷺ کا کہنا اور کرنا ہے۔ جو کہہ دیا وہ ادائے گفتار ہے اور جو کر دیا وہ ادائے کردار ہے۔ حضور ﷺ کی ادائے گفتار اور ادائے کردار کا نام اسلام ہے۔ اس بات کو سمجھنے کیلئے آپ یوں سمجھ لیجئے کہ حضور ﷺ مثل سورج کے ہیں اور اسلام مثل سورج کی شعاعوں کے ہے۔ جسطرح سورج کی شعاعوں کو سورج سے جدا نہیں کر سکتے، اسیطرح اسلام کو حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے جدا نہیں کر سکتے اور یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی ذاتِ مقدسہ معیارِ حق ہے اور اب آپ اندازہ کریں کہ حضور ﷺ کی اہمیت دین اسلام میں کیسی ہے؟ بعض لوگ حضور ﷺ کو یقیناً معیارِ حق تسلیم نہیں کرتے۔ کہنے کو کچھ کہتے ہیں۔ مثلاً کسی نے رسائل مسائل میں یہ کہہ دیا کہ "چودہ سو سال کے عرصہ نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ حضور کا دجال کے بارے میں جو اندیشہ تھا، صحیح نہیں تھا۔" اب اس دجال کے مسئلہ کا تعلق نہ دنیاوی اور سیاسی ہے۔ نہ معاشرتی اور سیاسیات سے ہے۔ اس کا تعلق صرف اعتقادیات سے ہے اور ہر مسلمان کا دجال پر عقیدہ ہے اور چودہ سو سال تک وہ غلطی ویسی ہی آ رہی ہو تو پھر حضور ﷺ "معیارِ حق" کیسے رہے؟ ان کے نزدیک تو گویا حضور ﷺ "معیارِ حق" نہ ہوئے۔ کیونکہ جو رسول ﷺ کے اندیشہ، فکر اور سوچ کو غلط کہے اس کیلئے حضور ﷺ کی ذات ہرگز معیارِ حق نہیں ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ حضور ﷺ ہر غلطی اور خطا سے پاک ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

☆ آپ کہیں گے کہ علماء نے کہا ہے کہ اگر نبی سے کوئی لغزش اور خطا ہو جائے تو نبی اس پر برقرار نہیں رہتا۔ تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی سے لغزش اور خطا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا نبی سے کلیتاً اور قطعاً لغزش اور خطا کی نفی کرنا صحیح نہ ہوا۔

☆ اس کے متعلق میں آپ سے عرض کردوں کہ دراصل نبی سے لغزش یا خطا کا صدور ہونا اس کا یہ مفہوم نہیں کہ نبی نے جو کام بطور لغزش کیا اور اس پر قائم نہ رہا، وہ واقعی خطا یا لغزش ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کام کو جسے صورتاً لغزش اور خطا سے تعبیر کیا گیا، خدا کی قسم! حقیقتاً وہ خطا نہیں ہے۔

☆ میں اس کی مثال دیتا ہوں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ بعض اعضاء کو تین، بعض کو دو اور بعض کو ایک مرتبہ دھویا۔ حالانکہ سرکار کا ارشاد ہے کہ "وضو میں اثبات سے کام لو۔" اثبات کا معنی ہے کہ کامل طور پر وضو کرو۔ اب لوگوں نے کہا سرکار نے ایک مرتبہ ایسا کیا۔ مگر اس بات پر برقرار نہیں رہے۔ اب اس کو خطا اور لغزش سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ رسالت کا ایک عظیم منصب ہے۔ جو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہے، وہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ایسا کرنا تعلیم امت کے لئے تھا کہ اگر کسی نے ایک مرتبہ دھویا تب بھی وضو ہو جائے گا، دو مرتبہ دھونے سے بھی وضو ہو جائے گا۔ لیکن فضیلت تین مرتبہ اعضاء دھونے میں ہے۔ اور یہ حکم حضور ﷺ نے اپنے عمل سے ظاہر فرمایا اور حضور سید عالم ﷺ کا یہ عمل اور یہ طریق کار امت کے سامنے نہ ہوتا تو فرمانِ نبوی کافی تھا۔ مگر جواثر حضور کے عمل کی بنا پر صحابہ کے ذہنوں پر مرتب ہوگا، وہ بہت قوی ہوگا۔ اس لئے صحابہ کرام حضور تاجدارِ مدنی ﷺ کے ہر عمل کے شیدائی تھے اور سرکار کے عمل کے لئے چشمِ براہ رہتے تھے کہ سرکار کی ادائیں ہمارے سامنے آئیں ہم انہیں سمیٹ کر اپنے اندر محفوظ کریں اور اگر حضور ایسا عمل نہ فرماتے تو یہ مسئلہ کیسے سامنے آتا؟ تو پتہ چلا کہ جس چیز کو لوگوں نے خطا اور لغزش سے تعبیر کیا وہ صورتاً لغزش اور خطا ہے لیکن حقیقتاً منصب رسالت کی تکمیل ہے۔

☆ اب حضور تاجدارِ مدنی ﷺ سے ایسے بے شمار کام ہوئے ہیں کہ جن کو لوگوں نے لغزش سے تعبیر کیا ایسی کو وہ صورتاً خطا ہے اور حقیقتاً خطا نہیں ہے۔ اگر حضور کی لغزش کو ہم اپنی بڑی فرض عبادت کے مقابلے میں لے آئیں تو ہماری فرض عبادات کا ثواب اتنا نہیں ملے گا، جتنا حضور ﷺ کو اس خطا کا ثواب ملے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ حضور ﷺ نے اپنے منصب رسالت کی تکمیل اور تبلیغ دین کے لئے اپنا فریضہ ادا فرمایا۔ تو پھر حضور کے فریضہ سے ہمارے اعمال کو کیا نسبت؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ معیارِ حق صرف حضور ﷺ کی ذات مقدسہ ہے اور اس کا یہ کہنا کہ "چودہ سو برس نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ دجال کے بارے میں حضور ﷺ کا اندیشہ صحیح نہیں تھا۔" یہ کہنے کے بعد پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کو معیارِ حق کہتے ہیں مگر سرکار کو وہ قطعاً معیارِ حق تسلیم نہیں کرتے۔ سرکار کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ بہر نوع

معیارِ حق

☆ بہر نوع اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ

ترجمہ☆ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں اولی الامر ہوں۔" (پ ۵: النساء: آیت ۵۹)

☆ اللہ تعالیٰ نے یہاں دو جگہ "اَطِیْعُوْا" کا لفظ فرمایا لیکن جب "اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" کی باری آئی تو "اَطِیْعُوْا" کا لفظ نہیں فرمایا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت مستقل ہے۔ لیکن "اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" کی اطاعت مستقل نہیں۔ اور "اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" میں امر کی اطاعت فقط آپ کے احکام نہیں ہیں اور نہ امراء مراد ہیں بلکہ "اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" میں تمام علماء، راسخین، ائمہ مجتہدین اور فقہا کرام شامل ہیں۔ ہم اللہ اور رسول کے علاوہ صرف اسکی اطاعت کریں گے جو خدا اور رسول کے مطابق عمل کرے گا۔ جس بات میں اللہ اور رسول کی نافرمانی ہوتی ہو، اس میں آپ کسی کی اطاعت نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ ان "امـــــــراء" کی اطاعت مستقل نہیں تھی۔ اس لئے وہاں "اطیعوا" کا لفظ ساتھ نہیں فرمایا۔

شبہ

☆ یہاں کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ رسول کی اطاعت تو خدا کے حکم میں ہوتی ہے۔ رسول تو ہمیں صرف خدا کا پیغام پہنچا رہا ہے۔ مستقل اطاعت تو فقط اللہ کی ہوئی۔

شبہ کا ازالہ

☆ اس کا جواب یہ ہے کہ مستقل اطاعت کا مفہوم جو سوال کرنے والے کے ذہن میں پیدا ہوا ہے۔ وہ یہ نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ

"اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا، مگر اس لئے کہ اس کی فرماں برداری کی جائے، اللہ کے حکم سے۔" (پ ۵ النساء، آیت ۶۴)

☆ یہاں مستقل اطاعت کا مفہوم یہ نہیں کہ آپ کو جو کوئی حکم دے گا، آپ اس کی اطاعت کریں گے اور پھر اطاعت کرنے کیلئے پہلے آپ یہ دیکھیں گے کہ یہ حکم صحیح ہے یا غلط۔ تو اس کے لئے ہم کوئی دلیل طلب کریں گے یا پھر کسی کسوٹی پر پرکھیں گے۔ اگر اس کا حکم کسی کسوٹی کے مطابق صحیح نہیں ہے تو ہم نہیں مانیں گے۔ لیکن خدا اور رسول کا حکم اس سے بلند ہے۔ جب خدا ہمیں حکم دے تو ہم اس کی دلیل ہرگز طلب نہیں کر سکتے۔ اسی طرح جب خدا کا رسول ہمیں کوئی حکم دے تو یہاں بھی کوئی دلیل طلب نہیں کر سکتے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یارسول اللہ (ﷺ)! آپ نے جو حکم دیا ہے، اس کی دلیل دیں ورنہ ہم آپ کی اطاعت نہیں کریں گے۔ دلیل مانگنا مستقل اطاعت کی دلیل نہیں اور دلیل طلب نہ کرنا یہ مستقل اطاعت کی دلیل ہے۔

☆ عزیزانِ محترم! میں عرض کر رہا تھا کہ حضور تاجدارِ مدنی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ ہمارے لئے "معیارِ حق" ہے۔ آپ کے احکام کی اطاعت کے لئے کسی اور معیار اور دلیل کی ضرورت نہیں۔

☆ آپ اسی واقعہ کو دیکھ لیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، سرکار کی ہر مجلس میں بیٹھتے تھے اور آپ کی ہر بات لکھ لیا کرتے تھے۔ اس حدیث پاک کو ابوداؤد، مسند امام احمد، مسند دارمی، طبرانی، امام بیہقی اور دیگر بہت سے محدثین نے روایت کیا۔ حضرت

عبداللہ بن عمرو بن عاص سرکار ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں۔ ''سرکار! قریش کے کچھ لوگوں نے مجھے روکا اور کہا کہ حضور کی ہر بات نہ لکھا کرو۔ کیونکہ

انہ بشر یتکلم فی الغضب والرضاء

''وہ تو بشر ہیں۔ کبھی غصے میں بات کرتے ہیں اور کبھی رضامندی کی حالت میں'' لہٰذا ہر بات لکھنے کے قابل نہیں ہوتی

☆ میرے آقا! اب آپ مجھے حکم دیں کہ میں کیا کروں؟ آپ کی ہر حدیث لکھوں یا نہ لکھوں۔'' آپ نے فرمایا، ''اکتب یا عبد اللہ (اے عبداللہ میری ہر حدیث لکھ لیا کرو۔)'' کیوں؟ اس لئے کہ

فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا حق واشار الی فمہ

''میں اس خدائے پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس دہن پاک سے سوائے حق کے کچھ نکلتا ہی نہیں۔''

☆ یہی وجہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (النساء: آیت ۵۹)

ترجمہ☆ اطاعت کرو رسول کی اور اطاعت کرو اللہ کی۔

☆ تو رسول کی اطاعت مستقل ہے اور مستقل سے مراد یہ نہیں کہ حضور کا مقام خدا کے برابر ہے۔ معاذ اللہ! بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا کے حکم پر اطاعت کے لئے دلیل طلب کرنا ممکن نہیں، یہ مستقل اطاعت کا مفہوم ہے اور حضور کے علاوہ جو کوئی حکم دے گا، ہم دلیل طلب کریں گے، اس کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کوئی کسوٹی اور معیار تلاش کریں گے۔ اگر معیار کے مطابق صحیح ہوگا تو عمل کریں گے ورنہ نہیں۔

☆ عزیزانِ گرامی! آپ تو انجمن طلبا اسلام ہیں یعنی آپ اسلام کے طلبا ہیں اور اسلام حضور کی اداؤں کا نام ہے۔ حضور خود معیارِ حق ہیں۔ اگر کوئی نظریہ آپ کے سامنے حضور کے معیارِ حق ہونے کے خلاف آئے تو اس نظریئے کو باطل قرار دے دیں۔ آپ منفی انداز اختیار نہ کریں بلکہ مثبت انداز اختیار کریں اور بچوں کے ذہن میں یہ ڈالیں کہ تمام حقائق کائنات اور حقائق عالم سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا ظہور ہوتا ہے۔ خدا کی ذات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے۔ خدا کی ذات جو حقیقت ثابتہ ہے اور یہ ہمارا دعویٰ ہے کہ اللہ معبود ہے۔ یہ تو ایک بدیہی دعویٰ ہے۔ کسی بدیہی دعویٰ کے لئے دلیل کی حاجت نہیں ہوتی۔ ہاں اغبا لوگوں کے لئے تبلیغ کی حاجت ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے کوئی دلیل پیش کی تو وہ صورتاً دلیل ہے۔ حقیقتاً وہ تنبیہ ہے کیونکہ کسی بدیہی دعویٰ پر دلیل نہیں لایا کرتے۔ اگر وہ بدیہی بات کو نہ سمجھے تو پھر اس کے لئے تنبیہ کی ضرورت ہوتی۔ لہٰذا جن حضرات نے خدا کی ہستی پر دلائل قائم کیے، دراصل وہ دلائل صورتاً ہیں، حقیقتاً وہ تنبیہات ہیں۔ علماء نے اغبا قسم کے لوگوں کے لئے تنبیہات قائم کیں۔ خدا کا ہونا حقیقت ثابتہ ہے اور بدیہی بات ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار ان اغبا کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ خدا کا انکار کرنے والو! ذرا ارضی وسماوی، شمسی وقمری، جسمانی و روحانی، تحت وفوق اور امر وخلق کے نظاموں پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ خدا کی ہستی اس قدر نمایاں اور ظاہر ہے۔ ان تنبیہات کے باوجود کوئی

نہ مانے تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی دن کو رات اور رات کو دن کہے۔ اس کا کوئی علاج نہیں، یہ کفر عنادی ہے۔

☆ بہر نوع میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ کا ہونا امر بدیہی ہے اور اس کی معرفت کی راہوں کے لئے ہمیں کسی دلیل کی حاجت اور ضرورت ہے اور اس لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو دلیل بنا کر بھیجا اور نبی اللہ تعالیٰ کی معرفت کی راہوں کے دروازوں کو کھولنے کے لئے آئے کہ اس راہ پر چلو گے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو گی اور پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت کے کئی منازل اور درجات ہیں۔ ان درجات کی کوئی انتہا نہیں۔ لامتناہی ہیں اور مولانا روم نے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ

اے برادر بے نہایت درگہیست
گرچہ بردری رسی بروئے مے

ایک مناظرہ

☆ مجھے اچانک ایک پنڈت رام چندر کا پرانا مناظرہ یاد آ گیا۔ انہوں نے کہا، "تمہارے رسول کو معاذ اللہ ہدایت ملی ہی نہیں۔ کیونکہ وہ آخری وقت تک "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" ہی فرماتے رہے اور تم بھی آج تک یہی کہتے آ رہے ہو۔"

☆ تو ہم نے کہا، ہدایت تو خدا کی معرفت کی راہوں کے منازل کے لئے ہے اور طلب ہدایت کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ جب تو خود لامتناہی ہے تو تیرے درجات بھی لامتناہی ہیں اور جب درجات لامتناہی ہیں تو اس کی طلب بھی لامتناہی ہے۔ ہم معرفت کے جس درجہ پر پہنچے، اس کے بعد ایک اور درجہ آیا تو ہم نے اس کے حصول کے لئے پھر "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کہا۔ اسی طرح سلسلہ جاری رہا۔ اس کا مقصد یہ کہ ہمارے مدعا کی کوئی انتہا نہیں۔ تو جب مدعا لامتناہی ہے تو طلب خود بخود لامتناہی ہے۔ اور یہاں ان لوگوں کا جواب بھی ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ خدا پر ایمان لانے کے بعد اب رسول کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مقصد کے حصول تک کے لئے وسیلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مقصد کے حصول کے بعد وسیلہ کی ضرورت نہیں رہتی لیکن ان لوگوں کا اعتراض یہ ہے کہ ایک شخص جہاز پر سوار ہو کر لاہور سے راولپنڈی پہنچا اور اس کا راولپنڈی پہنچنے کا وسیلہ جہاز بنا۔ اب سب سواریاں اتر رہی ہیں مگر وہ شخص جہاز پر چمٹا بیٹھا ہے اور کہتا ہے کہ میں اپنے وسیلہ کو نہیں چھوڑتا۔ لوگ اسے بے وقوف کہیں گے۔ اب اس مثال کو کوئی سامنے رکھ کر یہ کہہ دے کہ خدا پر ایمان لانا مقصد تھا تو وہ پورا ہو گیا۔ اب خواہ مخواہ رسول کا دامن پکڑے بیٹھے ہو۔ جب مقصد حاصل ہو جائے تو وسیلے کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ یا یہ کہو کہ ہم خدا پر ایمان نہیں لائے یعنی ہمیں مقصد ملا ہی نہیں۔ یا بے ایمان بنو یا انکار کرو کہ ہمیں ایمان ملا ہی نہیں اور جب ایمان نصیب ہو گیا تو اب وسیلے کو چھوڑ دو۔

اعتراض کا جواب

☆ اب میں اس کا جواب عرض کر دوں کہ یہاں دو باتیں ہیں۔ ایک مقصد کا حاصل ہونا اور دوسرا مقصد کا برقرار رہنا۔ بلاشبہ مقصد کا حاصل ہونا بھی مقصد ہے اور اس کا برقرار رکھنا بھی مقصد ہے۔ ایمان باللہ ضرور مقصد ہے مگر اس کا برقرار رہنا باولی مقصد ہے۔ اس لئے

اس مقصد کے لئے ہم رسول کا دامن پکڑتے ہیں۔ ایمان باللہ اگرچہ کمی وبیشی کو قبول نہیں کرتا لیکن متعلقات ایمان میں کمی وبیشی ضعف اور قوت ہوتی ہے۔ متعلقات ایمان کیا ہیں؟ وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے کے ساتھ اس کی معرفت کا حاصل ہونا اور اس کی معرفت لامتناہی ہے۔ اسی لئے جس کسی کو خدا کی معرفت زیادہ ہوگی، اس قدر اس کا ایمان قوی ہوگا اور جس کو معرفت الٰہی کم ہوگی، اس کا ایمان ضعیف ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایمان خالد بن ولید کا تھا کہ اس سے کہا گیا کہ آپ کا خدا پر ایمان ہے تو ذرا زہر کی شیشی پی لیجئے تو آپ نے ساری زہر پی لی اور آپ کو کچھ بھی نہیں ہوا۔ کیوں؟ اس لئے ان کا خدا پر ایمان قوی تھا اور وہ قوت ہمارے ایمانوں میں نہیں۔ لہٰذا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ اس لئے ہم دامن رسول نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ مقصد کی انتہا رسول کے علاوہ ممکن نہیں ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے مقاصد لامتناہی ہیں اور اللہ کی معرفت کی ہر منزل ہمارا مقصد اور ہر مقصد کو پانے کے لئے وسیلہ رسول کی ضرورت ہے۔ لہٰذا تم اللہ کی معرفت کے منازل کی حد مقرر کر دو تم ہم اس حد پر پہنچ کر وسیلہ رسول ختم کر دیں۔

☆ خلاصہ یہ ہوا کہ ہمارے نظریے کی بنیاد محمد رسول ہیں جو معیارِ حق ہیں۔ اب جو نظریہ سوشلزم، کمیونزم، لادینی اور ملحدانہ یا اس معیارِ حق سے متصادم ہو اس کو رد کر دو۔ اس اعتقادی نظریے کے ساتھ ہمارا دوسرا نظریہ پاکیزگی اخلاق ہے۔ ہم یہ تعلیم نہیں دیتے کہ آپ کسی کے ساتھ لڑ پڑیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ ان کے اخلاق کو سنوارنے کی کوشش کریں اور خود ان کے ساتھ اخلاق کے ساتھ پیش آئیں۔ یہ ہمارے انجمن طلباء اسلام کا مقصد ہونا چاہیئے اور آپ کو باکردار اور بااخلاق ہونا چاہیئے۔ اگر آپ کے اخلاق پاکیزہ ہوں گے تو دوسروں کو بداخلاقی اور بدکرداری سے روک سکیں گے۔

☆ عزیزانِ محترم! ہمارا یہ بنیادی اعتقادی نظریہ ہے کہ رسول کی ذات معیارِ حق ہے۔ اس کے بعد ہم نے اگر خدا کو نہیں پہچانا تو گویا ہم نے دلیل رسول کو نہیں پہچانا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اگر رسول نہ آتے تو ہمیں خدا کی معرفت کیسے نصیب ہوسکتی تھی؟ یعنی خدا کی معرفت ممکن ہی نہ تھی۔

قرآن پاک تمام علوم کا سرچشمہ ہے

☆ ہر نوع علم ایک نور ہے۔ فقط دین کا علم نور نہیں۔ دنیا کا علم بھی نور ہے بلکہ میرے نزدیک تو دنیا ہی ایک دین ہے۔ مومن کے لئے علم دنیا کا ہو یا دین کا، وہ نور ہے۔ کیونکہ تمام علوم کا سرچشمہ قرآن کریم ہے۔ اب دنیا میں جتنے علوم مروجہ ہیں، ان سب کی بنیادیں ہمارے علماء اسلام نے جاری فرمائیں۔ انسان خواہ کوئی علم پڑھے، اس کا مقصد خدا کی معرفت ہونا چاہیئے۔ جو بندہ خدا کی معرفت سے الگ ہوگیا، وہ خدا کی ذات سے الگ ہوگیا اور جس کا خدا پر ایمان نہیں، وہ کتنے ہی علوم پڑھے، وہ بالکل بے سود و بے کار ہیں اور جس نے ہر علم کی انتہا کو خدا کی معرفت قرار دیا تو وہ محمود و مسعود اور کامیاب و کامران ہے اور یہی حقیقت ہے، جسے قرآن نے پیش کیا اور تمام علوم کی طرف ہمیں متوجہ کیا۔ جن علوم سے کائنات کا راز تمہارے سامنے کھل کر آئے، ان کو خدا کی معرفت قرار دو اور ہر علم کے حصول کے لئے آگے بڑھتے رہو، اسلام ہمیں نہیں روکتا بلکہ اسلام قرآن کی روشنی میں ہمیں آگے بڑھنے کا درس دیتا ہے۔

☆ الحمدللہ! ہمارے انجمن طلبا اسلام والے نوجوان بڑے جری ہیں۔ میں نے جو واقعات سنے، بڑا متاثر ہوا۔ ہمیشہ جبرو استبداد کے سامنے سینہ سپر رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت عطا فرمائے۔ ہمت وجرأت کے بارے میں میں آپ کو ایک چھوٹا سا واقعہ سنا کر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

سعید بن جبیر

☆ سعید بن جبیر جو حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگرد ہیں، ان کے علم، اخلاق وکردار اور ہمت جرأت کا کیا کہنا؟ کہ آپ نے حجاج بن یوسف ثقفی کے ظلم وستم کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ حجاج بن یوسف نے آپ کو بلا کر پوچھا، "ما تقول لی؟" "میرے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟" حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا، "انت عادل انت قاسط" "تو عادل ہے تو قاسط ہے۔" حجاج بن یوسف کے چیلے چمچے بڑے خوش ہوئے کہ اس کی اتنی بڑی تعریف کردی۔ لیکن حجاج بن یوسف کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس نے کہا، "خوش ہونے والو، بڑے جاہل ہو۔ اس نے تو مجھے بڑی گالی دی ہے۔ آج تک مجھے کسی نے بھی ایسی گالی نہیں دی ہے۔" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

"ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ" (س انعام: آیت ۱)

ترجمہ☆ پھر جنہوں نے کفر کیا وہ (دوسروں کو) اپنے رب کے ساتھ برابر کرتے ہیں

☆ عادل کے معنی برابر کے ہیں اور قرآن کی زبان میں عادل مشرک کو کہتے ہیں یعنی جو بندوں اور بتوں کو خدا کے برابر کرے گا، وہ مشرک ہوگا۔ اس نے "انت عادل" کہہ کر مجھے مشرک بنایا کہ تو اپنے آپ کو خدا کے برابر کررہا ہے اور اپنے ہی ناپاک حکم کی تعمیل کررہا ہے اور "انت قاسط" کہہ کر مجھے جہنم کا ایندھن بنادیا۔ "وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" جنہوں نے کفر کیا، انہوں نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا (الجن: آیت ۱۵)

ترجمہ☆ اور بہر حال ظالم تو وہ جہنم کا ایندھن ہوئے۔

☆ سب قاسط جہنم کا ایندھن ہیں اور تم کہتے ہو کہ اس نے تعریف کی۔ ہاں البتہ اس نے مجھے مقسط کہا ہوتا تو پھر تو کوئی بات نہ تھی۔ کیونکہ مقسط عادل کو کہتے ہیں۔" جب حجاج نے یہ بات کہی تو لوگ بہت حیران اور پریشان ہوئے۔ چنانچہ لوگوں نے سعید بن جبیر سے پوچھا کہ "تیری مراد کیا تھی؟" تو آپ نے فرمایا کہ "میرے قول کی تشریح اور تصدیق حجاج نے قرآن کی آیت پڑھ کر کردی۔ میری بھی یہی مراد تھی۔" چنانچہ انہوں نے جلاد کو آپ کے قتل کا حکم دے دیا اور جلاد آپ کے پاس آیا اور آپ نے یہ دعا کی کہ "اللّٰهم لا تسلط علی احد بعدی" الٰہی میرے بعد اس کو کسی پر مسلط نہ کرنا۔ میں ہی اس کا آخری تختہ مشق بنوں۔ چنانچہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سر قلم کردیا گیا اور آپ کے سر مبارک سے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کی آواز آرہی تھی۔ آپ نے سر کٹا کر یہ ثابت کردیا کہ

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (پ۸: انعام)

"بے شک میری نماز اور میرا حج وقربانی (سب عبادات) اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو رب ہے سارے جہانوں کا۔"

☆ ان کا مرنا تو ظاہری تھا۔ حقیقتاً تو ان کو زندگی نصیب ہوئی۔

☆ ہمارے اکابر اور اسلاف کا حق کے مقابلے میں اس قدر مظالم کا برداشت کرنا اور سینہ سپر ہو کر کھڑے ہونا ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے اور الحمد للہ! ہمارے طلبا بڑے جری ہیں اور انشاء اللہ کبھی بھی باطل کے سامنے سر نہیں جھکائیں گے۔ اپنے نظریئے کو برقرار رکھیں گے اور اپنے کردار اور اخلاق کو بلند کریں گے اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فرمان بردار بنائے۔ (آمین)

محبت رسول ﷺ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

☆ صدرِ محترم، حضرات علمائے کرام، مشائخ عظام اور میرے پیارے محترم عزیز سامعین! اللہ تعالیٰ آپ حضرات پر ہمیشہ اپنی رحمتوں کی بارشیں فرمائے (آمین)

☆ یہ مبارک اجتماع مرکزی مجلس رضا کے زیر اہتمام اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں منعقد ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے ان سنی بھائیوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنہوں نے اعلیٰ حضرت کی یاد کو تازہ کر دیا۔

☆ نہایت مختصر وقت میں چند گزارشات پیش کروں گا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کوئی غیر معروف نہیں۔ دنیائے علم کے آفتاب و ماہتاب ہیں، آپ کے مخالفین نے بھی آپ کے علمی اور تحقیقی مقام کو تسلیم کیا ہے۔ عام طور پر یہ کہا گیا ہے کہ کفر کا فتویٰ لگانے میں جلد بازی سے کام لیتے تھے لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی ایسی بات پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا، جس پر ان کے مخالفین اور معترضین کفر کا فتویٰ نہ دے چکے ہوں۔ کوئی شخص قیامت تک ایسی کوئی بات ثابت نہیں کر سکتا کہ جس بات پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کفر کا فتویٰ لگایا ہو، مخالفین کے نزدیک وہ بھی کفر نہ ہو۔

☆ آپ کو معلوم ہو گا کہ ''اشد العذاب'' جو مولوی مرتضیٰ حسن دیو بندی کا ایک رسالہ ہے، انہوں نے اس میں اعتراف کیا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب ان باتوں کو کفر سمجھتے ہوئے کفر کا فتویٰ نہ لگاتے تو خود کافر ہو جاتے۔

☆ یہ تو ایک بڑا تعصب ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اس قسم کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ خدا کی قسم! اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا محقق اور محتاط عالم میری نظر سے نہیں گزرا اور نہ ہمارے علم کے گوشوں میں اسکا کوئی تصور ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے احتیاط کا تو یہ عالم تھا کہ امام الطائفہ (مولوی اسماعیل دہلوی) کی تکفیر میں بھی کف اللسان فرمایا اور یہ کمال احتیاط اور کمال حزم کا تقاضا تھا۔

☆ ہمارے لئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام کیا ہے؟ محترم سامعین! وہ پیغام محبت رسول ﷺ ہے۔ اور اسی محبت رسول ﷺ کو انہوں نے اپنے ترجمہ قرآن پاک میں بھی ملحوظ رکھا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ''وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی'' کا ترجمہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔'' اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ''ضال'' کا ترجمہ ''خود رفتہ'' فرمایا۔ بعض دوسرے لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ''آپ کو گمراہ پایا'' استغفر اللّٰہ۔ لیکن یہ الفاظ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار نہیں فرمائے۔ لفظ ''ضال'' میں گم ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ عربی کا محاورہ ہے ''ضل الماء فی اللبن'' پانی دودھ میں

گم ہو گیا اور "خود رفتہ" کا ترجمہ بھی یہی ہے کہ پیارے محبوب ہم نے آپ کو اپنی محبت میں گم پایا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی احتیاط سے ترجمہ فرمایا اور یہ اس بات کی دلیل ہے اور حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ امت محمدیہ کے بڑے محسن ہیں اور ہدایت کی راہیں ہمارے لئے کھول دیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کا موقع عطا فرمائے۔

☆ میں آپ کو بتاؤں کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا جو پیغام ہے وہ محبت رسول ہے۔ مجھے کسی نے کہا کہ بھئی اگر محبت رسول دیکھنی ہو تو بریلی چلا جا اور اگر اتباع رسول کا نقشہ دیکھنا ہو تو دیوبند چلا جا۔ میں نے کہا کہ بھئی آپ نے اتباع و محبت دونوں کو الگ کر دیا۔ خدا کی قسم! اتباع محبت سے الگ نہیں ہے اور محبت اتباع سے الگ نہیں ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اتباع محبت سے الگ کوئی چیز ہے تو وہ غلط سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "میرے محبوب! آپ کہہ دیجئے کہ "اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ" اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو "فَاتَّبِعُوْنِیْ" تو میری اتباع کرو، میری پیروی کرو تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ "یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا۔ "وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ" اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ "وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" اور اللہ تو بہت ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا، اے میرے محبوب! آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہیں اللہ کی محبت ہے تو تم میری اتباع کرو۔ یہ کس کو فرمایا "قل" کا مخاطب تو حضور ﷺ ہیں، اب حضور ﷺ کا مخاطب کون ہے؟ اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو مخاطب فرمایا اور حضور ﷺ وصحبہ وبارک وسلم نے جو یہ فرمایا "اِنْ كُنْتُمْ" "كُنْتُمْ" یہ جمع مخاطب کا صیغہ ہے اور اس کے مخاطبین کون ہیں؟ یعنی "كُنْتُمْ" کا مصداق کون ہے؟ وہ کون ہیں جن کو اللہ فرماتا ہے کہ "اِنْ كُنْتُمْ" اے میرے پیارے کہہ دے اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ سے تو کیا کرو؟ "فَاتَّبِعُوْنِیْ" میری اتباع۔

☆ تو میں آپ کو بتاؤں کہ حضور ﷺ نے کسی ایمان والے کو مخاطب نہیں فرمایا بلکہ حضور تاجدار مدنی ﷺ وصحبہ وبارک وسلم نے اس آیت کریمہ میں یہودیوں کو مخاطب فرمایا، نصرانیوں کو مخاطب فرمایا، اہل کتاب کو مخاطب فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے مخاطب نہیں ہیں کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں دو جملے فرمائے۔ ایک جملہ شرطیہ ہو گیا۔ "اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ" اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تم کیا کرو "فَاتَّبِعُوْنِیْ" میری اتباع۔ تو معلوم ہوا کہ کچھ ایسے لوگ تھے جو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے تھے مگر حضور ﷺ کی اتباع نہیں کرتے تھے۔

☆ اب دیکھیے وہ کون لوگ تھے جو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے تھے اور حضور ﷺ کی اتباع نہیں کرتے تھے۔ کیا وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہو سکتے ہیں؟ کیا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہو سکتے ہیں؟ کیا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ مومنین ہو سکتے ہیں؟ کیا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ صحابہ کرام، اہل بیت، ازواج مطہرات ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ مومنین ہو سکتے ہیں؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ ارے یہ تو وہ لوگ ہیں جو کہا

کرتے تھے "نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاؤُهٗ" یہ وہ لوگ ہیں جو اہلِ کتاب ہیں، جو خدا کی محبت کے دعویدار تھے، مگر حضور ﷺ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ حضور تاجدارِ مدنی ﷺ کی اتباع سے گریز کرتے تھے۔

☆ تو اب یہ آیت ہی غلط چسپاں کی جارہی ہے۔ آیت تو نازل ہوئی کافروں کو خطاب کرنے کے لئے اور چسپاں کی جارہی ہے ہم اہلِ سنت پر۔ عجیب تماشہ ہے۔ اس کا فیصلہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ پہلے فرما گئے، بخاری شریف کی جلد ثانی میں یہ مشہور حدیث موجود ہے کہ

کان ابن عمر یراہم شرار خلق اللہ لانہم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوہا علی المؤمنین

☆ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ خوارج خدا تعالیٰ کی زمین پر بدترین مخلوق ہیں۔ کیونکہ جو آیتیں کافروں کے حق میں اتری ہیں وہ ایمان والوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ بھئی ایمان سے کہنا "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کی تمام آیتیں کافروں کے حق میں اتریں یا نہیں۔ یقیناً کافروں کے حق میں اتری ہیں۔ ارے "مِنْ دون اللّٰه" کی عبادت کون کرتا تھا؟ کوئی مسلمان "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا عابد تھا؟ یقیناً نہیں۔ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ" بھئی لات ومنات، یعوق ونسر، اساف ونائلہ اور ہُبل کی پوجا کرنے والے کون تھے؟ "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کی تمام آیتیں نازل تو ہوئیں کافروں کے حق میں مگر چسپاں ہو رہی ہیں آج حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ماننے والوں پر۔

☆ میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا قرآن حکیم میں فقط "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کی آیتیں ہیں "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کی آیتیں تو پڑھتے ہو مگر باذن اللہ کی آیتیں بھی تو پڑھو، میرا سارے قرآن پر ایمان ہے۔ "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا مطلب کیا ہے؟ "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اللہ کا اذن نہ ہو، اللہ کا حکم نہ ہو، اللہ کا ارادہ نہ ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا، ہمارا یہ ایمان ہے۔ (بے شک) حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ عنہ بے شک ہمیں فیض پہنچاتے ہیں لیکن اللہ کے اذن سے، اللہ کے ارادے سے، اللہ کی مشیت کے تحت، اللہ کے حکم سے۔ اور "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ارادہ نہ ہو، اللہ کی مشیت نہ ہو اور کوئی کچھ کر دے، اللہ تعالیٰ نہ چاہے اور کوئی کچھ کرے۔ ارے "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" سے تو تنکا بھی نہیں ہل سکتا، لیکن باذن اللہ سے تو مردے بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارا ایمان "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کی آیتوں پر بھی ہے اور باذن اللہ کی آیتوں پر بھی ہے یہ نہیں کہ "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ" یعنی بعض آیتوں پر ایمان لاؤ بعض کے ساتھ کفر کرو، یہ ہمارا کام نہیں، ہم سارے قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، سارا قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

☆ میں عرض کر رہا تھا کہ اس آیت میں "اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ" کے مخاطب تو یہودی اور نصرانی ہیں، وہ خدا کی محبت کے دعوے دار تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ اگر میری محبت کا دعویٰ ہے تو میرے محبوب کے دامن سے لپٹ جاؤ، دعویٰ محبت کا اور پھر اتباع میرے محبوب کی نہیں کرتے، ان کو رسول نہیں مانتے، ان کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے اور ان کی اداؤں کے سانچے میں نہیں ڈھلتے۔

☆ اب اگر کوئی یہ کہے کہ ہم تو حضور ﷺ پر ایمان بھی لائے ہیں اور حضور ﷺ کی اداؤں کے سانچے میں بھی ہم ڈھل گئے، داڑھیاں ہماری دیکھو، نمازیں ہماری دیکھو، جبہ ہمارا دیکھو، لباس ہمارا دیکھو اور یہ ہمارا دینی کام، مشاغل، مدارس، تقریر وتحریر، وعظ، فتویٰ یہ سب دیکھو لہٰذا ہم تو اللہ کے رسول کی اتباع کرنے والوں میں شمار ہوں گے' تو اس کے متعلق ایک بات آپ کو بتادوں، میرے دوستو اور عزیزو! خوب سمجھ لیجئے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ میرے محبوب آپ فرمادیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو تم میری اتباع کرو۔ سن لیجئے "اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ" یہ جملہ شرطیہ ہے اور "فَاتَّبِعُوْنِیْ" یہ جملہ جزائیہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اتباع شرط محبت کی جزا ہے اور جب شرط نہ ہو تو مشروط کہاں سے لایا جائے گا' جب شرط نہ ہو تو جزا کہاں سے آئے گی، پتہ چلا کہ جب تک محبت نہ ہو تو اتباع ہو ہی نہیں سکتی' یعنی جب تک اللہ کی محبت نہ ہو' رسول کی اتباع نہیں ہو سکتی۔ آپ کہیں گے کہ یہاں تو اللہ کی محبت کی بات کی جارہی ہے، رسول کی محبت کی بات تو نہیں ہے' تو میں کہوں گا کہ اللہ کی محبت کو رسول کی محبت سے الگ کر کے مجھے دکھادو، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اللہ کے کلام کو رسول کے قول سے الگ کر کے مجھے دکھادو۔ قرآن سب اللہ کا کلام ہے یا نہیں؟ قرآن نے کہا "اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ" یعنی کلام میرا ہے مگر جب تک میرا رسول نہ کہے تو تمہیں کیا پتا چلتا کہ میرا کلام کیا ہے؟

☆ عزیزان گرامی! محبت کا مرکز حسن ہے خوب یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار کائنات کو اپنے حسن کا آئینہ بنایا، ہر قطرے میں اسی کا حسن چمک رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر ذرے کو اپنی ہستی کی نشانی قرار دیا اور تمام حقائق کائنات کو اپنی الوہیت کی دلیل میں پیش کیا اور فرمایا

"سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ"

☆ یعنی تمام آفاق عالم میں ہم اپنی قدرت کی نشانیاں اور اپنی معرفت کی دلیلیں اور اپنی ہستی کا ثبوت تمہیں پیش کریں گے۔ ہر ذرہ میری ہستی کی دلیل ہے' ہر ذرے سے میری معرفت حاصل کرو۔

☆ میرے دوستو! اٹھارہ ہزار کائنات میں خدا کے حسن کے جلوے پھیلے ہوئے ہیں۔ مگر خدا نے ان سارے جلوؤں کو سمیٹ کر ایک انسان کے دامن میں رکھا' انسانیت کا حسن بھی پھیلا ہوا تھا' تمام جہانِ انسانیت کے حسن کو سمیٹا اور ایک نبی کے دامن میں رکھ دیا' نبوت کی کائنات بھی بکھری ہوئی تھی' حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک لاکھ یا دو لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے' تمام انبیاء کے اندر وہ حسن سمٹ کر آیا اور دنیائے نبوت کے حسن کو سمیٹا تو رخسار مصطفیٰ ﷺ میں رکھ دیا اور پھر کیا کہوں۔

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری چشم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

☆ اگر تم نے خدا کے حسن کو چمکتا ہوا دیکھنا ہے تو مصطفیٰ ﷺ کا جمال دیکھ لو۔ میرے دوستو! محبت کا مرکز حسن ہوتا ہے اور حضور ﷺ کی ذات مرکز حسن الوہیت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اَنَا مِرْاٰةُ جَمَالُ الْحَقِّ" یعنی میں تو جمال حق کا آئینہ ہوں۔ نتیجہ کیا نکلا کہ جب محبت

کا مرکز حسن ہے اور خدا کے حسن کی جلوہ گاہ حضور ﷺ کی ذات مقدسہ ہے۔ تو محبت اسی مرکز حسن کی طرف جائے گی اور جب تک محبت وہاں نہ جائے تو محبت پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔ اب بتاؤ رسول کی محبت خدا کی محبت سے الگ کیسے ہو؟ اور حضور کا حسن کیا ہے؟ ارے حضور کا حسن خدا ہی کا تو حسن ہے۔ بھئی بتاؤ! یہ خدا تعالیٰ کی صفات خدا کا حسن ہیں یا نہیں؟ اللہ کا علم، اللہ کی قدرت، اللہ اختیار، اللہ کی سماع، اللہ کی بصر، اللہ کا کلام، اللہ تعالیٰ کی حیا، یہ کیا ہیں؟ یہ اللہ کا حسن ہی تو ہیں۔ پھر بتایئے کہ حضور ﷺ کے اندر کس کا علم چمکا؟ ارے خدا تعالیٰ کا علم ہی تو حضور ﷺ کے اندر چمک رہا ہے اور خدا کی قدرت، خدا کا اختیار حضور ﷺ کے اندر چمک رہا ہے، رحمت خدا کی ہے مگر اس کا ظہور حضور کی ذات میں ہورہا ہے۔ قرآن نے کہا، "وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ كُلَّ شَیْءٍ" اور "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ"۔ اللہ نے اپنے حسنِ رحمت کا آئینہ اپنے محبوب کو بنایا، اپنے علم، اپنی قدرت، اپنی سمع، بصر اور اپنے رؤف ورحیم ہونے کا آئینہ اپنے محبوب کی ذات کو بنایا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حسن کی جلوہ گاہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی درسگاہ ہے۔ لہٰذا جب تک حضور کی محبت نہ ہو، خدا کی محبت ہو ہی نہیں سکتی اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا کہ "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوا اللّٰهَ" یا "فَاَطِیْعُوا اللّٰهَ" اطاعت اتباع کے بارے میں یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ بھئی اتنا جو ہے وہ تو نقش قدم کے ساتھ تعلق رکھنے والی چیز ہے۔ اس لئے "فَاتَّبِعُوا اللّٰهَ" نہیں فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نقش قدم پر چلنا ممکن ہی نہیں۔ لیکن اطاعت تو نقش قدم سے پاک چیز ہے، لہٰذا "فَاَطِیْعُوا اللّٰهَ" فرمادیا جاتا۔

☆ "فَاتَّبِعُوْنِیْ" اس لئے فرمایا کہ تمہارے سامنے میرا کھانا، میرا پینا، میرا سونا، میرا بیٹھنا، میرا چلنا پھرنا یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ میں ان صفات سے پاک ہوں۔ "تَعَالَی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِیْرًا"۔ اب جیسے میرا محبوب کھائے، ویسے تم کھاؤ، جیسے وہ چلے، ویسے تم چلو یعنی ان کی اداؤں کے سانچے میں ڈھل جاؤ، یہ بات مصطفیٰ کی ذات میں تو ہوسکتی ہے لیکن خدا کی ذات پاک تو ان چیزوں سے بلند وبالا ہے۔ جو کچھ میرا محبوب کرے گا وہ میرے ہی حکم کی تعمیل ہوگی۔ جس نے رسول کی اتباع کر لی اس نے میری اطاعت کر لی۔ "مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" لہٰذا اتباع محبت رسول کی محبت ہے اور رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔

☆ عزیزانِ گرامی! تو میں کہہ رہا تھا کہ بغیر محبت کے اتباع نہیں ہوتی، کیونکہ محبت شرط ہے اور اتباع جزا ہے اور شرط کے بغیر جزا ہو نہیں سکتی۔ لہٰذا جب تک محبت نہ ہو اتباع نہیں ہوسکتی، اب آپ کہیں گے بھئی وہ تو کہتے ہیں کہ ہمیں محبت ہے، آپ کہتے ہیں ہمیں محبت ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی بات مانیں یا آپ کی بات مانیں؟

☆ عزیزانِ گرامی! میں ایک بات آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ محبت کی بہت سی نشانیاں ہیں، مگر میں جامع بات عرض کرتا ہوں کہ صرف دعویٰ محبت بے معنی چیز ہے جب تک اس کے وجود پر کوئی ثبوت نہ ہو۔ سنن ابوداؤد شریف کی حدیث ہے

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم حبك الشئ یعمی ویصم

☆ یعنی "حضور اکرم ﷺ نے فرمایا محبت والی آنکھ محبوب کا عیب دیکھنے سے اندھی ہو جاتی ہے اور محبت والا کان محبوب کا عیب سننے

سے بہرا ہو جاتا ہے۔"

☆ یہ محبت کا کارنامہ اور محبت کا کرشمہ ہے کہ محبوب کا عیب دیکھنے سے محبت آنکھ کو اندھا بنا دیتی ہے اور محبوب کا عیب سننے سے محبت کان کو بہرا بنا دیتی ہے لیکن یہ تو اس وقت ہے جبکہ واقعی کوئی عیب ہو اور جہاں عیب ہی نہ ہو؟

☆ دیکھیے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو "محمد (ﷺ)" بنایا، سورۂ "محمد" میں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ"۔ حضور کا نام "احمد" بھی ہے۔ حضور ﷺ کے بہت سے نام ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کے چار سو سے زائد نام لکھے ہیں۔ حضور کا ہر نام ایک صفت پر دلالت کرتا ہے، ہر نام ایک کمال پر دلالت کرتا ہے اور جتنے کمالات زیادہ ہوتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اتنے اسماء زیادہ ہوں گے۔ ناموں کے زیادہ ہونے سے نام والا زیادہ نہیں ہوتا نام والا ایک ہی رہتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لی اسماء انا احمد و انا محمد وانا الماحی الذی یمحو اللہ من الکفر و الشرک وانا الحاشر وانا الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب"

☆ فرمایا، میرے بہت سے نام ہیں، میں احمد بھی ہوں، میں محمد بھی ہوں اور ایک حدیث جسے شارح صحیح بخاری علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب اللدنیہ میں نقل کیا، اور یہ حدیث مسند ابو یعلیٰ یا مسند ابن حبان میں بھی میری نظر سے گزری۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا احمد فی السماء و محمد فی الارض

☆ فرمایا، میں آسمانوں میں احمد ہوں، زمینوں میں محمد ہوں، یہ حدیث مرفوع ہے۔ اس کا مطلب یہ سمجھا کہ حضور ﷺ کا نام محمد آسمانوں میں بالکل ہے ہی نہیں اور اسی طرح زمینوں میں حضور ﷺ کا نام نامی احمد بالکل نہ ہو۔ یہ بات نہیں، بات یہ ہے کہ آسمانوں میں زیادہ مشہور نام احمد ہے اور زمینوں میں زیادہ مشہور نام محمد ہے۔ قرآن پاک میں بھی حضور ﷺ کا نام احمد آیا، آپ کو معلوم ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا

وَمُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ م بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ

☆ یعنی "میں ایسے رسول کی خوشخبری سنانے آیا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا۔"

☆ یہاں اگر کوئی سوچے کہ احمد تو آسمانی نام ہے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس نام کے ساتھ خوشخبری دینی تھی جو زمین میں مشہور تھا اور کلمہ میں ہم پڑھتے ہیں "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" تو لفظ "محمد" کے ساتھ خوشخبری کیوں نہیں دی؟ بشارت دینے کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ آنے والے کے حق میں تصدیق کی راہیں کھل جائیں اور لوگ آسانی سے تصدیق کر سکیں، تو اگر لفظ "محمد" کے ساتھ بشارت دیتے تو تصدیق کی راہیں بالکل کشادہ ہو جاتیں، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ "احمد" کے ساتھ بشارت دی اور اس میں ابہام پیدا ہو گیا اور وہ اس لئے کہ ایک شخص غلام احمد قادیان میں پیدا ہوا۔ اس نے کہا کہ احمد تو میں ہوں، جس کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دے گئے ہیں۔ "لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ" تو اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت میں لفظ "محمد" ہوتا تو اس کو یہ موقع نہ ملتا۔ آخر ایسا کیوں ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ "احمد" کے بجائے لفظ "محمد" کے ساتھ بشارت کیوں نہ دی؟

☆ اس کے متعلق ایک بات عرض کئے دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کو آپ سمجھتے ہیں، ان کی شخصیت اور ان کی عظمت اور اہمیت کیا ہے؟ ان کی خصوصیت کیا ہے؟ ایک قاعدہ یاد رکھیئے کہ ہر متکلم کا جو کلام ہوتا ہے، وہ متکلم کی خصوصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے، جیسے خدا بے مثل ہے "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" خدا کا بے مثل ہونا خدا کی شان ہے، ایسے ہی اس کا کلام بھی بے مثل ہے "فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ" قرآن کا بے مثل ہونا اس بات کا آئینہ دار ہے کہ خدا بے مثل ہے، ہر متکلم کا کلام متکلم کی خصوصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے، اب یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام متکلم ہیں۔ "وَ مُبَشِّرًا ۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ ۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ" یہ آیت تو قرآن پاک کی ہے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے تو ان کی بشارت کی حکایت فرمائی ہے کیونکہ بشارت دینے والا اللہ تو نہیں ہے، بشارت دینے والے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ وہ بشارت دے رہے ہیں اس رسول کی جو ان کے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا، اس کی وجہ کیا ہے؟

☆ وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسے لفظ سے بشارت دی اور بشارت میں وہ کلام کیا جو ان کی خصوصیت کا آئینہ دار ہے، اب ڈھونڈیں ان کی خصوصیات کیا ہیں؟ ان کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو آسمان سے بھیجا اور حضرت مریم کے گریبان میں انہوں نے پھونک ماری اور نفخ جبریل علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے شکم میں آئے۔ بتائیے جبریل کی پھونک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود میں بنیادی نقطہ رکھتی ہے یا نہیں؟ نفخ (پھونک) کا تعلق کس سے ہے؟ پھونک جبریل کی ذات سے اور جبریل علیہ السلام کا تعلق کہاں سے ہے، زمین سے ہے یا آسمان سے؟ یقیناً آسمان سے ہے، تو پتا چلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بواسطہ نفخ جبریل کے آسمانی الاصل ہیں۔ بتانا یہ تھا کہ جو جہاں کا ہوتا ہے، بولی وہاں کی بولتا ہے۔ "انا احمد فی السماء ومحمد فی الارض" انہوں نے لفظ "محمد" کی نفی تو نہیں کی، انہوں نے لفظ احمد کے ساتھ بشارت دی ہے اور بشارت دینے کا مقصد یہ ہے کہ میں آسمانی نام اس لئے بول رہا ہوں کہ میں خود آسمانی الاصل ہوں۔ بھئی پنجاب کا رہنے والا پنجابی بولے گا، سندھ کا رہنے والا سندھی بولے گا، بنگال کا رہنے والا بنگالی بولے گا، عرب کا رہنے والا عربی بولے گا، زمین کا رہنے والا زمین کی بولی بولے گا اور جس کی اصل آسمان کی ہوگی وہ آسمانی بولی بولے گا۔ "انا احمد فی السماء ومحمد فی الارض"

☆ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو "احمد" بھی بنایا اور "محمد" بھی بنایا۔ لفظ "احمد" اور "محمد" دونوں حضور کے ذاتی نام ہیں۔ وقت کی قلت کی وجہ سے میں اس پر اب زیادہ بات نہیں کر سکتا۔ لفظ "حمد" کا مادہ کیا ہے؟ ح، م، د، حمد کا مادہ ہے یا نہیں؟ اور جب الف لام لگایا تو "الحمد" مصدر ہو گیا۔ یہ تو ہے مدلل اور جب اس کو مزید کیا تو "التحمید" بن گیا۔ لفظ "محمد" اسم مفعول کا صیغہ اور اس کے معنی اسم مبالغہ کے ہیں۔ اس کا مصدر "التحمید" ہے اور تحمید کس سے بنا ہے؟ "احمد" سے بنا ہے کیونکہ "الحمد" تھا مجرد اور "التحمید" ہوا مزید۔

☆ یہ تمام علماء بیٹھے ہیں، علماء سے پوچھیں کہ مجرد کو جب مزید بنایا جائے تو کس حکمت کے لئے بنایا جاتا ہے؟ زیادتی لفظ زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے کہ معنی کو زیادہ کرنا ہو تو لفظوں کو زیادہ کر دیا جاتا ہے۔ جیسے "قطع" کے معنی ہیں کاٹ دیا، توڑ دیا، یا ایک چیز کو آپ دو ٹکڑے کر دیں تو کہا جائے گا، قطع کر دیا اور اگر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ٹکڑے کرتے چلے جائیں تو پھر قطع نہیں کہیں گے

پھر "قطاع" کہا جائے گا۔تو جب معنی کو بڑھانا ہوتو لفظوں کو بڑھاتے ہیں۔ زیادتی لفظ زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے۔ تو حمد سے تحمید بنا اور تحمید سے "محمد" بنا۔

☆ غور کرنے کی بات ہے کہ الحمد سے "محمود" مشتق ہوا اور التحمید سے "محمد" مشتق ہوا۔ "محمود" الحمد سے بنا اور "محمد" التحمید سے بنا۔ "محمد" کے معنی علماء نے لکھے "الذی حمد مرة بعد مرة و الذی حمد کرة بعد کرة" یعنی جس کی بار بار تعریف کی جائے اور جس کی بے شمار تعریف کی جائے وہ "محمد" ہوتا ہے۔ جس کی بار بار حمد کی جائے، جس کی بے شمار حمد کی جائے، جس کی بکثرت حمد کی جائے وہ "محمد" ہوتا ہے۔ "محمد" اللہ کا نام ہے یا حضور کا نام ہے؟ یقیناً حضور کا ہی نام محمد ہے اور محمود اللہ کا نام بھی ہے اور حضور کا نام بھی ہے۔ محمود کے معنی ہیں حمد کیا ہوا اور محمد کے معنی ہیں بار بار حمد کیا ہوا، بے شمار حمد کیا ہوا، بکثرت حمد کیا ہوا۔

☆ اب یہاں سوچنے کی بات ہے کہ بے شمار اور بار بار حمد کس کی ہوتی ہے؟ مسلمان جب بھی نماز پڑھتا ہے تو کہتا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" ایمان سے کہیے کروڑوں اربوں مسلمان چوبیس گھنٹے میں کتنی بار "الحمد" پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کتنی حمد کرتے ہیں۔ بار بار حمد اللہ کی ہوتی ہے یا حضور ﷺ کی ہوتی ہے؟ ارے بار بار اور بے شمار حمد تو اللہ کی ہوتی ہے۔ تو چاہئے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنا نام "محمد" رکھتا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا نام "محمد" نہیں رکھا، اللہ نے اپنا نام "محمود" رکھا اور حضور کا نام "محمد" رکھا، آخر یہ کیا بات ہے؟ تو مجھے کہنے دیجئے، اگر کسی نے فتویٰ لگانا ہے تو لگا دے یہ میرے ذوق کی بات ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے میری بات مجھے واپس کردے یا کسی اور کو سنا دے۔ بھئی غور سے سنئے، اصل بات یہ ہے کہ مجھے بخاری شریف کی ایک حدیث یاد آ رہی ہے، بخاری کے باب کتاب التفسیر میں وہ حدیث ہے اور "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ" کے تحت حضرت ابو العالیہ ﷺ کا قول ہے یا اس کا آپ کہیں گے کہ یہ تو ابو العالیہ کا قول ہے، حدیث کیسے ہو گیا؟ تو سنیئے ہمارا اہلِ سنت کا یہ مسلک ہے بلکہ جمہور محدثین کا یہ مذہب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قول فعل تقریر حدیث ہے، صحابی کا قول فعل تقریر حدیث ہے اور تابعی کا قول فعل تقریر حدیث ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حضور ﷺ کی حدیث حدیثِ مرفوع ہے، صحابی کی حدیث حدیثِ موقوف ہے اور تابعی کی حدیث حدیثِ مقطوع ہے، مگر حدیث ہونے کا اعتراف تو سب کو ہے۔ حضرت ابو العالیہ کا قول پیش کرتا ہوں جو محدثین کی اصطلاح میں حدیث ہے اور بخاری شریف جلد ثانی میں موجود ہے۔ قرآن کی آیت "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ" کی تفسیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ابو العالیہ کا قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں

صلوة الله ثنائه علیه عند الملائكة

☆ یہ الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ" یعنی اللہ اپنے نبی پر صلوٰۃ فرماتا ہے۔ اللہ کی صلوٰۃ کے بہت سے معنی ہیں، نور الانوار اور جمہور کی دوسری کتابوں میں آپ نے پڑھے ہوں گے۔ لیکن حضرت ابو العالیہ نے جو معنی بیان کئے ہیں، ان سے کسی اور معنی کی نفی نہیں ہوتی۔ آپ فرماتے ہیں "صلوٰة الله ثنائه عند الملئكة" یعنی اللہ کی صلوٰۃ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے نزدیک اپنے محبوب کی تعریف کرتا رہتا ہے۔ "یصلون" مضارع ہے اور مضارع میں استمرار ہے۔ اب

اللہ تعالیٰ یہ صلوٰۃ کب سے فرمارہا ہے اور کب تک فرماتا رہے گا؟ کوئی ابتداء ہے؟ اللہ تعالیٰ کے اس صلوٰۃ کی ابتداء کوئی بیان کر سکتا ہے اور کب تک اللہ تعالیٰ یہ کرے گا، کوئی بتا سکتا ہے کہ "صلوٰۃ علی النبی" کا یہ فعل کب تک ہوگا اور اس کی انتہا کب ہوگی؟ اَللّٰہُ اَکْبَرُ

☆ کب سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی تعریف کر رہا ہے اور کب تک کرے گا؟ کوئی نہیں بتا سکتا۔ اس میں استمرار ہے اور اللہ کی ثنا اپنے نبی پر مستمر ہے۔ دائم ہے۔ اللہ یہ ثناء کر رہا ہے اور ثناء کرتا رہے گا۔ ثناء کے معنی ہیں کسی کی خوبی بیان کرنا۔ حضور ﷺ کی ثنا تو اب ختم ہو جانی چاہئے تھی۔ اتنا عرصہ گزر گیا، تعریف ختم ہو جانی چاہئے تھے۔ لیکن ایمان سے کہیئے، یہ ثناء اب بھی ہو رہی ہے یا نہیں؟ اور جاری رہے گی کہ نہیں رہے گی؟ ارے حضور ﷺ کی خوبیاں ختم ہوں تو ان خوبیوں کا بیان بھی ختم ہو۔

حسنش	غایتے	دارد نہ	سعدی را سخن پایاں
بمیرد	تشنہ مستقی	و دریا	ہم چناں باقی

☆ ان کے کمالات، ان کی خوبیوں کی انتہا ہو تو بات ختم ہو، اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی ثناء فرمارہا ہے، ان کی تعریف کر رہا ہے۔ "صلوٰۃ اللّٰہ ثناءہ عند الملئکۃ" یہ بات ذہن میں رکھیے اور سنیئے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام "محمد" نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام "محمود" رکھا۔ اللہ، اللہ حضرت حسان بن ثابت کے کلام میں ایک مصرعہ آتا ہے

فذو العرش محمود وھذا محمد

☆ عرش والا "محمود" ہے یہ "محمد" ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا نام "محمد" کیوں نہیں رکھا۔ اپنے محبوب کا نام صرف "محمود" رکھ دیتا اور اپنا نام "محمد" رکھ لیتا لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا۔ "محمد" فقط حضور کا نام ہے۔ اللہ کے ناموں میں کہیں "محمد" نہیں ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ لفظ "محمد" کے جو معنی ہیں وہ ہم اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ "محمد" کے معنی ہیں بہت تعریف کیا ہوا۔ تو ہم مانتے ہیں کہ اللہ بہت تعریف کیا ہوا ہے۔ مانا کہ اللہ "محمد" ہے مگر لفظ "محمد" اللہ کا نام نہیں ہے، اللہ کا نام نہیں ہے، یہ نام فقط حضور کا ہے۔ اس کی وجہ آپ کو بتاؤں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ساری کائنات تو اللہ کی حمد کرتی ہے۔ ٹھیک ہے ناں؟ اور اللہ خود اپنے مصطفیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ارے اب خود ہی فیصلہ کر لو کہ بندوں کی حمد زیادہ ہوگی یا خدا کی حمد زیادہ ہوگی؟ کیا بندہ خدا کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ" مگر وہ تمام ذرات محدود ہیں۔ متناہی ہیں اور اللہ کی قسم خدا جو اپنے محبوب کی تعریف کرتا ہے، وہ لامتناہی ہے۔ تو بات سمجھ میں آ گئی۔

☆ بھئی یہ بتائیے، تعریف عیب کی ہوتی ہے یا خوبی کی؟ یقیناً تعریف خوبی کی ہوتی ہے اور عیب کی تو مذمت ہوتی ہے۔ آپ کسی کی خوبیاں بیان کرتے ہیں، جہاں عیب سامنے آ جائے گا، وہاں تعریف ختم ہو جائے گی اور حضور ﷺ کی تعریف کہیں ختم ہوتی ہے؟ ارے جہاں عیب ہو ہی نہ، وہاں تعریف کیسے ختم ہو؟ معلوم ہوا کہ یہاں عیب ہے ہی نہیں اور جو کوئی ان میں عیب تلاش کرے تو وہ محبت کی آنکھ نہیں کہلائے گی۔ یہ سمجھنے کی بات ہے کہ اتباع کا بنیادی نقطہ محبت ہے اور محبت کا بنیادی نقطہ "حبک الشیء یعمی ویصم" ہے یعنی

محبت کا کام یہ ہے کہ محبت والے کی آنکھ محبوب کا عیب دیکھنے سے اندھی ہو جاتی ہے، اسے محبوب کا عیب نظر نہیں آتا اور محبت والے کا کان محبوب کا عیب سننے سے بہرا ہو جاتا ہے اور یہ تو وہاں ہے جہاں عیب ہے اور جہاں عیب ہے ہی نہیں وہاں کسی کو عیب نظر آئے تو وہ محبت کی آنکھ کیسے ہو سکتی ہے۔ بعض لوگوں نے حضور پر نور ﷺ کی پانچ غلطیاں نکالیں۔ نعوذ باللّٰہ! ایک اور شخص نے بائیس غلطیاں قرآن سے نکالیں۔ ہائے کاش، اتنا وقت ہوتا تو میں ایک ایک آیت پڑھ کر بتاتا کہ جن جن آیتوں کو انہوں نے رسول کی غلطی کی دلیل بنایا، خدا کی قسم وہ ایک ایک آیت جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی دلیل ہے اور کمالِ محمدی (ﷺ) کی دلیل ہے۔ "عَبَسَ وَتَوَلّٰی۔ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی۔ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی۔ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ اللہ اللہ، اتنا وقت نہیں۔ ورنہ ایک ایک آیت کریمہ تقریر کا پورا موضوع ہے اور میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ان آیات کے اندر خدا نے اپنے محبوب کے حسن محبوبیت کا جلوہ ظاہر فرمایا ہے۔

آنکھ والا تیرے جلوے کا تماشا دیکھے!
کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے؟

☆ میرے دوستو اور عزیزو! جو قوم رسول ﷺ میں عیب نکالتی ہے اور جو کہتی ہے کہ ان کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں، جو کہتی ہے کہ وہ مر کر مٹی میں مل گئے، جو کہتی ہے کہ جن کا نام "محمد" یا "علی" ہے ان کو کسی چیز کا اختیار نہیں اور جو معاذ اللّٰہ ان کو شک وشبہ میں مبتلا سمجھتی ہے، بھئی دجال کا مسئلہ عقلی مسئلہ ہے یا الہامی مسئلہ ہے؟ ارے یہ تو الہامی مسئلہ ہے۔ یہ تو وحی الٰہی سے متعلق ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحی سمجھنے میں، اللہ کی وحی کی مراد جاننے میں ساری عمر شبہ میں مبتلا رہے اور دجال کے بارے میں ان کا اندیشہ ساری عمر بالکل صحیح نہ ہوا اور شک وشبہ کا شکار رہے؟ بولو، کیا رسالت کے معنی یہی ہیں؟ کیا رسالت کا مفہوم یہ ہے؟ کیا رسالت کے لئے یہ بات ممکن ہے؟ متصور ہے؟ تو لوگ آج یہ کہہ رہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد یہ بات ثابت کردی کہ رسول کا اندیشہ دجال کے بارے میں صحیح نہ تھا اور یہ کہے کہ معاذ اللّٰہ رسول ان معاملے میں شک وشبہ میں مبتلا رہے، ایمان سے کہنا کہ اس کی نظر کیسی نظر ہے؟ کیا یہ محبت کی آنکھ ہو سکتی ہے؟ بس پتا چل گیا کہ اتباع کا بنیادی نقطہ محبت ہے اور محبت کی دلیل محبوب کو بے عیب دیکھنا ہے۔ ارے لوگوں کو تو اپنے محبوب میں عیب ہوتے ہوئے بھی نظر نہیں آتا اور میرے آقا تو ہیں ہی بے عیب، محبت والوں کو تو عیب بھی حسن نظر آتا ہے اور جن آنکھوں کو حسن بھی عیب ہی نظر آئے تو وہ محبت کی آنکھ کیسے ہو سکتی ہے؟ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی محبت کا پیغام ہمیں دیا اور میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اتباع بغیر حب کے نہیں ہو سکتی اور حب کی انمٹ نشانی یہ ہے کہ حضور کی ذات میں کوئی غلطی نظر نہ آئے۔ حضور ﷺ کے کمالات کی نفی نہ کرتا ہو، حضور ﷺ کی حیات کا نافی نہ ہو، حضور ﷺ کے کسی کمال کا انکار نہ کرتا ہو، وہ حضور ﷺ کا محب ہو سکتا ہے۔ اور جن کی نگاہیں ہر وقت حضور کا عیب تلاش کر رہی ہیں کہ کسی بات کی لاعلمی ثابت ہو جائے، کسی بات میں معاذ اللّٰہ حضور سے غلط کام ہونا ثابت ہو جائے، کسی بات میں اجتہادی غلطی نکل آئے، کسی بات میں ان کا کوئی عیب ظاہر ہو جائے،

ارے ظالمو! جب تمہاری نگاہیں عیب جو ہیں تو پھر یہ نگاہ صدیق اکبر کی نگاہ نہیں ہو سکتی۔ یہ تو ابوجہل کی نگاہ ہے۔ بلبل کا کام کیا ہے؟ جب اڑتی ہے تو اس کی نگاہیں دیکھتی ہیں کہ پھول کہاں ہے؟ وہ پھول کو ڈھونڈتی ہوئی جاتی ہے اور کرگس کی حالت کیا ہے؟ وہ جب اڑتا ہے تو دیکھتا ہے کہ مردار کہاں پڑا ہے؟

☆ میرے دوستو! جو حضور کے دشمن ہیں، وہ عیب کا مردار ڈھونڈ رہے ہیں اور جو چمنستانِ رسالت کی بلبلیں ہیں وہ حضور کے حسن و جمال کے پھول تلاش کر رہی ہیں۔ ایک بات آپ کو بتا دوں کہ محبت کی کھلی نشانی یہ ہے کہ جب محبوب کا نام آئے تو عظمت و وقار سے گردنیں جھک جائیں۔ جب محبوب کا نام آئے تو چہرے ہشاش بشاش نظر آئیں۔ مگر وہ چہرے جو کہ حضور کی عظمت کا ذکر سنتے ہی مرجھا جائیں اور جن پر سیاہی چھا جائے، کیا وہ محبت والے کا چہرہ ہو سکتا ہے؟ اللہ اکبر! ارے بھئی، محبت والا جب محبوب کی بات سنتا ہے، اس کا چہرہ ہشاش بشاش نظر آتا ہے، عظمت و وقار سے اس کی گردن جھک جاتی ہے اور پھر بے اختیار اس کی زبان سے "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" کا نعرہ نکلتا ہے اور جب پیارے مصطفیٰ کا نام آتا ہے تو بے اختیار اس کے انگوٹھے آنکھوں تک اٹھ جاتے ہیں، یہ بے اختیار فرطِ محبت میں حضور کا نام اقدس چوم لیتا ہے۔ یہ تمہارا فرطِ محبت میں نام چومنا، یہ تمہارا جھومنا، یہ "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" کا نعرہ بلند کرنا، یہ محبت کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر قائم رکھے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

مقربینِ خدا

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ" (پ۱۱: یونس ۶۴)

☆ ترجمہ: ان کے لئے بشارت ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں

☆ محترم حضرات! اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ اپنے مقربین کو دنیا اور آخرت کی بشارتیں فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

☆ ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ "یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔"

☆ یہی بہت بڑی فلاح، کامیابی وکامرانی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے اس آیت کریمہ میں معرفت اولیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حق میں جو کچھ ارشاد فرمایا، اس کی تفصیل قیامت تک نہیں ہوسکتی۔ چند گزارشات پیش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

☆ ترجمہ: خبردار! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

☆ اس آیت میں "الا" کلمہ تنبیہ ہے کہ غافلو! بے خوف سونے والو! ہوشیار خبردار اور بیدار ہو جاؤ۔ کیوں؟ اس لئے کہ "اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ" بے شک اللہ کے ولیوں پر "لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ" نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کلمہ تنبیہ فرما کر اولیاء اللہ کی شان بیان فرمائی ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے؟

☆ اللہ جل مجدہٗ نے کلمہ تنبیہ کیوں فرمایا؟ حالانکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ارکان اور احکام شرع کو قرآن میں بیان فرمایا لیکن یہ کلمہ تنبیہ "الا" اولیاء اللہ کے حق میں فرمایا۔ کیوں؟ اس لئے کہ لوگ اولیاء اللہ کے مقام کو نہیں جانتے اور نہ لوگوں کو ان کی معرفت حاصل ہے۔ اب یہاں جتنے لوگ بیٹھے ہیں، مجھے ان کی معرفت نہیں کہ ان میں کتنے ولی ہیں۔

☆ اللہ جل مجدہٗ نے ان کی معرفت کے حصول اور ان کی شان کو جاننے کے لئے ان کی بارگاہ میں ادب واحترام کے تقاضوں کو پورا کرنے اور گستاخی سے بچنے کے لئے تنبیہ فرمائی کہ تم بیدار، ہوشیار اور خبردار ہو کر بارگاہِ ولایت کی طرف متوجہ ہو جاؤ کہ کہیں تم سے ادنیٰ درجہ کی بے ادبی نہ ہو جائے۔ کیوں؟ اس لئے اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے پہلے ہی فرما دیا کہ

من عادیٰ لی ولیًا فقد اذنتهٗ للحرب (حدیث قدسی)

☆ "جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میری طرف سے اس کو میرا اعلانِ جنگ ہے۔" کون ہے جو اللہ تعالیٰ کا یہ اعلانِ جنگ قبول

کرے۔

☆ عزیزانِ گرامی!

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

☆ حضور سیدی داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے ایسے کامل ولی ہیں کہ ہزاروں لاکھوں کامل اولیاء اللہ نے یہاں سے فیض پایا۔ حتیٰ کہ چشتیوں کے سرتاج، آفتاب وماہتاب اور امام سلسلہ طریقت سیدی خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس آستانہ عالیہ پر آ کر معتکف اور مستفیض ہوئے۔ اور وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو عقیدت اور محبت کے ساتھ یہاں حاضر ہوتے ہیں اور اپنی مرادوں سے اپنے دامن بھر کر جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی مرادیں کس شکل اور کس نوعیت سے پوری ہوتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ علم اور حکمت الہیہ کے مطابق ان کا ظہور کب ہوتا ہے؟ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو مانگا وہی مل گیا بعض دفعہ اس کی مثل ملا۔ کبھی ایسا ہوا جتنا مانگا اس کی (مثل) برابر تکلیف اور بلا ٹل گئی، بعض دفعہ دعاؤں کو آخرت کے لئے جمع کر لیا جاتا ہے اور بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعاؤں کو رفع مراتب اور عروج درجات کے لئے محفوظ رکھ لیتا ہے۔ بہر حال داتا کے دربار پر حاضری دینا اور اس حاضری میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ان حضرات کے توسل اور وسیلے سے طلب کرنے اور مانگنے والا کبھی خالی نہ جائے گا۔ ہاں جو یہ خیال کر کے آئے کہ خالی جاؤں گا تو وہ خالی ہی جائے گا۔

☆ عزیزانِ محترم! اولیاء، ولی کی جمع ہے۔ ''ولی'' فعیل کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور علماء لغت نے ولی کے انیس، اکیس اور تئیس معنی بیان کئے ہیں۔ لفظ ''ولی'' کے معنی کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں۔ فقط اتنا عرض کرتا ہوں کہ ''ولی'' کے معنی متصرف قریب، محب اور محبوب کے ہیں۔ یعنی جو قریب، محبت کرنے والا، محبت کیا ہوا اور تصرف کرنے والا ہو۔

مقامِ ولایت کبھی زائل ہونے والی چیز نہیں

☆ عزیزانِ گرامی! اللہ تعالیٰ جن خوش نصیب بندوں کو مقام ولایت عطا فرماتا ہے ان کی ولایت کو کبھی زائل نہیں فرماتا۔ یہ نہیں کہ جب تک وہ دنیاوی زندگی میں زندہ رہے تو ولایت کے کمال پر فائز رہے اور جب ان کا وصال ہوا تو ولایت ختم ہوگئی۔ ایسا نہیں ہوا کرتا۔ لوگ یہی کہتے ہیں کہ یہ بزرگ اور اللہ کے نیک بندے تھے۔ ان کی زندگی میں ان کے پاس آنا، ان کی زیارت کرنا، دعائیں کرانا فائدہ مند ہو سکتی تھیں۔ اب ان کے مرنے کے بعد ان کے پاس کیا رکھا ہے۔ وہ مر کر مٹی ہو گئے ہیں۔ اب ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ اب یہاں آ کر کیا لو گے......؟ یہ ایک ایسا غلط نظریہ ہے کہ اس کی اسلام کی تعلیم کی روشنی میں کوئی بنیاد نہیں۔ کیونکہ نبوت، صدیقیت، شہادت، صالحیت، ولایت اور ایمان وتقویٰ ایسی نعمتیں، کمالات اور اوصاف ہیں جو ملنے کے بعد واپس نہیں ہوتے۔ موت کا قانون نبی، صدیق اور ولی پر طاری ہوتا ہے، مگر نبوت، صدیقیت اور ولایت مردہ نہیں ہو سکتی۔ وہ زندہ ہے۔ ولایت زندہ ہے اور

ولایت صفت ہے اور صفت کا وجود موصوف کے بغیر محال ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ صفت عرض ہے اور عرض قائم بالذات نہیں ہوتا۔ عرض جوہر کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ ولایت کا وجود دلیل ہے کہ ولی موجود ہے۔ صالحیت صالح کے ہونے کی دلیل ہے۔ اگر تم کہو کہ صالحیت مرگئی تو پھر میں یہی کہوں گا کہ تمہارا ایمان بھی مرگیا اور تمہارے سارے اعمال ختم ہو گئے۔

☆ تمہارے حج، زکوٰۃ، روزے، نمازیں اور دیگر نیکیاں جو ایمانی کمالات ہیں، سب ختم ہو گئے۔ عجیب نظریہ ہے۔

ایک زبردست شبہ

☆ عزیزانِ محترم! لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم نبیوں اور ولیوں کو زندہ مانتے ہو۔ بس صرف اتنا مانتے ہو کہ ایک آن کے لئے ان پر قانونِ موت طاری ہوتا ہے پھر حیاتِ مثل سابق وہی ہوتی ہے۔ گویا ایک آن کے بعد ان کو حیاتِ سابق مل گئی تو تم نے زندہ کو غسل دیا، کفن پہنایا اور قبر میں دفن کردیا۔ تو گویا تم نبیوں اور ولیوں کو زندہ درگور کرنے والی قوم ہو۔ یہ ایک زبردست شبہ ہے۔ اس کا ازالہ میں کر دینا چاہتا ہوں۔ بشرطیکہ آپ متوجہ ہیں تو

شبہ کا ازالہ

☆ عزیزانِ گرامی! نہایت اجمال کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام پر موت کا قانون طاری اس لئے ہوتا ہے کہ الوہیت اور عبدیت کا فرق قائم ہو جائے۔ لوگوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو پوجا۔ حضرت عیسیٰ اور عزیر علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پرستش کی۔ بہت سے ولیوں کو معبود بنایا اور وہ معبود نہیں ہو سکتے؟ کیوں؟ اسلئے کہ جو معبود ہو اس کیلئے موت کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ موت کا قانون طاری ہو تو اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں اور اولیاء اللہ پر موت کا قانون طاری کرنا اپنا قانون بنادیا اور فرمایا

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

☆ اور رسول کریم ﷺ کے متعلق آیا

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (پ۲۳: آیت ۳۰)

☆ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود فرمایا، ''انی مقبوض'' ''میں قبض کیا جانے والا ہوں۔''

☆ ان آیات واحادیث سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء وصلحاء پر موت واقع ہو گئی پھر یہ کہنا کہ ان کو حیات دوبارہ مل گئی، تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان مقدس حضرات کو زندگی دوبارہ ملنا بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

''فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً'' (پ۱۴: س النحل: آیت ۹۷)

ترجمہ ☆ تو ہم اسے زندہ رکھیں گے، پاکیزگی کے ساتھ۔

☆ ان کا موت کے بعد زندہ ہونا اور موت کا طاری ہونا، دونوں باتیں قرآن سے ثابت ہیں۔ بعض لوگوں نے ''فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً'' سے حیات اخروی مراد لی ہے اور میں بھی کہتا ہوں کہ حدیث میں آتا ہے

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ

ترجمہ☆ جو مر گیا، اس پر قیامت قائم ہوگئی۔

☆ اور قیامت عالم آخرت سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا اس کے مرنے کے بعد حیات اخروی ہوگی۔ رہا یہ کہ وہ حیات جسمانی، برزخی، اخروی یا حقیقی اور مجازی ہوگی یعنی وہ حیات کیسی ہوگی؟ تو بھائی اس کے لئے آپ کو ایک بات بتاتا ہوں کہ اللہ نے اس کو حیات سے تعبیر فرمایا اور قرآن نے "فَلَنُحْیِیَنَّهٗ" انبیاء وصدیقین اور صالحین اور مومنین کے لئے فرمایا اور اس کو یہ کہنا کہ وہ عالم آخرت کی حیات ہے تو میں نے بتادیا کہ حدیث میں آیا

☆ جو مر گیا اس پر قیامت قائم ہوگئی۔

☆ موت کے بعد جو حیات ہوگی وہ اس آیت کا مصداق قرار پائے گی۔ اب وہ حیات جسمانی ہے یا روحانی، دنیاوی ہے یا اخروی۔ میں اس کا قائل نہیں ہوں کیونکہ حیات حیات ہے اور حیات کے معنی ہیں "الحیاۃ صفۃ"

☆ حیات ایک ایسی صفت ہے جو سمع، بصر، ارادے، علم اور قدرت کو صحیح قرار دیتی ہے۔

☆ اس صفت مشاہدہ کا نام حیات ہے۔ یہ اعتراض صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو بدن کے اندر روح کو حیات سمجھتے ہیں کہ روح ہے تو حیات ہے اور روح نکل گئی تو موت ہے۔ میں کہتا ہوں حیات اور موت کا یہ مفہوم بالکل غلط ہے جو کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔ حیات ایک عام چیز ہے جو ممکن کے لئے بھی ہے اور واجب کے لئے بھی۔ ایسے ہی جیسے وجود ممکن کے لئے بھی ہے اور واجب کے لئے بھی، اگر آپ حیات کے لئے مستقل یہی تعریف کریں کہ روح ہے تو حیات ہے ورنہ موت، تو اللہ کے لئے صفت حیات کبھی ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اللہ روح اور بدن سے پاک ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ روح بدن میں ہے تو حیات ہے، یہ غلط ہے کیونکہ حیات وہ صفت مشاہدہ ہے کہ جو علم، قدرت حیات، ارادہ، سمع اور بصر کو صحیح قرار دینے والی ہو۔ اس صفت کا نام حیات ہے۔ اگر اس کا تعلق جسم سے ہو جائے تو جسمانی حیات ہے۔ اس کا تعلق روح سے ہو تو روحانی حیات ہے۔ دنیا میں ہو تو دنیاوی حیات ہے۔ قبر میں ہو تو برزخی حیات ہے۔ اور اگر آخرت میں ہو تو اخروی حیات ہے۔ تو جو لوگ دنیا اور برزخی حیات میں فرق نکالا تو انہوں نے غلط سمجھا۔ اور یہ فرق قرآن و حدیث کی روشنی میں غلط ہے کیونکہ حیات تو ایک صفت ہے۔ جو علم، قدرت، ارادہ، سمع اور بصر کو صحیح قرار دیتی ہے۔ اور پھر یہ کہنا کہ حیات برزخی کی حقیقت اور ہے اور اخروی کی اور......! اور حیات دنیاوی کی حقیقت اور......! تو یہ کہنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ حیات بذاتِ خود ایک حقیقت ہے۔ اس کا تعلق دنیا میں ہو تو دنیاوی حیات ہے۔ عالم برزخ میں ہو تو برزخی عالم۔ آخرت میں ہو تو اخروی۔ مگر حقیقت نہیں بدلے گی۔ یہ دنیاوی، برزخی اور اخروی کے الفاظ علماء نے زمان و مکان کے اعتبار سے استعمال کئے ہیں، حقیقت کے اعتبار سے نہیں (آپ نے بار بار زور دے کر فرمایا) حقیقت حیات (صفت حیات) ایک ہے، اس لئے صدیقین، شہداء اور اولیاء زندہ ہیں۔ بلکہ "فَلَنُحْیِیَنَّهٗ" میں "ہٗ" کی ضمیر ہر عمل صالح کرنے والے مومن کی طرف ہے۔ لہٰذا اس حیات میں ہر مومن شامل ہے۔

ایک اعتراض

☆ اگر آپ کہیں کہ ہمارے نزدیک حقیقت کے اعتبار سے حیات کی کوئی تخصیص نہیں تو پھر آپ نے اس کو زندہ در گور کیسے نہیں کیا؟

جواب: تو میں کہوں گا کہ آپ اس حقیقت کو کبھی نہ بھولیے گا کہ غسل دینا، کفن پہنانا اور دفن کرنا، یہ احکام قانونِ موت کے ساتھ متعلق ہیں اور یاد رکھیے کہ

اذا ثبت الشیء ثبت بجمیع لوازمه

☆ جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو وہ اپنے جمیع لوازمات ومناسبات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

☆ لہٰذا جب ہم کسی اللہ کے ولی، صدیق، شہید اور صالح کو غسل دیتے اور کفن پہناتے ہیں اور جنازہ پڑھ کر دفن کرتے ہیں تو یہ احکام الٰہی جو موت کے قانون کے وقت مرتب ہوتے ہیں، ہم بجالاتے ہیں۔

ایک اور اعتراض

☆ آپ کہیں گے کہ آپ حیات کو مانتے ہیں تو پھر زندہ در گور کرنے کا کیا مفہوم ہوگا؟

جواب ☆ تو میں عرض کروں گا کہ حقیقت حیات یقیناً ایک ہے یعنی نبی کے لئے بھی اسی طرح ہے، جیسی پہلے تھی۔ صدیق، شہید اور اولیاء کی حیات بھی اس طرح جیسے پہلے تھی، کوئی فرق نہیں۔ حقیقت بالکل نہیں بدلی۔ مگر فرق اتنا ہے کہ وہ ظاہری حیات ہماری آنکھوں سے غائب ہوگئی۔ حدیث پاک ہے کہ

☆ ملائکہ ہماری آنکھوں سے غائب ہیں۔

☆ جس طرح ملائکہ کے وجود کو ہم مانتے ہیں۔ مگر نظر نہیں آتے، اسی طرح ہم انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء کی حیات کو مانتے ہیں مگر وہ بھی ہمیں نظر نہیں آتے۔ تو کسی چیز کا ہمیں نظر نہ آنا، نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے اور وہ ہماری آنکھوں سے اس لئے غائب ہیں کہ اگر ہم ان کے اندر آثارِ حیات کا اپنے حواس سے مشاہدہ کریں تو ہمارے لئے ان کو غسل دینا، کفن پہنانا، جنازہ پڑھنا اور دفن کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آثارِ حیات کو ہمارے لئے غائب کردیا تاکہ ہم احکام شرع بجالائیں۔ میں سمجھانے کے لئے ایک مثال دیتا ہوں کہ چراغ ایک گھر میں روشن ہے لیکن آپ نے اس چراغ کو اٹھا کر ایک الٹی دیگ کے نیچے رکھ دیا۔ اب گھر کے اندر اندھیرا ہوگیا مگر چراغ الٹی دیگ کے نیچے ویسے جل رہا ہے۔ اس کا نور ختم نہیں ہوا۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے اس چراغ سے گھر جگمگا رہا تھا۔ اب وہ خود سمٹ کر دیگ کے اندر موجود ہوگیا ہے اور ہمیں اس لئے اندھیرا نظر آتا ہے کہ ہماری آنکھوں سے غائب کردیا گیا ہے۔ ملائکہ کی طرح انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء کی حیات کو ہمارے حواس سے غائب کردیا گیا، مثل چراغ کے کہ روشن ہے تو گھر جگمگا رہا ہے اور اگر روشنی ہانڈی یا دیگ کے نیچے ہے تو گھر بے نور ہے مگر اس کی روشنی قائم ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار جب مدینہ میں تشریف لائے تھے اور مدینے میں جلوہ گر ہوئے تو مدینے کی ہر چیز روشن ہوگئی اور جب حضور قبر انور میں جلوہ گر ہوئے تو ہر چیز تاریک نظر آنے لگی۔ تو پتہ چلا وہ نور فنا نہیں ہوا، وہ نورِ حیات ختم نہیں ہوا، وہ موجود ہے۔ مگر ہمارے مشاہدے، حواس اور آنکھوں سے

غائب ہو گیا۔ نورِ حیات کے غائب ہونے اور قانونِ موت کے طاری ہونے کو ایک ساتھ ملانے کے بعد غور کرو تو کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا اور کسی قسم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

☆ بہر حال میں نے حقیقت حال سمجھانے کے لئے بتا دیا کہ انبیاء پر قانونِ موت اس لئے طاری ہوا کہ الوہیت کی نفی ہو جائے اور موت کے بعد ان کی حیات کو ہمارے مشاہدے اور حواس سے اس لئے غائب کر دیا گیا تا کہ قانونِ موت کے احکام مرتب ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

☆ عزیزانِ محترم! مشہور حدیث پاک ہے کہ ایک اعرابی قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر آیا کہ اے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والو! میرے حبیب کی بارگاہ میں آ جاؤ اور میرے حبیب تمہاری سفارش فرما دیں تو مجھے "غَفُورٌ رَّحِیْم" پاؤ گے۔" چنانچہ وہ اعرابی حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ سرکار اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ بہت رویا اور سرکار کی قبر انور سے لپٹ گیا۔ قبر انور سے آواز آئی

فنودی من القبر انه قد غفرلك

☆ کہ "تجھے اللہ نے بخش دیا ہے۔"

☆ اس آواز کو ابن تیمیہ اور اس کے متبعین نے نعوذ باللہ شیطان کی آواز کہا۔ اس سے مومن کے قلب کو انتہائی صدمہ ہوا۔ یہ ان کی بدعقیدگی کا بنیادی نقطہ ہے۔

☆ عزیزانِ گرامی! میں نے مسلم شریف کی یہ حدیث بارہا پڑھائی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر سرکار گزر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام سرخ اونٹنی پر سوار، احرام باندھ کر تلبیہ کہتے ہوئے جا رہے ہیں۔ پھر فرمایا گویا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھ رہا ہوں کہ حج کا احرام باندھے تلبیہ کہتے رہے ہیں۔ تو نگاہِ نبوت نے انبیاء کو حج کرتے دیکھا۔ معدوم تو دیکھنے کی چیز نہیں ہوتی۔ حقیقت ہی ہمیشہ رنگ لاتی ہے اور کائنات کی ہر چیز غلط ہو سکتی ہے، مگر نگاہِ نبوت غلط نہیں ہو سکتی۔ حضور نے خود ان کا واقع میں زندہ ہونا دیکھا۔ سرکار کی نظر مبارک اور زبانِ اقدس سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہو گیا۔ یہی نہیں بلکہ ایک اور مسلم شریف کی حدیث کہ معراج کی رات

مررت علی موسٰی لیلة اسری بی عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره

"معراج کی رات میں سرخ ٹیلے کے قریب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔"

☆ حدیث پاک کے دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ

مررت علی الكثيب الاحمر بقبر موسٰی فرأيته يصلي قائم في قبره

☆ فرمایا، "میں کثیب الاحمر کے مقام پر موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرا" "فرأیت" پس میں نے دیکھا "یصلی قائم فی قبرہ" کہ اپنی قبر انور میں کھڑے ہو کر وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اب قبر انور میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اور سرکار کا یہ فرمانا فرأیته کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ان کی شبیہ اور صورت کا ذکر ذکر نہیں فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھنے کا ذکر ہے۔ اگر وہ زندہ نہ ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام کو دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ بہر حال لوگ لاکھ شکوک و شبہات پیدا کریں۔ الحمد للہ! مردِ مومن کامل اس کو کبھی قبول نہیں کرے گا۔ مومن کا قلب

زبانِ مصطفیٰ اور نگاہ مصطفیٰ کو قبول کریگا۔ جب حضور نے ان کو زندہ دیکھا تو کسی شبہ اور صورت کے دیکھنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

☆ عزیزانِ محترم! قانون موت کا طاری ہونا، غسل کفن ودفن کے احکام کا پورا ہونا۔ بالعموم عادتاً آثار حیات کو ہمارے حواس سے غائب کر دیتا اس لئے کہ الوہیت کی منفی ہو جائے اور پھر اگر کسی نے خرق عقل کے طور پر کچھ دیکھا تو اس لئے کہ حقیقت کا پتہ چل جائے۔ اس کے لئے میں ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔ اس حدیث کو ابن عسا کر دیگر محدثین اور شیخ اجل امام عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوت میں نقل فرمایا۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ جب قبر انور میں جلوہ گر ہوئے تو زیارت کرنے والوں نے زیارت کی۔ آخر میں قثم بن عباس ﷺ نے زیارت کی تو دیکھا حضور انور ﷺ کے لب مبارک ہل رہے ہیں۔ کانوں کو حضور ﷺ کے دہن اقدس کے قریب کیا تو سنا سرکار فرما رہے تھے "اللھم اغفر لامتی" قثم ابن عباس کا یہ دیکھنا خرق عادت کے طور پر ہے۔ اور پھر صرف یہ نہیں بہت سے اولیاء اللہ کے وفات پانے اور موت کا قانون طاری ہونے کے بعد ان کے آثارِ حیات کو بہت سے لوگوں نے خرق عادت کے طور پر دیکھا۔ میں ان سب کی تفصیلات بیان نہیں کر سکتا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ نے سفر میں ایک جگہ قیام کیا۔ اچانک ایک جگہ سے سورۃ "تبارک الذی" پڑھنے کی آواز آئی اور ہمیں یقین ہوا کہ یہاں قبر ہے اور اس میں کوئی انسان سورۃ "تبارک الذی" پڑھ رہا ہے۔ پھر یہ واقعہ صحابہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی، حضور ﷺ! ہمیں پتہ نہیں تھا کہ یہاں کوئی قبر ہے۔ اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں

فاذا فیه انسان یقرء تبارك الذی بیده الملك حتی ختمها

☆ حضور اچانک اس قبر میں محسوس ہوا کہ اس میں کوئی انسان ہے، جس نے "تبارک الذی" پوری پڑھ ڈالی۔

☆ سرکار نے یہ الفاظ صحابہ سے سنے۔ سکوت فرما کر اس کو برقرار رکھا تو اب "واذا فیه الانسان" یہ حضور یک حدیث ہو گی قبر میں انسان کا "تبارک الذی" پڑھنا حدیث سے ثابت ہو گیا۔ یہ آواز عادتاً سننے والی نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طور پر یہ آواز سنوا دی تا کہ پتہ چل جائے کہ قبریں خالی نہیں ہوا کرتیں۔ مومن قبروں میں زندہ ہوا کرتے ہیں۔ اور پھر یہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ "فَلَنُحْیِیَنَّهٗ" اور زبانِ رسالت نے انبیاء کے بارے میں فرما دیا کہ

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء (الحدیث)

ترجمہ☆ بے شک اللہ نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

☆ اور مزید حدیث میں آتا ہے

الانبیاء احیاء فی قبورھم و یصلون

ترجمہ☆ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

☆ آپ لوگوں کے مصرفات کی طرف متوجہ ہوں گے یا اللہ اور اس کے رسول کے فرمان پر ایمان لائیں گے۔ ہمارے لئے اللہ اور رسول کا فرمان ہی قابلِ اتباع ہے۔

☆ عزیزانِ گرامی! لوگ ان آستانوں کو مراکزِ شرک قرار دے رہے ہیں۔ واللّٰہ باللّٰہ ثم تا اللّٰہ اگر توحید کا مرکز ہیں تو یہی آستانے ہیں اور میں یہ کوئی جذباتی بات نہیں کہہ رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" میں "ل" استغراق کے لئے ہے۔ یعنی تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ جب تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں تو پھر کسی کی خوبی نہیں ہونی چاہئے۔ نبی، صدیق، شہید اور نہ کسی اور چیز میں کوئی خوب ہو۔ مظاہر کائنات میں ہزاروں خوبیاں ہیں۔ جیسے جنت، حورانِ جنت، ملائکہ، زمین وآسمان، چاند اور سورج میں بے شمار خوبیاں ہیں۔ اور پھر یہ کیسی بات ہے کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" سب خوبیاں رب العالمین کی ہیں۔ تو پھر یہ مفہوم کیسے واضح ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ تمام خوبیاں تو اس کی ہیں مگر جس میں چاہے اپنی خوبیاں چمکا دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوبیوں کو جزوی طور پر کائنات میں چمکا دیا۔ جزوی خوبیوں کے جلوؤں کو دیکھ کر لوگوں نے توحید کا سبق نہیں لیا۔ اگر ایسا ہوتا تو انبیاء کی حاجت ہی نہ ہوتی۔ عقلاء، حکماء اور فلاسفہ نے اللہ کے حسن کے سب جلوؤں کو دیکھا۔ مگر ذہن اللہ کی طرف منتقل نہیں ہوا۔ ہر (خوبی) اس چیز کی طرف منسوب کر کے گمراہی میں بھٹکتے رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حسن کے اجتماعی جلوے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائے۔ انبیاء کے بعد صدیقین میں، صدیقین سے شہداء میں، شہداء کے جلوے صالحین میں چمکے۔ اس لئے اولیاء اللہ کے ان سب مراکز میں اللہ کے حسن کے جلوؤں کے خوبیاں نظر آ رہی ہیں۔ آستانوں کو شرک کہنے والو! ذرا سوچو! اگر سورج کے نیچے کروڑوں شیشے رکھ دیئے جائیں تو سب کے سب چمک جائیں گے۔ ایک شیشے میں سورج کا جلوہ نظر آیا تو کیا وہ سورج کا شریک بن گیا، نہیں بنا۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ شیشہ شفاف ہو۔ سورج کی روشنی کو اپنے اندر لینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ تو سورج سے کروڑوں شیشے روشن ہو جائیں تو شرک نہیں ہوتا بلکہ ہر شیشہ اس سورج کے حسن کا مظہر قرار پاتا ہے۔ اگر ایک اللہ کا بندہ اپنے دل کے شیشے کو صاف کر کے اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جائے تو یقیناً شیشہ قلب مومن میں اسی کا حسن و جمال چمکتا ہوا نظر آئے گا۔

آنکھ والا تیرے جلوے کا تماشا دیکھے!
دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے؟

☆ یہ انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین، اولیاء کرام اور داتا گنج بخش سب حسن الوہیت کے مراکز اور آئینے ہیں۔ ان میں خدا کا حسن چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے ان کو ولی فرمایا۔ جب ان میں اس کے حسن کے جلوے چمکے تو قریب ہوئے اور ان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوئی۔ جب محبت پیدا ہوئی تو اللہ نے ان کو اپنا محبوب بنا لیا اور ان کو تصرف کا حق دے دیا۔ لہٰذا ولی قریب بھی ہیں اور محبت بھی۔ محبوب بھی ہیں اور صاحب تصرف بھی۔

فضائلِ مدینہ منورہ

☆ محترم حضرات! مدینے کی برکتیں کیا بیان کروں۔ حضور ﷺ کی آمد سے قبل مدینہ یثرب کہلاتا تھا۔ بیماریوں کا گھر سمجھا جاتا تھا۔ آقا تشریف لائے مدینے کو امن کا شہر بنادیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مدینے کے دونوں پہاڑوں کے درمیان حرم پاک ہے۔ یہاں کے جانوروں کو ڈرانا، کسی کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ سرکار نے فرمایا

ان ابراھیم حرم المکۃ انی حرمت المدینۃ مابین لابتیھا لا یقطع عضاھھا ولا یصاد صیدھا رواہ مسلم عن جابر ص

''بے شک حضرت ابراہیم ﷺ نے مکہ مکرمہ کو صاحب حرمت وعزت بنایا اور میں مدینہ منورہ کے اس خطہ کو تکریم و تعظیم بخشتا ہوں جو دو پہاڑوں کے درمیان ہے۔ میرے آقا اس حرم کی پاک زمین پر کھڑے ہو کر دعا فرمارہے ہیں۔ اے اللہ! یہاں کسی پرندے کو نہ چھیڑا جائے۔ وہاں کسی درخت اور کسی رہنے والے کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔''

☆ جس نے حرم مدینہ پاک میں کسی کو ڈرایا۔ تو حضور نے فرمایا

من اذی اھل المدینۃ اذاہ اللہ و علیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین لا یقبل منہ صرف ولا عدل

''اس پر اللہ کی لعنت، اس کے فرشتوں کی اور ان پر سب کی لعنت ہو۔ نہ اس سے کوئی فرض قبول ہو، نہ نفل''

☆ عزیزانِ محترم! بارگاہِ رسالت میں جو پناہ ہے اور کہیں نہیں ہے۔ اسی پناہ کو اللہ تعالیٰ نے زبانِ رسالت پر ارشاد فرمایا

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْآ اَنْفُسَھُمْ جَآءُ وْکَ (پ ۵/ النساء ۶۴)

☆ کاش وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم وستم کئے اور زیادتیاں اور خطائیں کیں اے حبیب! تیرے دربار میں آکر ''فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ'' مغفرت طلب کرتے اللہ سے اور فقط ان کی مغفرت چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا ''وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ'' اور مغفرت طلب کرتا ان کے لئے رسول تو کیا ہوتا؟ ''لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا'' (تو ضرور پاتے اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم فرمانے والا)

☆ عزیزانِ گرامی! اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝

''بڑی برکت والا ہے وہ جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے (مقدس) بندے پر اتاری تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔''

☆ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس بندے حضرت محمد ﷺ پر قرآن نازل فرمایا تا کہ یہ (قرآن) العالمین کے لئے نذیر ہو جائے۔ قرآن آج بھی ہمیں یہ حکم اور پیغام دے رہا ہے کہ جانوں پر ظلم کرنے والو! میرے محبوب کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو جاؤ۔ اللہ کی مغفرت طلب کرو۔ پھر میرے محبوب تمہارے حق میں لب مبارک ہلائیں۔ تمہاری سفارش فرمائیں تو پھر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو "تــوّاب الرحیم" پاؤ گے۔

شبہ

☆ اگر حضور کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہونا بے فائدہ ہے تو یہ آیات کہاں جائیں گی۔ قرآن تو قیامت تک کے لئے ہے اور العالمین کے لئے ہے۔ اگر یہ کہو کہ یہ آیت اسی زمانہ کے لئے خاص تھی کہ جانوں پر ظلم کرنے والو! میرے حبیب کے پاس آ جاؤ تو "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" میں بھی ویسے ہی مخاطب کا صیغہ ہے جیسے "وَلَوْ اَنَّھُمْ" میں ہے۔ تو پھر نماز بھی اس زمانہ کے لئے خاص ہونی چاہئے تھی۔ اگر وہاں مخاطب اور غیر مخاطب قیامت تک مراد ہیں۔ اس لئے ہمارا ایمان ہے کہ "وَلَوْ اَنَّھُمْ" میں ہم سب مراد ہیں۔ اگر سب مراد ہیں تو تمام گناہ گار، سیاہ کار اور خطا کار سب مراد ہیں۔

☆ محترم حضرات! ایک حدیث یاد آ گئی۔ اس حدیث کو ائمہ اربعہ نے بھی روایت کیا اور اس کی سندیں متواتر تک پہنچ گئی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک اعرابی حضور تاجدارِ مدنی ﷺ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ حضور اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ مرقد اطہر کے اندر جلوہ گر ہیں۔

☆ تو وہ اعرابی بے ہوش ہو کر نبی کریم کی قبر انور سے لپٹ گیا۔

☆ اور عرض کی، "یارسول اللہ (ﷺ)! میں سیاہ کار، گناہ گار، خطا کار اپنے گناہ بخشوانے کے لئے یہ آیت "وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ" پڑھ کر آیا ہوں۔ میرے آقا! میں تو آپ کی سفارش حاصل کرنے، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ میرے آقا! جب تک میرا مقصد پورا نہیں ہوگا، میں واپس نہیں جاؤں گا۔"

☆ تو حدیث میں آتا ہے

فنودی من القبر انه قد غفرلك

☆ سرکار کی قبر انور سے آواز آئی کہ اے میرے غلام! تجھے میرے اللہ نے بخش دیا۔

☆ عزیزانِ محترم!

☆ اس حدیث پاک سے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضور تاجدارِ مدنی ﷺ حیاتِ حقیقی کے ساتھ قبر انور میں زندہ ہیں اور اگر زندہ نہ مانیں تو

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ

☆ کا کیا مقصد اور مطلب ہوگا؟ جب سرکار نہ ہوں تو خطا کاروں کا آپ کی بارگاہ میں آنے کا کیا مقصد ہوگا؟ شرع میں ایک مسئلہ

ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "واللّٰہ! لا اکلمہ کلامی" "خدا کی قسم! میں کبھی اس سے بات نہیں کروں گا۔" "فتکلمہ بعد موتہ" "تو اس نے مرنے کے بعد اس سے کلام کیا۔" اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ کلام کے قابل نہیں رہا۔ اگر میرے آقا مردہ ہوں تو آپ اس قابل کب ہیں، کوئی آپ کے پاس اپنی حاجتیں پیش کرے۔ مرنے والا تو کسی قابل نہیں ہوتا۔ وہ تو کسی کام کا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ میرے آقا زندہ ہیں اور ان کے دامن سے لپٹنے والا ہر غلام زندہ ہے۔ مومن اور کافر کا فرق یہی ہے کہ کافر مرتے ہی مر جاتا ہے بلکہ مرنے سے پہلے ہی مر جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (پ ۲۱: الروم: آیت ۲۵)

☆ میرے پیارے ان کو تو کیا سنائے گا یہ تو چلتے پھرتے مردے ہیں۔ ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ کو خدا نے ان کی زندگی میں ان کو مردہ فرمایا اور مومنین کے لئے آیت

بَلْ اَحْيَاۤءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (پ، آل عمران، آیت ۱۶۹)

ترجمہ ☆ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

☆ میرے پیارے جو تیرے دامن سے لپٹ گیا وہ حیات ابدی کے ساتھ زندہ ہو گیا۔ میں ہر مومن کو اس کے مرتبہ کے مطابق زندہ مانتا ہوں۔ خاص مومن کی زندگی عام مومن کی زندگی سے اعلیٰ ہے۔ خاص الخواص کی زندگی ان سے اعلیٰ ہے۔ صدیقین کی زندگی سب سے اعلیٰ ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا تو کہنا ہی کیا؟ ان کی زندگی تو ہمارے تصور سے بالاتر ہے اور سرکار وادی ارزق دیکھ کر فرما رہے ہیں کہ وہ حضور یوسف ﷺ اونٹنی کی مہار ہاتھ میں لئے تلبیہ کہتے ہوئے آ رہے ہیں۔ موسیٰ ﷺ تلبیہ کہتے ہوئے گزر رہے ہیں اور اسی طرح حضرت یحیٰی ﷺ تلبیہ کہتے ہوئے آ رہے ہیں۔ اس لئے حدیث میں آتا ہے۔ ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی نے کتاب حیاۃ الانبیاء میں روایت کیا

عن انس ﷺ ان النبی ﷺ قال الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ویحجون

"حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں۔"

☆ قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے بھی حضور کا زندہ ہونا واضح ہے۔ کیونکہ حضور زندہ نہ ہوں تو نعوذ باللّٰہ مردہ کے پاس آنا، کے کیا معنی؟ بعض زندہ ہوتے ہیں کہ پتہ نہیں چلتا کہ کوئی کیا کہہ رہا ہے۔ اس کی سوچ محدود ہوتی ہے لیکن حضور اپنی حیاتِ طیبہ کے ساتھ زندہ ہیں کہ سنتے بھی ہیں اور جانتے بھی۔ ہر آنے والے کو دیکھ بھی رہے ہیں اور سفارش فرما رہے ہیں۔ حضور ہمارے ہر ایک کے حالات سے اتنے آگاہ ہیں کہ ہم خود اتنے اپنے حالات سے آگاہ نہیں۔ حضور ہمارے ظاہر و باطن سے آگاہ ہیں۔ حضور ہمارے ابتداء و انتہا سے آشنا ہیں۔ اس لئے سرکار سے التماس ہے کہ ہمارا خاتمہ بالخیر ہو جائے۔ (آمین)

☆ عزیزانِ محترم! اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے ہمارے لئے پناہ کی جگہ کو باقی رکھا۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے اپنے حبیب کی

ذات پاک کو اپنی رحمتوں کا خزانہ اور ماخذ بنادیا۔ خدا کی قسم! کوئی لاکھ مرتبہ مکہ جائے، مگر مصطفیٰ ﷺ کے درِ اقدس سے فیض نہ پائے تو اس کی کوئی فائدہ نہیں۔ حدیث میں ہے کہ

من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني

☆ جس نے حج کیا، اس نے میری زیارت نہ کی، پس بے شک اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

☆ فائدہ تو تب تھا کہ سرکاری کی زیارت نصیب ہوتی۔ کیونکہ رحمتوں کا خزانہ اور ماخذ حضور کی ذات اقدس ہے۔ قرآن خود کہتا ہے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ

☆ اور یہ حکم قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے ہوگا۔ قرآن قیامت تک قائم رہے گا اور جو قرآن کی یہ آیت پڑھے گا، یہ حکم اس کی طرف متوجہ ہوگا کہ اپنی جانوں پر زیادتیاں کرنے والو! میرے حبیب کی بارگاہِ اقدس میں آ جاؤ، مغفرت طلب کرو۔ حضور سفارش فرمائیں تو پھر مجھے تو بہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا پاؤ گے۔ مومن کے لئے حضور کے بغیر کوئی دولت نہیں۔ ہزاروں، اربوں، کھربوں دین و دنیا کی نعمتیں حضور کی عظمت پر قربان ہوں۔ اس آیت کریمہ سے حضور کی محبت کا جلوہ مومن کے دل میں فروغ پاتا ہے اور مومن کے دل کی کلی کھل جاتی ہے اور اس کے ایمان کے نور سے کائنات روشن اور معطر ہو جاتی ہے۔ حضور کی محبت والا دل تو بڑی عظمت والا ہوتا ہے۔

شبہ

☆ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ مدینے پہنچنے کی استطاعت نہیں رکھتے تو ان کا اس آیت پر عمل کیسے ہوگا؟

شبہ کا ازالہ

☆ عزیزانِ گرامی! مصطفیٰ ﷺ سب کے رسول ہیں۔ آپ ہمت والوں کے بھی رسول ہیں اور بے ہمت والوں کے بھی۔ سہارا والوں کے نبی ہیں اور بے سہاروں کے بھی۔ وسیلہ والوں کے بھی نبی ہیں اور بے وسیلہ والوں کے بھی۔ لاچار، بے کس، غریب، مسکین، اپاہج اور بیماروں کے بھی رسول ہیں تم یہ لوگ مدینہ منورہ نہیں پہنچ سکتے تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (پ ۲۱: الاحزاب: آیت ٦)

ترجمہ ☆ یہ نبی ایمان والوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔

☆ یعنی تمہاری جان تم سے دور ہو سکتی ہے مگر میرے حبیب تم سے زیادہ قریب ہیں۔ اگر میرے حبیب تم سے دور ہو جائیں تو عمل رسالت کا پیغام ہونا باطل ہو جائے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

☆ میں اولیٰ کے معنی اولیٰ ''تصرف''، ''اَلتقرب'' اور ''احب'' کے ہیں۔ یعنی اولیٰ کے معنی سب سے زیادہ تصرف کا حق دار، سب سے زیادہ قریب، سب سے زیادہ محبوب کے ہیں جو سب سے زیادہ تصرف کا حق دار ہوتا ہے، وہی سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ مثلاً

نابالغ لڑکی کے نکاح پر باپ کا راضی ہونا دادا کی نسبت زیادہ اولیٰ ہے۔ اگر باپ نابالغ لڑکی کے نکاح پر راضی نہیں تو دادا کا اس پر کوئی تصرف نہیں ہوسکتا کیونکہ باپ دادا کی نسبت زیادہ قریب ہوگا۔ معلوم ہوا کہ میرا محبوب تم سب سے زیادہ اتنا قریب ہے کہ جتنا کہ تم بھی اپنے قریب نہیں ہو۔ ''احب'' کے معنے سب سے زیادہ محبوب کے ہیں اور جو سب سے زیادہ محبوب ہوگا وہ سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ کیونکہ ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ'' ''ہر شخص اپنے چاہنے والے کے ساتھ ہوگا۔''

☆ ''اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ'' ''اے ایمان والو! میرا محبوب تمہاری جانوں سے تم سے زیادہ قریب ہے۔ مگر فرق اتنا ہے تمہیں اس کی معرفت نہیں اور اگر معرفت حاصل ہوگئی اور اس بات کی حقیقت کو پہچان لیا کہ میرا آقا مجھ سے زیادہ قریب ہیں تو تم حاضر ہوگئے۔ یہیں سے سرورِ عالم ﷺ سے مغفرت کی دعائیں حاصل کرو اور رحمت کے خزانے سمیٹو۔ اگر کوئی مدینے پہنچ جائے اور قرب حاصل نہ ہوتو کوئی فائدہ نہیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

دوراں با خبر در حضور

نزدیکاں بے بصر دور

''نزدیک ہوکر بے بصر ہے وہ دور ہے یعنی مدینہ پہنچ کر بھی حجاب اور غفلت کے پردے نہ اٹھیں اور حضور کو دور سمجھیں تو وہ قریب ہوکر بھی دور ہیں اور ظاہر میں جو حضور سے دور ہو مگر پردے اٹھے ہوئے ہیں تو وہ سرکار کے حضور بیٹھے ہیں۔''

☆ عزیزانِ محترم! میرے آقا کے کمالِ رحمت کا مظہر صدیقین، شہداء، صالحین، غوث، اقطاب، ابدال، اوتاد، نجبا اور نقبا ہیں اور اولیاء کاملین کی جماعت میں سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ حضور کی کمالِ رحمت کا مظہر اتم ہیں۔ آپ لوگ بارگاہِ غوثیت میں قرب حاصل کرنے کے لئے جو نذرانے پیش کرتے ہیں، وہ بھی بارگاہِ نبوت کا قرب ہے۔ کیونکہ قریب والوں کا قرب بھی اس کے محبوب کا قرب ہوتا ہے۔ لہٰذا حضور غوث پاک کا قرب، قربِ نبوی ہے اور قربِ نبوی درحقیقت قربِ خداوندی ہے۔

دیدارِ مصطفیٰ ﷺ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا o

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَ الشّٰکِرِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

☆ محترم حضرات! حاصل زندگی وہی لمحات ہیں جو اللہ کے پیارے حبیب ﷺ وصحبہ وبارک وسلم کی حاضری میں گزر جائیں۔

☆ الحمد للّٰہ الحمد للّٰہ! آپ یہ سوچیں گے کہ ہر مومن ہر اہلِ محبت تو حاضر نہیں ہو سکتا۔ وہ ان لمحاتِ زندگی کو کیسے پائے؟

☆ اس کے متعلق ایک بات عرض کرتا ہوں۔ قرآن ایسی کتاب ہے جس میں ہر سوال کا جواب ہے۔ میں نے جو آیت کریمہ آپ کے سامنے تلاوت کی، اس آیت کے ساتھ دوسری آیت کو ملا لیجیے

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا o وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا (پارہ ۲۲: سورۂ احزاب: آیت ۶۵)

"اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو مشاہدہ کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور اللہ کی طرف سے اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن کرنے والا آفتاب۔"

☆ اس آیت مقدسہ میں صرف لفظ "شَاھِدًا" پر اگر غور کیا جائے تو اس سوال کا جواب ہمارے سامنے واضح طور پر آ جاتا ہے۔ "شَاھِدًا" شہادت یا شہود سے بنا ہے۔ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ شہادت اور شہور کے معنی ہیں

الحضور مع المشاھدۃ

☆ شہادت اور شہود کیا ہے؟ الحضور یعنی حاضر ہونا مع المشاہدہ صرف حاضر ہونا نہیں بلکہ مشاہدہ کے ساتھ حاضر ہونا۔ یعنی جانتے ہوئے دیکھتے ہوئے حاضر ہونا۔

اما بالبصر او بالبصیرۃ

ترجمہ☆ سر کی آنکھ سے ہو یا دل کی آنکھ سے ہو "بصر" اور "بصیرت" کہتے ہیں۔

☆ تو واضح ہوا کہ سر کی آنکھ سے یا دل کی آنکھ سے دیکھنے اور سننے اور حاضر ہونے والے کو "شَاھِدٌ" کہتے ہیں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ

☆ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر فرمایا

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ جَآءُ وْكَ (سورئہ النساء آیت ٦٤)

☆ یعنی اے ایمان والو! اگر تم اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھو تو (میرے محبوب) کے پاس آجاؤ۔

☆ یہاں فرمایا

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا

☆ وہاں ایمان والوں کو فرمایا کہ تم حاضر ہو جاؤ اور یہاں فرمایا، "اے پیارے نبی (ﷺ)! بے شک آپ شاہد ہیں۔" پیارے میں نے خود تجھ کو حاضر بنا کر بھیجا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ جو حاضر ہو سکتے ہیں۔ وہ حاضر ہو جائیں اور جو نہیں ہو سکتے، میرا محبوب خود حاضر ہے اور شاہد کس پر ہے؟ شاہد کے معنی

"الشهود والشهادة الحضور مع المشاهدة اما بالبصر او بالبصيرة"

☆ یعنی "دیکھنے سننے کے ساتھ حاضر ہونا، یہ شہادت ہوتی ہے جو جانتے ہوئے، دیکھتے ہوئے، سنتے ہوئے حاضر ہونے والا ہو، وہ شاہد ہے۔"

☆ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

☆ میرے پیارے حبیب (ﷺ)! ہم نے آپ کو جانتے ہوئے، دیکھتے ہوئے، سنتے ہوئے حاضر ہونے والا بنا کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہاں خود شاہد بنایا اور وہاں فرمایا، "جـــاء و ک" تم حاضر ہو جاؤ جو حاضر ہو سکتے ہیں، وہ حاضر ہو جائیں اور جو حاضر نہیں ہو سکتے ان کے لئے میرے محبوب خود حاضر ہیں۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔

☆ میرے پیارے دوستو اور عزیزو! اسی مضمون کو قرآن کی اس آیت میں بیان فرمایا

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب: آیت ٦)

☆ یعنی میرے محبوب خود سنتے ہوئے جانتے ہوئے دیکھتے ہوئے ہیں۔ اگر تم حاضر ہو سکتے ہو تو تم حاضر ہو جاؤ اور جو حاضر نہیں ہو سکتے تو میرا محبوب حاضر ہے۔ کہاں حاضر ہیں۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ حضور کہاں حاضر ہیں؟ اللہ فرماتا ہے "مِنْ اَنْفُسِهِمْ" تمہاری جانیں تمہارے پاس ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری جانیں دور ہیں مصطفےٰ اس سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔

☆ میرے آقا سرورِ عالم نورِ مجسم محمد الرسول اللہ ﷺ وصحبہ وبارک وسلم کا شاہد ہونا جو حقیقت میں اس منصب کی نشاندہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ تمام کائنات کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے۔ یاد رکھیے جو کسی پر رسول بنا کر بھیجا جائے وہ اس پر ضرور شاہد ہوتا ہے جو جس کی طرف رسول بنا کر بھیجا جائے وہ مرسل علیہ یعنی جس کی طرف وہ رسول بن کر آئے ضرور حاضر بنا کر بھیجا جاتا ہے۔

☆ قرآن کریم نے ایک حقیقت ظاہر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَیَكُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا (بقرہ: ١٤٣)

☆ سبحـــان اللّٰـــه! حضور شاہد اور شہید کس پر ہیں؟ میں نہیں کہتا تمام تفسیریں اٹھا کر دیکھ لو۔ میں اس وقت امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر کی عبارت تمہارے سامنے پڑھ دیتا ہوں۔ آپ اندازہ لگا لیجئے۔ امام رازی نے

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا

☆ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ پیارے محبوب جسکی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، میں نے ان سب پر آپ کو شاہد بنا کر بھیجا ہے۔

☆ یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ آپ کسی ایک آدمی یا ایک شے کے رسول ہیں بلکہ علم المعانی کا قاعدہ ہے کہ شبہ فعل کا مفعول کبھی حذف کیا جاتا ہے کہ اس کا حذف کرنا عموم پر دلالت کرتا ہے کہ اگر کسی ایک کو ذکر کیا جائے تو خاص ہو جاتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ کس کس پر ذکر کیا جائے کہ پیارے آپ فلاں پر شہید ہیں، فلاں پر حاضر ہیں۔ آپ تو ساری کائنات پر حاضر ہیں۔ بلکہ میرے آقا مصطفیٰ ﷺ ساری کائنات پر حاضر ہیں بلکہ خالق کائنات پر بھی حاضر ہیں۔

☆ اب آپ رسول سے پوچھیں قرآن بھی جواب دے گا اور حدیث پاک بھی جواب لائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا

"بڑی برکت والا ہے وہ جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے (مقدس) بندے پر اتاری تا کہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔"

☆ حدیث پاک میں ارشاد ہوا

ارسلت الی الخلق کافة

ترجمہ☆ میں تو ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

☆ اسلئے میں خالق کائنات پر مرسل ہونے کی حیثیت سے اس نسبت سے حاضر ہوں کہ میرا کسی وقت بھی میرے رب سے تعلق منقطع نہیں ہوا اور ان کی شان یہ ہے کہ

☆ حضور خدا کی بارگاہ سے کبھی بھی جدا نہیں ہوئے، ہر وقت خدا کی بارگاہ میں حاضر ہیں اور خدا کی بارگاہ میں ایک طرف حاضر ہیں اور دوسری طرف مخلوق کائنات پر حاضر ہیں۔ نہ وہ خالق کائنات سے دور ہیں اور نہ کائنات سے دور ہیں۔ امام رازی نے فرمایا

شاهدا علی من ارسلت الیهم

ترجمہ☆ جس کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے، آپ ان پر شاہد بنا کر بھیجے گئے۔

☆ ساری کائنات پر میرے آقا سرورِ عالم ﷺ وصحبہ وبارک وسلم شاہد ہیں۔ اگر یہ بات ثابت ہو گئی تو سمجھ لیں کہ شاہد کے معنی حاضر ہونے کے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ جو وہاں حاضر نہیں ہو سکتا تو آپ اس پر حاضر اور شہید ہیں۔

☆ لیکن اب اس حجاب کو اٹھانا ہوگا۔ جو حجاب اس کے اور جمالِ مصطفیٰ کے درمیان حائل ہے۔ یہ نہ سمجھے کہ میں حضور کو نہیں دیکھ رہا تو حضور حاضر نہیں ہیں۔ یہ سمجھیں کہ حضور تو حاضر ہیں مگر میرے اندر اتنا نور نہیں ہے کہ میں حضور کو دیکھ لوں میری آنکھوں پر حجاب پڑا ہوا ہے۔ جمالِ مصطفیٰ نظر نہیں آتا اب اس حجاب کو اٹھانا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دیکھو! صحن میں سورج کی دھوپ کیا ہے؟ یہ سورج کی روشنی ہے۔ سورج کا غیر تو نہیں ہے۔ اگر سورج کی روشنی سورج کا غیر ہو تو سورج کہیں بھی ہو روشنی آپ اٹھا کر لے جائیں۔ مگر نہیں لے

جاسکتے کیونکہ وہ سورج کا غیر نہیں ہے۔ اگر سورج کی روشنی قریب ہے۔ یہاں حاضر ہے موجود ہے لیکن اگر آپ شامیانہ لگا دیں تو پچ کہتا ہوں وہ دھوپ یا روشنی آپ پر نہ ہوگی۔ تو پتہ چلا کہ اگر شامیانہ تم نے لگا لیا، یہ تمہارا اپنا فعل ہے۔ کیونکہ تم نے خود اپنے آپ کو اس سے حجاب میں لے لیا۔ اگر شامیانہ ہٹا دیا تو سورج کی شعاع تمہارے پاس ہوگی۔ بس یہی فرق ہے کہ ہم اگر غفلت کا حجاب ہٹا دیں تو مصطفیٰ ﷺ تو حاضر ہیں ہی۔ یہ مت کہو کہ حضور حاضر نہیں ہیں بلکہ یہ کہو کہ ہم نے خود اپنے اوپر حجاب ڈال لیا ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ

☆ میرے دوستو اور عزیزو! مصطفیٰ ﷺ پر اگر کوئی حجاب غفلت کو اٹھاتے ہوئے حاضر ہو جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی خوش نصیب نہیں ہے اور اگر حجاب غفلت کو اٹھا کر خود مصطفیٰ کے حضور حاضر ہونے کی استطاعت نہیں ہے تو خود آقائے دو عالم سرور کونین کو حاضر پائے گا۔

☆ حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوت شریف میں فرمایا ہے کہ اگر تو حضور کو دیکھنا چاہتا ہے تو حضور کا حلیہ مبارک خوب ذہن میں قائم کر لو کہ حضور تاجدار مدنی ﷺ کا حلیہ مبارک یعنی آپ کی پیشانی ایسی ہے۔ آپ کے بال مبارک، حضور کی مبارک آنکھیں ایسی ہیں۔ سرکار کی انگشت اقدس، لب مبارک اور دندان مبارک ایسے ہیں۔ حضور کا سینہ مبارک اور پائے اقدس ایسے ہیں۔ المختصر حضور ﷺ کا حلیہ مبارک ذہن میں بٹھا لو۔ اس کے بعد کمالِ محبت کے ساتھ، کمالِ عشق کے ساتھ حضور پر درود پڑھنا شروع کر دو اور کھو جاؤ حضور کے اس حلیہ مبارک کے اندر کھو کر یہ سمجھو کہ حضور مجھے دیکھ رہے ہیں۔ میرا عشق جان رہے ہیں۔ حضور میرا درود شریف سن رہے ہیں۔ جب یہ عمل منتہا کو پہنچے گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حجاب دور ہو جائے گا۔ کھلم کھلا سرکار تمہارے سامنے ہوں گے۔

☆ اور تم سرکارِ دو عالم ﷺ کو ان آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ آخر میں حضرت عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں

☆ تو صحابہ کرام کے درجہ پر فائض ہو جائے گا۔ اب ایک علمی بات ہے۔ جس کا بیان کرنا ضروری ہے۔ تاکہ لوگوں کی غلط فہمی دور ہو سکے۔ انہوں (شیخ عبد الحق محدث) نے فرمایا، کہ تو صحابہ کے درجہ پر فائز ہو جائے گا، یہ نہیں فرمایا کہ تو صحابی ہو جائے گا، صحابی ہونا اور بات ہے۔ صحابہ کے درجہ پر فائز ہونا اور بات ہے۔ شہید ہونا اور بات ہے، شہید کے درجہ پر فائز ہونا اور بات ہے۔

☆ حضور ﷺ نے فرمایا، جس نے سچے دل سے شہادت کو طلب کیا اور سچے دل سے شہادت مانگی تو اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں کی منزلت پر پہنچا دے گا، اگرچہ اپنے بستر پر کیوں نہ مر جائے۔

☆ شہید وہ ہوتا ہے جو اللہ کی راہ میں جان دے، زخمی ہو، اسے بغیر غسل دیئے، اسی لباس میں جنازہ پڑھ کر دفن کیا جاتا ہے، جبکہ وہ شہید اکبر ہوتا ہے۔ دوسری طرف فقہی اور اصطلاحی شہید کو ایسے دفن نہیں کیا جاتا بلکہ غسل بھی دیتے ہیں، کفن بھی دیا جاتا ہے، جنازہ کے بعد دفن کیا جاتا ہے۔ جسکے دل میں سچی شہادت کا جذبہ ہوگا، اسے شہید تو نہیں کہیں گے مگر شہید کا درجہ پائے گا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔

☆ بس یہی بات شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی کہ نہ تو صحابی ہو جائے گا بلکہ درجہ صحابیت پر فائز ہو سکتا ہے اور صحابی کے لئے شرط یہ ہے کہ رسول اکرم سید عالم ﷺ کی حیات ظاہری میں حضور کی وفات سے قبل ایمان کی حالت میں حضور کو دیکھ لے اور ایمان پر خاتمہ ہو جائے ''وہ صحابی ہوتا ہے۔''

☆ علماء کا قول ہے کہ کچھ لوگ ایسے تھے جو حضور کی حیات ظاہری میں حضور کا دیدار نہیں کر سکے لیکن جب سوموار کو سرکار کا وصال ہوا اور لوگوں کو خبر ملی تو وہ دور دراز سے آئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ بدھ کے دن قبر کے اندر دفن ہوئے تو اس عرصہ میں لوگوں نے حضور کو دیکھا۔ جنہوں نے حیاتِ ظاہری میں نہیں دیکھا، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

☆ ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ وہ صحابی کے درجہ کو تو پالیں گے مگر صحابی نہیں کہلائے جائیں گے۔ تو پتہ چلا کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے علمی بات فرمائی۔ ایک قید لگا کر تمام اعتراضات دور کر دیئے۔ یہ نہیں فرمایا کہ "تو صحابی شوی" بلکہ فرمایا کہ تو صحابی کے درجہ پر فائز ہو جائے گا۔ معلوم ہوا کہ حضور کو وفات شریف کے بعد دیکھنا ممکن ہے۔ جو کوئی اس نوعیت سے دیکھے جو شاہ صاحب نے فرمایا ہے تو خدا کی قسم! اس نے دونوں جہاں کی نعمتیں لوٹ لیں۔

☆ حضور کا حلیہ مبارک پکا ذہن میں بٹھا کر بے ساختہ درود پڑھتا اور پڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ کمال کو پہنچ گیا۔ حجاب خود بخود اٹھ گیا اور اس نے حضور کا جمال دیکھ لیا۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا

☆ جو لوگ مدینے نہیں جا سکتے انہیں غم نہیں کرنا چاہئے۔ انہیں گھر بیٹھے مصطفیٰ ﷺ کی زیارت ہو سکتی ہے۔ مگر کوئی ہو بھی تو سہی۔

آنکھ والا تیرے جلوے کا تماشا دیکھے!
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے؟

☆ میرے عزیز و اور دوستو! یہ حدیث بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے۔ وہ یہ کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رانی فی المنام فسیرانی فی الیقظۃ

☆ "حضور ﷺ نے فرمایا، جس نے مجھے خواب میں دیکھا، وہ ضرور مجھے جاگتے میں دیکھے گا۔"

☆ یہ سرکار کا فرمان ہے۔ یہ حدیث مختلف سندوں سے ہے ایک اور مقام پر ہے

من رانی فقد راء الحق

سوال ☆ سوال یہ ہے کہ بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں، جنہوں نے خواب میں حضور کی زیارت فرمائی اور بیداری میں حضور نظر نہیں آئے تو یہ بات کیسے پوری ہوگی کہ حضور نے فرمایا، "جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے جاگتے میں ضرور دیکھے گا۔"

جواب ☆ علامہ ابن حجر مکی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ حدیثیہ میں نقل فرماتے ہیں کہ حضور کو خواب میں دیکھنے والے تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خاص الخواص قسم کے ہیں۔ جو عشق اور محبت میں کامل اور جامع ہیں۔ ان کے عشق انسانیت، اسلام اور ایمان کے اعلیٰ درجات پر ہیں۔ یہ لوگ خواب اور بیداری میں اکثر حضور کو دیکھتے ہیں۔ یہ ان کا ظرف عالی ہے۔

☆ ان کے بڑے ظرف کی وجہ سے آقا کی زیارت کے بعد کوئی بات ان کے نقصان میں نہیں نکلتی۔ ایسے لوگوں میں سے شیخ ابو العباس المرسی ہیں، فرماتے ہیں

ولو حجب عنی رسول الله صلی الله علیه وسلم طرفة عین ما عددت نفسی من المسلمین

ترجمہ☆ اگر ایک پلک کی مقدار میں بھی سرکار کو نہ دیکھوں تو میں اس آن اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھتا۔

☆ دوسرا طبقہ خواص کا ہے اور وہ حضور کی جاگتے ہوئے زیارت کرتے ہیں، ان کو بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ زیارتِ حبیب ﷺ کے سبب آگے چل کر ان کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

☆ تیسرے وہ لوگ ہیں جو ہم جیسے گناہ گار ہیں، ہمارا ظرف اتنا نہیں۔ ہم اگر حضور کو خواب میں دیکھ لیں تو سرکار اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائیں گے۔ مگر اس طرح نہیں جیسے خاص الخواص اور خواص کے لئے ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ اگر حضور ہمیں بھی زیارت فرما دیں تو نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ کیونکہ چھوٹے برتن میں زیادہ چیز انڈیل دی جائے تو نقصان ہے۔

☆ اور میرے آقا امت پر "رؤف رحیم" ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

☆ تمہاری ادنیٰ تکلیف میرے محبوب کو بڑی شاق ہے۔ ایمان والو! تمہاری چھوٹی سی تکلیف بھی میرے محبوب کو شاق ہے۔ "بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ" وہ تو تمام مومنین کے لئے کمال درجہ "رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ" ہیں۔

☆ اگر ہم جیسے گناہ گاروں کو حضور خواب میں زیارت کرا دیں تو سرکار اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائیں گے۔ مگر ہمارے ظرف کے مطابق تا کہ ہمیں نقصان نہ پہنچے۔ اور وہ کیسے ہوگا؟ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہم جیسے گناہ گار کو اگر حضور اپنا جمال دکھا دیں تو وعدہ ضرور پورا فرمائیں گے مگر "قبل از موت" موت سے کچھ پہلے۔

☆ آنکھ دیکھتی ہوگی، جمالِ مصطفیٰ ﷺ کو مگر بول نہ سکے گا تا کہ کہیں زبان ایسی بات نہ کہہ دے کہ نقصان ہو جائے۔ آقا "رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ" ہیں۔ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ۔

☆ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا

☆ اگر تم حاضر نہیں ہو سکتے تو میرا محبوب خود شاہد و حاضر ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اللہ سب کو اپنے پیارے حبیب کی زیارت سے مشرف فرمائے۔ جمالِ مصطفیٰ کا جلوہ ہر مسلمان کو دکھائے۔ اللہ سب کی مشکلیں آسان فرمائے۔ اللہ ہمیں اسلام پر استقامت عطا فرمائے۔ خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

والحمد للّٰه رب العالمین

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْكُفَّارِ o

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَبَلَّغَنَا النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِیْنَ وَ الشَّاكِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. (درود شریف)

☆ محترم حضرات! آپ لوگ خراجِ تحسین کے لائق ہیں کہ اپنی مساعی جمیلہ سے سیدنا فاروق اعظم کی یاد میں یہ تقریب منائی۔ اللہ آپ سب کو سیدنا فاروقِ اعظم کے ایمان کامل کی جھلک عطا فرمائے۔ (آمین) اس سلسلہ میں مختصر سی باتیں عرض کروں گا کہ حضور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نبوت کے چھٹے سال مشرف با اسلام ہوئے۔

☆ اسلام سے پہلے کفر میں انتہائی شدت رکھتے تھے اور جس کسی کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ ایمان لے آیا ہے اور مسلمان ہوا ہے، اس کے ساتھ بہت ہی سختی فرماتے تھے۔ اللہ کے حبیب نبی اکرم ﷺ نے دعا فرمائی

اللّٰھم اید الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمرو بن الھشام

ترجمہ☆ اے اللہ! عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام کے ساتھ اسلام کی مدد فرما۔

☆ حضور نے دعا فرمائی، ادھر یہ سلسلہ پیدا ہوا کہ حضرت عمر کے حق میں دعا رنگ لائی۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر دعا کا ظہور اس طرح ہوا کہ حضرت عمر نے جب دیکھا کہ لوگ مسلمان ہو رہے ہیں تو انہوں نے کہا، اس سلسلہ کو ختم کر دوں اور معاذ اللہ حضور کو ختم کر دوں۔ اس جذبہ سے فاروقِ اعظم تلوار لے حضور کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں نعیم بن عبد اللہ سے ملے، پوچھا، اے عمر کہاں کا ارادہ ہے؟ (حضرت نعیم بن عبد اللہ پہلے اسلام لے آئے تھے، مگر اظہار نہ کرتے تھے) حضرت عمر نے جواب دیا کہ محمد ﷺ کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ حضرت نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں۔ رُخ بدل گیا اور سیدھے بہن کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو سورۂ طٰہٰ کے پڑھنے کی آواز آ رہی تھی۔ تو انہیں تعجب ہوا۔ حضرت عمر کے کانوں میں جب یہ آواز پہنچی "اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی" تو یہ آواز حضرت عمر کے دل میں اتر گئی۔ بلکہ دل کی گہرائیوں تک چلی گئی۔ یہ آواز کا اترنا کیا تھا۔ حضور کی دعا تھی۔

اللّٰھم اید الاسلام بعمر بن الخطاب

ترجمہ☆ اے اللہ! اسلام کو عمر بن خطاب کے ساتھ مدد دے۔

☆ حضرت عمر چونکہ کفر میں انتہائی شدت رکھتے تھے۔ بہن کو مارنا شروع کر دیا اور اتنا مارا کہ سر سے خون بہنے لگا۔

☆ جب بہن خون خون ہوگئی تو کچھ دل میں نرمی پیدا ہوئی۔ تو فرمایا کہ کیا پڑھ رہی تھیں۔ انہوں نے پھر اسی آیت کو پڑھا "اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى"

☆ جب حضرت عمر نے اس آیت کو دوبارہ سنا تو جو کچھ دل کی گہرائیوں میں پہلے اترا تھا۔ دوبارہ ابھر آیا اور فرمایا جن پر یہ کلام اترا ہے، ان کے پاس لے چلو۔ جب حضور ﷺ کے ہاں پہنچے تو سرکار دو عالم ﷺ دار الارقم میں تشریف فرما تھے۔

☆ صحابہ کی تعداد تھوڑی تھی۔ بعض نے چالیس اور بعض نے پینتالیس لکھی ہے۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ ۳۹ تھی اور ۴۰ ویں حضرت عمر مردوں میں تھے اور ۲۳ عورتیں مسلمان ہوئی تھی۔

☆ حضور کے چچا حضرت حمزہ بھی مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت عمر جب وہاں پہنچے تو جو صحابہ حضور کی خدمت کے لئے وہاں متعین تھے، تو ان کو تشویش ہوئی۔ حضرت حمزہ نے فرمایا کہ تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ اسے آنے دو۔ اگر اچھے ارادہ سے آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ جب حضرت عمر داخل ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ عمر کیسے آئے ہو۔ حضرت عمر نے عرض کی سرکار کلمہ پڑھا دیں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

☆ حضرت عمر کا اسلام لانا تھا۔ کلمہ شہادت پڑھنا تھا کہ خود حضور ﷺ نے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا۔ آپ کے نعرۂ تکبیر بلند فرمانے پر صحابہ کرام نے بھی نعرۂ تکبیر بلند فرمایا۔ پھر اس نعرہ کی شان تھی کہ مکہ کی گلیوں میں بھی نعرے بلند ہوئے۔

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس وقت سے پہلے ہم اسلام کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ علی الاعلان ارکان اسلام کی ادائیگی ممکن نہیں تھی۔

☆ قریش نے روکا تو حضرت عمر نے سخت قتال کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر ﷺ نے مسلمانوں کو ساتھ لے جا کر حرمِ کعبہ میں نماز ادا کی اور اسی موقع پر حضور ﷺ نے فاروقِ اعظم کا لقب عطا فرمایا۔

☆ حضور نے سیدنا فاروقِ اعظم کو اس قدر نوازا کہ میں بیان نہیں کر سکتا اور یہ حضور ﷺ کی اپنی دعا کی اجابت تھی کہ وہ مسلمان ہو گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر کو اللہ تعالیٰ سے مانگ کر لیا۔ جو حضور کی دعا سے ظاہر ہے حضرت عمر حالت کفر میں جس قدر شدت اسلام پر رکھتے تھے، اسلام لانے کے بعد اس سے زیادہ شدت کفر پر ہوگئی اور اسی آیت کا مصداق قرار پائے

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ

☆ حضور کی نوازش کا یہ عالم تھا کہ جس مجلس میں فاروق نہ ہوتے تھے، آپ فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔ حضور سیدنا صدیق اکبر، فاروقِ اعظم عثمان غنی اور سیدنا علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے پر ہی سب کام سرانجام دیتے تھے۔

☆ حضرت عمر کو اسلام سے اور حضور سے ایسی محبت ہوئی کہ ادنیٰ سی بات جو حضور کی شان کے خلاف ہوئی تھی، برداشت نہیں کرتے تھے۔

☆ ابوالخویصرہ کا واقعہ سامنے ہے

اعدل یا رسول اللّٰہ ''یارسول اللہ ﷺ! انصاف کیجئے۔''

☆ حضور ﷺ نے فرمایا ''میں عدل نہیں کروں گا تو کون عدل کرنے والا ہوگا۔''

☆ فاروقِ اعظم نے تلوار نکالی اور حضور کی بارگاہ میں عرض کی، ''میرے آقا! مجھے حکم دیجیے کہ میں ابھی اس کی گردن اڑا دوں۔'' حضور نے فرمایا، ''صبر کرو۔ اور اللہ کے رسولوں نے اس سے بھی زیادہ تکالیف اٹھائی ہیں اور صبر کیا اور آج میں بھی صبر کرتا ہوں۔ لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کررہے ہیں۔ کسی کو کیا معلوم کہ اس نے کیا کہا ہے۔''

حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم

☆ فاروقِ اعظم کے سامنے اگر کفر اور نفاق کی بات آتی تھی تو انتہائی شدت فرماتے تھے۔ ایک شخص نمازِ فجر میں ہمیشہ سورہ ''عَبَسَ وَتَوَلّٰی'' پڑھتا تھا۔ اس سورت میں بظاہر حضور پر عتاب ہے۔ حقیقتاً عتاب نہیں بلکہ محبت کا خطاب ہے۔

☆ واقعہ کچھ یوں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو حضور کی خدمت میں ہوتے تھے۔ حضور کے انوار و تجلیات سے متاثر ہوتے رہے اور حضور انور کی تعلیمات کا اثر لیتے رہے اور ان کا کفر گھٹتا گیا۔ یہاں تک کہ کفر کی بجائے اسلام آ گیا اور ایمان ان کے قلب میں جاگزیں ہوگیا۔ اور اب صرف بات یہ تھی کہ کلمہ پڑھیں۔ یہ سب کچھ حضور کے ارشادات عالیہ کی وجہ سے تھا کہ وہ اسلام قبول کرنے کے لئے بے تاب تھے اور حضور کی محفل میں آئے بیٹھے تھے۔

☆ بڑے بڑے سردارانِ قریش حضور کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ ان کو تبلیغ فرما رہے تھے اور حضور کا مقصد یہ تھا کہ یہ بڑے بڑے سردار اگر اسلام لے آئیں تو ان کے ساتھ بے شمار لوگ ہیں تو ان کے ساتھ وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ بات یہ ہے کہ حضور تبلیغ فرما رہے تھے اور تبلیغ حضور کا منصب تھا۔ قرآن نے کہا

یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ

☆ یہ میرے آقا کا منصب تھا۔ معلوم ہوا کہ سردارانِ قریش کو تبلیغ کرنا درحقیقت منصب کی تکمیل تھی اور اللہ کے حکم کو بجا لانا تھا۔ یہ تو حکم خدا تھا جس کی بجا آوری فرما رہے تھے۔ حضور اپنے تبلیغی مشن میں ایسے محو اور مستغرق تھے کہ حضور نے ابن ام مکتوم کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ جس کی وجہ سے عبداللہ ابن ام مکتوم بے قرار تھے۔ نابینا تھے۔ حضور کے حسن و جمال کا پرتو لگائے بیٹھے تھے تو اللہ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا

وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤى

☆ اے میرے محبوب (ﷺ)! شاید وہ کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جائے اور آپ نے ادھر توجہ نہیں فرمائی۔ ''وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤى'' مقصد کیا تھا؟ یہ تھا کہ وہ تو تیرے کیے کا حسن و جمال لے کر تیری بارگاہ میں حاضر تھا۔

☆ تزکیہ کیا ہے؟ مصطفیٰ کے حسن کی جھلک کا نام ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ

☆ تو "يُزَكِّيْ" کا فاعل کون ہے؟ "يُزَكِّيْ" کا فاعل رسول ہیں۔ "يُزَكِّيْ" حسن رسالت ہے۔ کیا معنیٰ ہوئے کہ وہ حسن رسالت کو اپنے دل کے آئینے میں لئے بیٹھے ہیں۔ مقصد یہ ہوا کہ

☆ اے پیارے حبیب آپ تو میرے حکم میں سرشار ہو کر تبلیغ فرما رہے ہیں اور وہ آپ کے جلوؤں میں گم ہے۔ آپ کو آپ کے حسن کے جلوؤں میں بیٹھے ہوئے کی پروا نہیں اور آپ حکم کی بجا آوری میں بیٹھے ہیں۔ آپ کو اپنے حسن کے جلوؤں کی پروا نہیں۔ آپ میری تبلیغ چھوڑ کر اپنے جلوؤں میں گم لوگوں پر نظر فرمائیں جو کہ آپ کی نظر شفقت کے متلاشی بیٹھے ہیں۔ اے حبیب! آپ کو تو حسن و جمال کی پروا نہیں رہی۔ ہمیں تو آپ کے حسن و جمال کا خیال ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔

☆ نتیجہ کیا نکلا؟ بظاہر تو عتاب ہے، بباطن محبت کا خطاب ہے۔ اب محبت کا خطاب وہ سمجھے گا، جس کے دل میں محبت رسول ہوگی۔ اور محبت رسول کیا ہے؟ محبت رسول ایمان ہے اور جو ایمان سے خالی ہے وہ اسے غضب سمجھے گا۔

منافق امام

☆ وہ ایک منافق شخص تھا، جس وجہ سے وہ "عَبَسَ وَتَوَلّٰى" کی سورت کو حضور ﷺ پر غضب سمجھ کر نماز میں پڑھتا تھا اور جو شخص حضور پر غضب کو پسند کرے، وہ مومن کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے دل میں تو ایمان کا ذرہ بھی نہ ہوگا۔

☆ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ ایک امام ہے جو ہمیشہ فجر کی نماز میں "عَبَسَ وَتَوَلّٰى" کی سورت پڑھتا ہے تو حضرت عمر کی عظمتوں کو سلام کہتا ہوں، آپ نے فرمایا، اس منافق کو قتل کر دو۔ کیونکہ سید عالم ﷺ پر عتاب سے لذت لیتا ہے اور اس کو مزہ آتا ہے۔ وہ پکا منافق ہے۔ آپ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ یہ کیا تھا؟ محبتِ رسول ﷺ تھی۔ بہر حال حضرت عمر حضور کی محبت کا مجسمہ ہیں اور ہر حال حضور پر جان نثار فرماتے تھے۔

☆ آپ کو بدر کا واقعہ یاد نہیں۔ جب بدر میں آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت عمر کے ماموں کفار کی طرف سے آئے ہیں تو آپ نے جیسے ہی اپنے ماموں کو دیکھا کہ مسلمانوں کے خلاف کفار کی طرف سے میدان میں آئے تو آپ تلوار لے کر ماموں کا مقابلہ کرنے چلے، جب تک ماموں کی گردن نہیں اتاری، اس وقت تک واپس نہ آئے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ

☆ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ایک بار دربارِ مصطفیٰ ﷺ میں تھے کہ ایک واقعہ پیش آیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا کہ آپ خاموشی سے مکہ پر حملہ فرمانے والے تھے۔ حضور نے فرمایا کہ ہماری خبر قریش مکہ کو نہ پہنچے، کوئی یہ خبر کسی کو نہ بتائے۔ خاموشی سے تیاری کرو۔

☆ ایک صحابی بڑے جلیل القدر اعلیٰ درجے کے بدری صحابی "حاطب بن ابی بلتعہ" انہوں نے کیا کیا کہ حضور ﷺ کے منع فرمانے

کے باوجود ایک خط سردارانِ قریش کے نام لکھا کہ محمد ﷺ ایک عظیم لشکر لے کر مکہ پر چڑھائی کرنے والے ہیں اور تم اپنی حفاظت کا انتظام کر لو۔

☆ حاطب بن ابی بلتعہ نے خط لکھ کر ایک کرائے کی عورت کو دے دیا کہ تم اونٹنی پر سوار ہو کر جاؤ اور یہ خط مکہ کے فلاں فلاں سردار کو دے آؤ۔ وہ عورت روانہ ہوئی۔ وہ عورت تیز رفتار اونٹنی پر قریش کی طرف چلی۔

☆ حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اللہ تعالیٰ اور ایک اور صحابی کو بلایا اور فرمایا کہ ایک عورت اونٹنی پر سوار مکہ جا رہی ہے اور حاطب بن ابی بلتعہ کا خط اس کے پاس ہے جو مکہ کے سرداروں کی طرف جا رہی ہے۔ جاؤ اور اس عورت سے خط بھی لے آؤ اور عورت کو بھی پکڑ لاؤ اور فرمایا کہ عورت فلاں منزل پر ہو گی، مل جائے گی۔ حضور نے منزل کی بھی نشاندہی فرما دی۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے ساتھی ایک صحابی جن کو حضور نے آپ کے ساتھ منسلک کیا تھا، تیز سواریوں پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور واقعی جب وہ منزل مہران پر پہنچے تو وہ عورت مل گئی۔ بس حضرت علی نے اس عورت کو پکڑ لیا اور فرمایا جو خط لے آئی ہے، وہ مجھے دے دو۔ اس نے انکار کیا کہ خط نہیں ہے۔ حضرت علی نے فرمایا، اے عورت! جھوٹ نہ بول۔ یہ بات آقا دو عالم ﷺ نے فرمائی ہے۔ کائنات غلط ہو سکتی ہے، ان کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔

☆ اس عورت نے پھر انکار کیا۔ حضرت علی نے فرمایا، تیری تلاشی لوں گا۔ خط ضرور نکالنا ہے۔ تو تیار ہو جا اور عزت کے ساتھ خط مجھ کو دے دے۔ جب عورت نے دیکھا کہ حضرت علی واقعی میری تلاشی لے لیں گے تو اس نے بالوں کے جوڑے سے خط نکال کر دے دیا۔ حضرت علی خط اور عورت کو بارگاہِ رسالت ﷺ میں لے آئے اور صحابیِ رسول حضرت علی کے ساتھ گئے تھے وہ واپس آئے۔ سرکار نے فرمایا، اس خط کو پڑھو اور جب خط پڑھا گیا تو خط کا مضمون وہی تھا جو حضور نے پہلے بتا دیا تھا۔

☆ حضور ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو بلایا اور فرمایا، اے حاطب! تم نے یہ خط لکھا ہے۔ عرض کیا، یا رسول اللہ! ہاں، میں نے یہ خط لکھا ہے۔ فرمایا، تم نے یہ خط کیوں لکھا ہے جبکہ ہم نے منع کیا تھا۔ عرض کیا، حضور! میں نے یہ خط اس لئے لکھا تھا کہ جتنے مہاجرین مدینے میں ہیں، ان کے اعزا و اقارب وہاں ہیں اور ان کے لئے ان کا ہونا ایک سہارا اور وسیلہ ہے۔ میں تو مکہ کا رہنے والا نہیں ہوں اور میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں۔ میں نے سوچا کہ میں مکہ والوں پر ایک احسان کر دوں اور وہ اس احسان کے بدلے میں میرے اہل و عیال کی حفاظت کریں گے اور یہ میرا یقین ہے کہ میں لاکھ خط لکھوں مگر جو فتح اللہ نے آپ کو دینی ہے، وہ اس خط سے بدل نہیں سکتی۔ میرے خط لکھنے سے آپ کا تو کچھ نہیں بگڑے گا، مگر میرا کام بن جائے گا۔

☆ حضرت عمر ﷺ بڑے غضب ناک ہوئے اور عرض کیا، میرے آقا! میں ابھی اس کی گردن اڑاتا ہوں۔ یہ حضور سے کمالِ محبت تھی کہ حکم عدولی بھی برداشت نہ کرتے تھے اور کفر و نفاق پر شدت تھی۔

☆ حضور ﷺ نے فرمایا، اے عمر یہ بدری ہے۔ ان کی کوئی لغزش قابلِ گرفت نہیں۔ لغزش ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ معاف کر

دیتا ہے۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا، میں گواہی دیتا ہوں، اس نے جو کچھ کہا، سچ کہا ہے۔

☆ حضرت عمر غصہ سے کانپ رہے تھے۔ حضور کے یہ الفاظ سن کر پانی پانی ہو گئے۔ غور فرمایئے۔ حضرت عمر کا غضب ناک ہونا اتنا متعجب نہیں ہے، وہ تو "اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ" کا مظہر ہیں۔

مومن کی علامت

☆ حضرت عمر نے ایک بار بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں عرض کیا کہ میرے آقا آپ میری جان کے علاوہ کائنات کی ہر چیز سے مجھے زیادہ پیارے ہیں۔ حتیٰ کہ اولاد سے بھی زیادہ آپ سے مجھے محبت ہے۔ سرکار نے فرمایا، اے عمر! ابھی تو مومن نہیں؟ سرکار نے توجہ فرمائی؟ حضرت عمر ﷺ نے پھر عرض کی، میرے آقا آپ تو مجھے میری جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ سرکار نے فرمایا، اے عمر! اب تو پکا مومن ہے۔

☆ سرورِ عالم ﷺ نے حضرت عمر کو فضائل اور کمالات سے ایسا نوازا کہ حضرت عمر تمام مصائب میں ساتھ رہے اور حضرت عمر مسند خلافت پر بیٹھے تو کمالاتِ رسالت کا ظہور فرمایا۔ کیونکہ یہ تمام میرے آقا کا کرم تھا۔ وہ واقعات جو حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں ظاہر نہ ہوئے، مسند خلافت پر آنے کے بعد ظاہر ہوئے۔ کیونکہ سورج کے سامنے چراغ نہیں جلتا۔ ستارے نہیں جگمگاتے۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد ابھی حضرت صدیق اکبر خلیفہ تھے کہ حضرت عمر نے اتنا بڑا کام کر دکھایا کہ امت مسلمہ اس احسانِ عظیم سے اپنی گردن نہیں اٹھا سکتی۔

تدوینِ قرآن مجید

☆ ہوا یہ کہ حضور کے زمانہ میں قرآن مجید مکمل ایک جگہ نہ لکھا گیا تھا بلکہ صحابہ میں سے ہر ایک نے قرآن مجید کے کچھ اجزاء لکھ لئے تھے اور قرآن مکمل جمع نہیں ہوا تھا۔ ہوا یہ کہ خلافت صدیقی میں معرکہ مسیلمہ کذاب ہوا۔ مسیلمہ خبیث، جھوٹا مدعی نبوت تھا۔

☆ سیدنا صدیق اکبر نے اس کے خلاف جہاد کیا۔ یعنی کہ مانعین زکوٰۃ اور مرتدین کے خلاف جہاد کیا۔ اب مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں لشکر کے ساتھ حضرت عمر موجود تھے اور صدیق اکبر نہ تھے۔ حضرت عمر نے دیکھا کہ حفاظِ قرآن ناپاک مدعی نبوت کے پیروکاروں کے اور ناپاک مرتدین کے ہاتھوں شہید ہونے لگے تو حضرت عمر یہ دیکھ کر ڈر گئے، لرز گئے کہ اگر حفاظ کرام اسی طرح شہید ہوتے رہے تو ہم قرآن پاک سے محروم ہو جائیں گے۔ کیونکہ قرآن پاک حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ لکھا ہوا قرآن موجود نہ تھا۔ فوراً صدیق اکبر کے پاس آئے اور کہا کہ حفاظ انتہائی تیزی سے شہید ہو رہے ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ قرآن ان کے سینوں میں ہے۔ کہیں ہم اس سے محروم نہ ہو جائیں۔ آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ ادھر جنگ ہو رہی ہے اور ادھر حضرت عمر حضرت صدیق اکبر سے عرض کر رہے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر نے فوراً جواب دیا اور فرمایا

یا عمر کیف افعل شیئا لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم

ترجمہ☆ اے عمر! میں وہ کام کیسے کرسکتا ہوں، جو حضور نے نہیں کیا۔

☆ حضرت عمر نے عرض کیا، میرے آقا! یہ صحیح ہے کہ حضور ﷺ نے نہیں کیا۔ مگر اس میں خیر کا پہلو ہے۔ اگر ہم نہ کریں گے تو قرآن کے بہت بڑے حصے سے محروم ہو جائیں گے۔ حضرت عمر کے اصرار پر حضرت صدیق اکبر فرماتے ہیں کہ

حتی شرح اللہ صدری کما شرح اللہ صدر عمر

ترجمہ☆ حتیٰ کہ خدا نے میرے سینے کو اس چیز کے لئے کھول دیا، جس طرح حضرت عمر کے سینے کو کھولا تھا۔

☆ حضرت عمر کا شرح صدر اس معاملہ پر پہلے ہوا اور صدیق اکبر کا شرح صدر بعد میں ہوا۔ صدیق اکبر نے حکم دیا، زید بن ثابت انصاری کو بلاؤ۔ وہ بلائے گئے۔

☆ کیونکہ زید کاتب وحی تھے، حضرت ابو بکر صدیق نے زید بن ثابت انصاری ﷺ کو قرآن جمع کرنے کا حکم دیا تو زید بن ثابت انصاری نے وہی بات کہی جو حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے کہی تھی۔

کیف تفعلون شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھو واللہ خیر فلم یزل ابو بکر یراجعنی

ترجمہ☆ اے ابو بکر و عمر تم وہ کام کیسے کرتے ہو جو حضور نے نہیں کیا۔

☆ اب صدیق اکبر نے وہی بات فرمائی کہ ''اس میں خیر کا پہلو ہے۔'' مراجعت کلام کے بعد حضرت زید بن ثابت انصاری فرماتے ہیں کہ

حتی شرح اللہ صدری للذی شرح لہٗ صدر ابی بکر و عمر

ترجمہ☆ حتیٰ کہ خدا نے میرا سینہ کھول دیا جس طرح حضرت عمر اور ابو بکر کے سینے کو کھولا تھا۔

☆ اس حدیث پاک سے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں۔ اس وقت ان پر کلام نہیں کرسکتا۔ ایک بات عرض کروں گا کہ صدیق اکبر، زید بن ثابت کا پہلے پہل بار بار انکار کرنا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صدیق اکبر، فاروقِ اعظم اور حضرت زید سنت نبوی کے پیکر تھے اور گوارہ نہیں کرسکتے تھے کہ سنت نبوی کے خلاف کوئی کام کریں۔ جب شرح صدر ہوا تو پتہ چلا کہ سنت کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ جو کام حضور نے کیا ہو بالکل وہی کیا جائے بلکہ جس کے لئے شریعت نے گنجائش دی، وہ یہ کہ جس کام کے خلاف شریعت میں حکم نہیں، وہ کام کرنا سنت کے خلاف نہیں۔ اگر اس میں خیر کا پہلو ہو۔

☆ میلاد حضور نے کب منایا تھا؟ گیارہویں شریف حضور نے کب کی تھی؟ اسی طرح قرآن کو حضور نے کب جمع کیا تھا؟

☆ اگر ایسا کام جو حضور نے نہیں کیا تو ایسے کام کو ناجائز اور بدعت سمجھ لیں تو پھر سارا قرآن بدعت قرار پائے گا اور حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت زید نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ اگر حضور کسی کام کو نہیں کر گئے اور اس کام میں خیر کا پہلو ہے تو وہ متبع سنت ہے۔ اس کو سنت کے خلاف قرار دینا درست نہیں۔ ہم سرکار پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ ہم سرکار کا میلاد پاک مناتے ہیں۔ ہم بزرگانِ دین کی روح مقدسات طیبات کو ثواب پہنچاتے ہیں اور ان کے ساتھ ہماری روحانی نسبت کا قیام ہوتا ہے۔ یہ سب فقراء، غرباء

اور محتاجوں کا بھلا ہوتا ہے۔ یہ کیا ہے؟ اس میں خیر کا پہلو ہے اور جس کام میں خیر کا پہلو ہو اور دلیل شرعی کے خلاف نہ ہو، اس کو سنت کے خلاف نہیں کہا جائے گا۔

☆ بہر حال قرآن مجید جمع ہوا اس کی بنیاد کون؟ سیدنا حضرت عمر فاروق ہیں۔ حضرت صدیق اکبر نے سوا دو سال خلافت کی اور ایسے کام سرانجام دیئے جو ہم قیامت تک سرانجام نہیں دے سکتے۔ پھر حضرت فاروقِ اعظم نے دس برس خلافت فرمائی اور ایسے ایسے کام کیے، اس کی نظیر ہم کو کہیں نہیں ملتی۔

نظامِ جہاد

☆ جہاد کے نظام میں آپ نے ساری دنیا کو فتح کیا، مشرق و مغرب تک فاروقِ اعظم نے فتح کیا۔ آپ کی فتوحات بلوچستان تک پہنچی ہیں۔ مکران تک فاروقی فوجیں آئیں۔ سیستان اور بلوچستان کے قرب و جوار کے سب علاقے حضرت عمر کے زمانے میں فتح ہوئے۔ ایران عہد فاروقی کی شمشیر خارا کی وجہ سے فتح ہوا جو آج مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ ہم فخر کرتے ہیں کہ اسلام بھی ہمارا ہے، قرآن بھی ہمارا ہے۔

☆ میرے دوستو! یہ سب فاروقِ اعظم کی اہمیت اور جلال کی نشانیاں ہیں۔ کوئی مانے یا نہ مانے میں تو یہ کہوں گا کہ یہ آپ کا جلال نہ تھا۔ درحقیقت خدا کے جلال کا ظہور تھا۔ اگر آپ فاروق اعظم کی فتوحات کا اندازہ لگائیں تو ایک ایک ماہ میں چوراسی شہر فتح ہوئے۔ ان فتوحات کا نقشہ ذرا سامنے رکھیں تو پتہ چلے گا کہ فاروقِ اعظم کا اسلام میں کیا مقام ہے! کوئی کہتا ہے فاتح اعظم سکندرِ اعظم ہے، کوئی کہتا ہے فلاں ہے، کوئی کہتا ہے فلاں ہے اور میں کہتا ہوں فاتح اعظم فاروقِ اعظم ہیں۔

نظامِ عدل

☆ فاروقِ اعظم ﷺ کے عدل کا آپ سے کیا کہوں۔ ایک مرتبہ ان کی فتوحات سے مال غنیمت آیا۔ مسجد نبوی کے فرش پر انبار لگا دیا۔ امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کو بلایا۔ آپ نے فرمایا، جو کچھ لینا چاہیں اور پھر ایک ایک ہزار درہم فاروق اعظم نے ان کو عطا فرمائے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر حاضر ہوئے اور عرض کیا، مجھے بھی عطا کیجئے۔ آپ نے فرمایا، تمہیں پانچ سو درہم ملیں گے۔ تو حضرت عبداللہ نے عرض کی اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا، تو میرا بیٹا ہے۔ امام حسن اور حسین علی کے بیٹے ہیں۔ ان کی والدہ سیدہ طاہرہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ یہ تھی عظمت اہل بیت اور عقیدت۔ حضرت عمر فاروقِ اعظم نے ہمیشہ حضور ﷺ کے اہلِ بیت کو مقدم کیا جبکہ خود خلیفہ وقت ہونے کے باوجود لباس میں چھ چھ پیوند لگے ہوتے تھے۔

☆ ۱۰ سال کی خلافت میں فقر کا یہ عالم کہ انہیں دنیا کا لالچ نہ تھا۔ ورنہ دنیا کا عیش تو کیا ہوتا۔ حالانکہ خود تاجر تھے۔ تجارت پیشہ تھے۔ ان کے لئے کوئی کمی نہ تھی۔ مگر مسند خلافت پر بیٹھے تو دو درہم یومیہ خرچ تھا جبکہ ایک درہم پانچ آنے اور دو درہم دس آنے کا بنتا ہے۔ ایسے امیر المومنین جن کی دھاک مشرق و مغرب پر تھی، پورے گھر کا خرچ دس آنے یومیہ فرمایا کرتے تھے۔

☆ یہ عدل نہ تھا تو اور کیا تھا؟ اور پھر جب روزینے مقرر ہوئے اور تنخواہیں دی گئیں تو مسلمانوں اور مجاہدین میں ایک معیار مقرر فرمایا اور ہر شخص کا روزینہ اس کے فضائل اور محامد کے مطابق فرمایا۔ لوگوں نے کہا کہ پہلے آپ اپنا وظیفہ مقرر فرمائیں۔ کہا، نہیں، پہلے میرا نام نہیں آ سکتا۔ پہلے رسول اکرم ﷺ کے خاندان کے نام آئیں گے۔ سب سے پہلے بنو ہاشم کا نام آئے گا اور بنو ہاشم میں سب سے پہلے حضرت عباس کا نام لکھا گیا، وہ آپ کے چچا تھے۔ پھر حضرت علی کا نام آیا۔ امام حسن و حسین کا نام آیا اور روزینے مقرر ہوئے۔ حضرت عباس کا روزینہ ۱۲ ہزار درہم مقرر ہوا۔ پھر اصحاب بدر اور اصحاب حدیبیہ کے نام آئے۔ اہلِ بیت کو سب سے زیادہ دیا گیا۔ ازواجِ مطہرات کے روزینے بھی مقرر ہوئے۔ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ کا روزینہ ۱۲ ہزار مقرر ہوا جبکہ حضرات اکرم کے اپنے لئے پانچ ہزار مقرر فرمائے۔ یہ عالم تھا خلیفہ کا جو شرق و مغرب پر حکم دیا کرتا تھا۔

☆ لوگوں نے حضرت عمر سے عرض کی کہ آپ ایک لباس بنالیں کیونکہ غیر ملکی وفود آتے ہیں، وہ بڑے فاخرانہ انداز میں ہوتے ہیں۔

☆ حضرت عمر نے فرمایا کہ حضور سے ایسا نہیں کیا، اس لئے میں ہرگز ایسے موقع پر نیا لباس نہ پہنوں گا۔

☆ فاروقِ اعظم کے دسترخوان پر صرف ایک کھانا ہوتا تھا۔ جو کی روٹی کھاتے تھے اور گوشت کبھی کبھی کھانے میں ہوتا تھا۔ کبھی کھجور سے کھانا کھاتے تھے۔

☆ فاروقِ اعظم کا کوئی محل نہ تھا۔ کوئی قصر نہ تھا۔ کوئی کوٹھی نہ تھی۔ لباس کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے بستر کا بھی تکلف نہیں فرماتے تھے۔ سفر میں خیمہ تک نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ حج کے سفر میں سخت گرمی کا زمانہ تھا اور سنگریزے تپتے تھے۔ فاروقِ اعظم خیمہ کی بجائے کسی درخت پر چادر ڈال لیتے تھے اور اسی کے نیچے اپنا بسیرا فرما لیتے تھے۔ آپ کا یہ عالم تھا۔ اب آپ بتائیں، اگر انہوں نے دنیا کی خاطر خلافت کی تھی تو دنیا کا عیش تو کیا ہوتا۔ اگر دنیا کا عیش نہیں کیا تو اپنی اولاد کے لئے کچھ کر جاتا۔ مگر یہ حال تھا کہ آپ کو عیش و آرام سے غرض نہ تھی بلکہ اپنی اولاد کے لئے بھی خلافت تک کے معاملہ میں عبداللہ بن عمر کا تصور تک نہ ہوا۔

محبت اہلِ بیت

☆ بے شک مولائے کائنات کے خلیفہ امام حسن بنے۔ مگر عبداللہ بن عمر حضرت فاروقِ اعظم کے خلیفہ نہ بنے۔ بے شک امام حسن کی عظمتوں کو سلام۔ ہماری آنکھوں پر وہ اہلِ بیت کے چمکتے ہوئے سورج اور چمکتے ہوئے آفتاب ہیں۔ مگر فاروقِ اعظم آپ کی عظمتوں کو جھک کر سلام کرتا ہوں کہ آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ تک کو خلیفہ نہیں بنایا اور نہ بننے دیا۔

☆ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے لخت جگر تھے۔ حضور سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے اللہ! حسن و حسین کو میں دوست رکھتا ہوں تو بھی انہیں دوست رکھ اور جو ان سے دوستی رکھے، تو ان کو بھی دوست رکھ۔

اللّٰھم انی احبھما فاحبھما واحب من یحبھما

☆ لیکن میرے دوستو علی کی مسند خلافت پر امام حسن بیٹھے مگر فاروقِ اعظم کی مسند پر ابن عمر نہیں بیٹھے۔ پتہ چلا فاروقِ اعظم کی خلافت نہ اپنے لئے تھے اور نہ اپنی اولاد کے لئے۔

رعایا کی حفاظت

☆ بہر حال عرض کروں گا کہ خلافت کے زمانہ میں آپ مجاہدین کے گھروں میں جاتے تھے۔ ایسے مجاہدین جنہیں آپ نے جہاد پر بھیجا ہوتا تھا۔ ان مجاہدین کے گھر والوں کی ضرورت معلوم کرتے تھے۔ اپنی پشت پر سامان لاد کر لے جاتے اور مجاہدین کی گھریلو ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ یا کہہ دیتے کہ اپنا کوئی غلام یا باندی ہو تو میرے ساتھ بھیجو جو ضرورت کی اشیاء مجھے بتاؤ۔ میں سب چیزیں مہیا کردوں گا۔ بعض دفعہ سامان خود اٹھاتے، کوئی دوسرا اٹھانے کی کوشش کرتا تو فرمایا کرتے کہ "قیامت کے دن تو میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اس لئے آج بھی میرا بوجھ نہ اٹھا۔" حضرت عمر اپنی رعایا کی حفاظت فرماتے تھے اور ان کی نگہداشت کے لئے گشت فرمایا کرتے تھے۔ یہ سب حضور کا کرم تھا۔ حضور کے کمالات کا ظہور تھا۔

فاروقِ اعظم کا بچپن

☆ آپ اکثر بچپن کو یاد کیا کرتے تھے۔ جب وہ اونٹ چَراتے تھے۔ والد ڈنڈوں سے مارتے تھے۔ جب خلافت کے زمانے میں وہاں سے گزرے، جہاں اونٹ چراتے تھے تو آبدیدہ ہو گئے۔ لوگوں نے پوچھا، حضرت رونے کی وجہ بتایئے۔ فرمایا، "یہ وہ جگہ ہے، جہاں میں اونٹ چَراتا تھا اور میرا باپ مجھے ڈنڈوں سے مارتا تھا۔" اور آج وہ وقت ہے کہ اللہ کے سوا مجھ پر کوئی حاکم ہی نہیں۔ یہ سب سرکار کا کرم ہے۔

☆ آپ سرکار مصطفیٰ کی آغوش میں ہیں۔ حضور نے خود فرمایا، "اللہ نے میرے دو وزیر آسمانوں میں بنائے ہیں اور دو وزیر زمین میں بنائے ہیں۔ آسمانوں کے وزیر جبرائیل اور میکائیل ہیں اور زمین کے وزیر ابوبکر و عمر ہیں۔"

☆ اس حدیث پاک سے پتہ چلا کہ حضور کی حکومت آسمانوں میں بھی ہے اور زمین پر بھی ہے۔ کیونکہ جہاں وزیر ہوتے ہیں وہاں حکومت ہوتی ہے۔ یوں نہیں ہوا کرتا کہ چین کے وزیر امریکہ میں جا بیٹھیں اور امریکہ کے وزیر روس میں جا بیٹھیں۔ جہاں جس کی حکومت ہوتی ہے، اس کے وزیر وہاں ہوتے ہیں۔ میرے آقا کی حکومت آسمانوں پر بھی ہے اور جبرائیل اور میکائیل آسمانوں پر میرے آقا کے وزیر ہیں اور ابوبکر و عمر میرے آقا کے وزیر ہیں اور ان کی سلطنت زمینوں پر بھی ہے۔ تو معلوم ہوا حضور کی سلطنت بھی ہے اور وزیر بھی یعنی حضور بھی زندہ ہیں اور ابوبکر و عمر بھی زندہ ہیں اور وزیر بھی حضوری میں حاضر ہیں اور حضور کے وزیر حضوری ہیں۔ وزیر حضوری وہ ہوتا ہے کہ جب تک بادشاہ کا دربار ہے، وزیر بھی موجود رہتا ہے۔ آپ ایمان سے بتائیں کہ حضور کا دربار موجود ہے یا نہیں موجود ہے۔ لگا ہوا ہے۔ اگر ان کا دربار بند ہو جائے تو دنیا کا کاروبار بھی بند ہو جائے۔ دربار بھی ہر وقت کھلا ہوا ہے اور وزیر بھی دربارِ حضوری میں موجود ہیں اور حضرت عمر و ابوبکر حضوری وزیر ہیں۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کی تشریح

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ o

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِیْنَ وَ الشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆ محترم حضرات! حاصل زندگی وہی لمحات ہیں جو اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی حاضری میں اور یاد میں گزر جائیں۔ اللہ کی ذات ایسی ذات ہے جس کو ماننا ضروری ہے دنیا میں اکثرت سے لوگ پائے جاتے ہیں جو خدا کو مانتے ہیں۔ لیکن خوب یاد رکھیے کہ محض اللہ کی ذات کو مان لینا ہرگز نجات کے لئے کافی نہیں ہے۔ نجات کا دارو مدار اس بات پر ہے کہ اللہ کے رسول کی دعوت کو قبول کیا جائے۔ اللہ کے رسول پر ایمان لا کر رسول کی تعلیم کے مطابق اللہ پر ایمان لایا جائے۔

☆ اگر کوئی شخص رسول کی دعوت کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دے اور محض اپنی عقل اور اپنی سوچ سمجھ کے مطابق کسی نہ کسی صورت میں خدا کی ہستی کو مان لیتا ہے تو خدا کی قسم ہرگز نجات کے لئے کافی نہیں ہے۔ جو شخص رسول کی دعوت کا انکار کرتا ہے وہ رسول کا انکار کرتا ہے۔ رسول کی ذات کو پس پشت ڈال دیا اور خدا کی ذات کو کسی نہ کسی صورت میں مان لیا ہرگز کافی نہیں ہے۔

☆ آپ شاید یہ سوچیں کہ رسول بھی تو خدا کی ذات ہی کو منوانے کے لئے آتے ہیں اور رسول کا مقصد خدا کی ذات کو منوانا ہے۔ جب کوئی شخص اصل مقصد کو لے لے تو پھر اس کی نجات ہونی چاہیئے۔ مگر یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ اصل مقصد تو خدا کی ذات کو ماننا ہے مگر کوئی شخص خدا کی ذات اور صفات کو رسول کے بغیر جان ہی نہیں سکتا۔ خدا کو کسی نہ کسی صورت میں مان لینا کوئی بڑی بات نہیں بلکہ خدا کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے جو کہ رسول کے بغیر جاننا ممکن نہیں ہے۔

☆ ہندو بھی خدا کو کسی نہ کسی صورت میں مانتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ بھی کسی نہ کسی صورت میں مانتے ہیں۔ اس لئے جب کوئی شخص اپنی عقل اور سوچ کی روشنی میں خدا کو مانے گا تو اصل میں وہ خدا کو نہیں مانے گا کیونکہ اس کی معرفت اور اس کا علم ناقص ہے۔ اس لئے وہ اس کی تصدیق ناقص ہوگی۔ ناقص تصدیق کا مدار نجات نہیں ہے۔ نجات کا مدار وہ تصدیق ہے جو کامل ہو، صحیح ہو۔ اس لئے خدا کی ذات کا صحیح علم اور معرفت رسول کے بغیر ممکن نہیں۔

ایک سوال: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی شخص نے رسول کا زمانہ نہیں پایا اور نہ اس کے پاس رسول کی دعوت پہنچی اور وہ خدا کو کسی نہ کسی صورت میں مان لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ نجات پائے گا؟

☆ اس کا جواب یہ ہے کہ علماء کرام کا فیصلہ یہ ہے اور قرآن مجید بھی کہتا ہے کہ جس کو رسول کی دعوت نہیں پہنچی اور اس نے کسی رسول

کا زمانہ نہیں پایا، وہ مجبور ہے۔ وہ اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ خدا کی معرفت حاصل کر سکے۔ کیونکہ اسے اس کی قدرت اور طاقت نہیں ہے تو جس بات پر بندے کو قدرت نہ ہو خدا اس کا حکم اپنے بندے پر نافذ نہیں کرتا۔ قرآن میں یہ فیصلہ ہے کہ

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرۃ)

ترجمہ☆ اللہ کسی بندے کو اس بات کی تکلیف نہیں دیتا جو اس کی قدرت میں نہ ہو۔

☆ تو ایسی صورت میں وہ لوگ جن تک رسول کی دعوت نہیں پہنچی یا جنہوں نے رسول کا زمانہ نہیں پایا، ان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ یہ تسلیم کر لیں، اپنی عقل کی روشنی میں عقل کی رہنمائی کے ذریعے کہ کوئی بننے والا بغیر بنانے والے کے نہیں ہوتا۔ دنیا فانی ہے، کائنات حادث ہے۔ حادث بغیر محدث کے، وجود موجد یا موجب کے بغیر نہیں ہوتا۔ مثلاً یہ لاؤڈ سپیکر ہمارے سامنے ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس کو کس نے بنایا۔ مگر یہ ضروری ہے کہ جب یہ سامنے آیا تو اس کا بنانے والا کوئی ہے۔ اسی طرح یہ کافی نہیں کہ مان لیا جائے کہ چاند ہے، سورج ہے، زمین یا نظامِ شمسی موجود ہے۔ نظامِ قمری، نظامِ فلکی، نظامِ ارضی موجود ہیں۔ یا روحانی نظام اور عالمِ تحت عالمِ حوت (حوت) کا نظام عالمِ ملکی، عالمِ امر وغیرہ کوئی نظام ناظم کے بغیر نہیں چل سکتا۔ لہٰذا کوئی چیز اور کوئی ذات ہے جو چاند، سورج کو چلاتی ہے۔ نظام ہائے عالم کو برقرار رکھتی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ

لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا

ترجمہ☆ اگر ایک نظام کو چلانے والے کے سوا کوئی دوسرا الٰہ ہوتا تو یہ نظام کب کا خراب ہو گیا ہوتا

☆ کیونکہ اگر دو خدا ہوتے تو دونوں ایک دوسرے کی مرضی کے خلاف حکم چلاتے تو نتیجہ فساد ہوتا۔

☆ سورج چاند چل رہے ہیں۔ رات دن بدل رہے ہیں۔ گرمی ہے، سردی ہے۔ یہ بہار آ رہی ہے یا بہار ہے، یہ خزاں ہے۔ زمین و آسمان ہیں۔ نباتات ہیں، جمادات ہیں، حیوانات ہیں۔ جسمانی اور روحانی نظام ہیں۔ سب کچھ بتا رہا ہے کہ کوئی ناظم ہے، جو اسے چلاتا ہے۔ عقل بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ میرا کوئی بنانے والا ہے۔ تو یہ بات ثابت ہوئی کہ جس نے رسول کا زمانہ نہ دیکھا ہو دعوتِ رسول اس تک نہ پہنچی ہو، اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ مان لے کہ میرا کوئی بنانے والا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی نجات کے لئے اتنا کافی ہے۔ باقی امور کا وہ مکلّف نہیں ہے۔

☆ اسی طرح حضور کے والدین کو ہم مومن کہتے ہیں۔ نبی کریم کے جو والدین کریمین ہیں۔ حضور کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ ایسے زمانے میں تھے، جس زمانے میں رسول کی کوئی شریعت موجود نہیں تھی۔ ان کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ بت پرست نہ تھے۔ کوئی شریعت بھی نہ تھی۔ حلال وحرام کے احکامات ان کے سامنے نہ آئے۔ عبادات، معاملات اور شرعی احکام ان کے سامنے نہ تھے۔ لہٰذا وہ کسی حکم کے مکلّف نہیں۔ ان کو اللہ نے ایک بات کی تکلیف دی ہے کہ وہ خدا کو مان لیں کہ ان کا بنانے والا کوئی ہے اور اللہ کی صفات اور معرفت کی راہیں کیا ہیں، اس کا مکلّف انہیں نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ بات رسول کے بغیر کسی کو نہیں مل سکتی۔

☆ اسی بناء پر حضور کے والدین کو ہم مومن کہتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ کسی بت کو نہ پوجیں۔ کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ چنانچہ

حضور کے والدین نے کبھی شرک نہیں کیا۔ اگر کوئی دس ہزار دفعہ مر کر پیدا ہو تو وہ یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ حضور کے والدین نے کسی بت کو پوجا ہو۔ اسی اصول پر حضور کے والدین مومن ہیں۔ باقی اس کے علاوہ کوئی اور سبیل نہیں ہے کہ رسول کی تعلیمات کے بغیر نجات ہو سکے۔ خدا کا ہر حکم نبی کی تعلیم ہے۔ رسول کی تعلیم ہے۔

☆ عزیزانِ گرامی! اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ رسول وہ ہے جس کے ذریعے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ

ترجمہ☆ وہ جس نے بھیجا رسول ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ

☆ اللّٰــه اللّٰــه اللّٰه. خدا نے اپنی معرفت کا دروازہ اپنے رسول کی ذات کو قرار دیا ہے۔ کہ میری معرفت حاصل کرنا چاہتے ہو تو میرے رسول کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

☆ ہم یہ نہیں کہتے کہ رسول کی ذات خدا سے بالا و بلند ہے (نعوذ باللّٰه) ہم ہرگز نہیں کہتے کہ خدا کا ماننا بعد کو ہے اور رسول کا ماننا اول ہے۔ اصل مقصود خدا ہی کا ماننا اور جاننا ہے لیکن رسول کے بغیر معرفت الٰہی جاننا ممکن نہیں ہے اور جن لوگوں نے اس اصول کو نہیں مانا انہوں نے حضور کے والدین کریمین کو معاذ اللّٰه مومن نہیں مانا اور میرا ایمان ہے کہ حضور کے والدین کریمین کو مومن نہ ماننے والا مومن نہیں ہے۔ مومن نہیں ہے۔ (نعرہ) مطلب یہ کہ ان کو ایمان کے انوار نصیب نہیں ہوئے جنہوں نے حضور کے والدین کے مومن ہونے کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے حقائق پر غور نہیں کیا ہے۔ ان دلائل پر غور نہیں کیا اور انکار کر بیٹھے۔ معاذ اللّٰه وہ کامل نہیں۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔

☆ اسی لئے میں یہ کہتا ہوں کہ حضور کے والدین کریمین نے چونکہ رسول کا زمانہ نہ پایا اور نہ بت پرستی کی اور نہ ہی شرک کیا۔ اس لئے وہ شریعت کے مکلّف نہ تھے مگر خدا کو مانتے تھے اس لئے وہ مومن ہیں۔ فرمانِ خدا کے مطابق وہ مکلّف نہیں یعنی لَا یُکَلِّفُ اللّٰــهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

ایمان کی کسوٹی رسول

☆ مگر آج کے اس دور میں ہم سب مکلّف ہیں کیونکہ ہم نے حضور کی دعوت سنی اور شریعت کو پایا۔ اس لئے لازم ہے کہ ہم رسول پر ایمان لائیں۔ جس کے ذریعے خدا کی معرفت حاصل ہو سکے اور یہی ایمان کی کسوٹی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سنار کے پاس ایک پتھر ہوتا ہے اور وہ اس پر سونے کو رگڑ کر دیکھتا ہے اور سونے کے کھوٹا کھرا ہونے کو پرکھتا ہے۔ جس پتھر کے ذریعے اس نے سونے کا حال معلوم کیا، اگر وہ پتھر خود ہی غلط ہو جائے تو سونے کا حال کیسے معلوم ہوگا؟

معیارِ حق

☆ رسول کی ذات معیار ہے حق کا۔ اور اگر رسول کی ذات میں غلطی ہو تو پھر وہ حق کا معیار نہیں رہتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ رسول کی ذات غلط کار نہیں ہو سکتی اور میرا یہ ایمان ہے اور اس بات پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کا پیدا کرنے والا رب گواہ ہے کہ رسول کی ذات غلط کار نہیں ہے۔ اگر ایسا ہو تو ہمیں حق نصیب ہی نہیں ہو سکتا۔

☆ رسول کی کئی حیثیتیں ہیں۔ وہ رسول ہیں، نبی ہیں اور بشر بھی ہیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ وہ بشر ہونے کی حیثیت سے معیار نہیں ہیں تو یہ غلط ہے، گمراہی ہے۔ کیونکہ رسول کی ذات رسول کی حیثیت سے حق ہے اور بشریت اور رسالت الگ الگ نہیں ہیں بلکہ جس لمحے حضور رسول ہیں، اسی لمحے بشر بھی ہیں۔ اس لئے حضور ہر حیثیت میں رسالت کے درجہ عالیہ پر فائز ہیں اور رسالت اور بشریت الگ نہیں۔ اس لئے حضور معیارِ حق ہیں کیونکہ رسول کی حیثیت سے حق ہیں بلکہ میرا ایمان ہے کہ حضور ہر حیثیت سے حق ہیں۔ بشریت کے ناطے سے بھی اور رسالت کے ناطے سے بھی آپ حق کا معیار ہیں اور بشریت و رسالت بلکہ ہر حیثیت سے رسول معیارِ حق ہیں۔ ہر امتی کے لئے رسول کے احکامات پر عمل واجب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

ترجمہ☆ بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں احسن نمونہ ہے۔

☆ اور رسول ﷺ حق کے ساتھ تشریف لائے اور معیارِ حق صرف حضور کی ذات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حضور کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے اگر اللہ کی معرفت جاننا ہے تو رسول کے در پر آؤ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ ہمیں حضور کو معیارِ حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین آمین

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نظامِ مصطفیٰ میں حدیث کی آئینی حیثیت

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

☆ محترم حضرات! ایسے ملک میں جس کی بنیاد ہی دین اور اسلام ہے اور پھر تعلیمی اداروں، یعنی سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں میں بکثرت ایسے اساتذہ موجود ہیں جو الحاد کا پرچار کر رہے ہیں۔ نوجوانوں کے دل و دماغ کو اسلام سے بیزاری اور نفرت دلائی جارہی ہے۔ یہ افسوس ہے کہ باوجودیکہ ہم آج اسلام لانے کے مدعی ہیں لیکن ہم نے اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ ہماری قوم کے جو بچے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھ رہے ہیں، ان کے ذہنوں کو اس قدر گمراہ کیا جارہا ہے کہ اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

☆ میں نہایت غم و الم کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کر رہا ہوں اور میں حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں سے جو الحاد و گمراہی پھیلا رہے ہیں، بالخصوص حضور اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ کا انکار اور اس کی آئینی حیثیت سے انکار کرنے والوں سے غفلت نہ برتے۔ انکارِ حدیث اور حدیث کی آئینی حیثیت کا انکار کرنا زہر قاتل اور دین کی جڑوں کو کاٹ دینے والا نظریہ ہے۔ اگر آج ہم نے حدیث کی آئینی حیثیت کو برقرار نہ رکھا تو دنیا کا نظام قیامت تک کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ قرآن نے خود اس حقیقت کو ہمارے سامنے بیان فرمایا کہ

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ (س الحشر: آیت ۷)

ترجمہ☆ رسول جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو۔

وَمَا نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا (س الحشر: آیت ۷)

ترجمہ☆ اور جس سے منع فرمائیں رک جاؤ۔

☆ یعنی سرکار جو دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں، رک جاؤ۔ گویا سرکار اپنے اقوال و افعال سے اور اپنے حرکات و سکنات اور اپنی نورانی اداؤں سے جو عطا فرمادیں وہ دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ

☆ فرما کر اپنے حبیب کے افعال و اقوال، حرکات و سکنات اور اداؤں کو آئینی حیثیت عطا فرمادی اور فرمایا

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

ترجمہ☆ اطاعت کرو، اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے "اَطِیْعُوْا" اور اپنے حبیب کے لئے بھی "اَطِیْعُوْا" فرمایا۔ "اَطِیْعُوْا" ایک ہی صیغہ ہے۔ اللہ کی اطاعت فرض اور رسول اللہ کی اطاعت بھی فرض ہے۔ جب تک سرکار کے قول و فعل کو آئینی حیثیت حاصل نہ ہو تو آپ کی

اطاعت قرآن وحدیث کی روشنی میں کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ آپ کا قول وفعل واجب الاطاعت ہے اور اسی قول وفعل کا نام حدیث ہے۔ لہٰذا حدیث کی آئینی حیثیت کو قرآن کی روشنی میں ماننا پڑے گا۔ ورنہ ہمیں قرآن سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا

أَطِيعُوا اللهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ

☆ دونوں جگہ "اَطِیْعُوْا" ارشاد فرما کر دونوں کی اطاعت کو ایک مرتبہ میں رکھا۔ کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کی اطاعت فرض ہے اور رسول اطاعت واجب۔ یا اللہ کی اطاعت ضروری ہے اور رسول کی اطاعت کم ضروری ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اللہ کی اطاعت کا تصور ہی قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ کے رسول اطاعت نہ کی جائے کیونکہ اللہ کی ذات کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اللہ کے کلام کو کسی نے سنا ہی نہیں اور نہ کسی پر اللہ تعالیٰ کے ارشادات نازل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کلام نازل کیا تو اپنے رسول پر۔ جو حکم دیا تو اپنے حبیب کو دیا اور فرمایا کہ میرے رسول کی اطاعت کرو۔ میں نے تمہیں کچھ نہیں دیا۔ میں نے سب کچھ اپنے حبیب کو دیا ہے۔ لہٰذا میرے حکم کی اطاعت بھی میرے رسول ہی کرائیں گے۔ اللہ نے اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا لیکن اقامت صلوٰۃ کی کوئی کیفیت، کوئی نوعیت قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مفصل طور پر بیان نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا۔ مگر نماز کی کوئی ترکیب وترتیب بیان نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے رکوع، سجود اور قیام کا حکم دیا۔ مگر رکوع، سجود اور قیام کا وقت نہیں فرمایا۔

☆ اقامت صلوٰۃ اللہ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرانا، یہ رسول کا کام ہے۔ جس طرح رسول ﷺ نے نماز پڑھی اور جس ترکیب وترتیب سے رکوع، سجود اور قیام کیا اور اقامت صلوٰۃ کی جو ہیئت ہمارے سامنے رکھی، وہی قابل قبول اور قابلِ اطاعت ہے۔ اس کے بغیر اطاعت کی کوئی صورت ہی نہیں۔

☆ محترم حضرات! میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خود رسول کے قول وفعل کو آئینی حیثیت عطا فرمائی اور یہاں تک فرمایا

☆ "فَلَا وَرَبِّکَ" "(اے محبوب!) آپ کے رب کی قسم!" "لَا یُؤْمِنُوْنَ" "وہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے" یعنی ایمان کا دعویٰ کرنے والے کبھی مومن ہو ہی نہیں سکتے۔ "حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ" "یہاں تک کہ حاکم مانیں آپ کو" کس چیز میں؟ "فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ" "ہر اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان پیدا ہو۔" یعنی ہر اس معاملہ اور مسئلہ میں اور ہر نزاع اور پریشانی والے واقعہ میں جس میں تمہیں اختلاف ہو تو اے محبوب آپ کو حاکم اور حکم مانیں اور

ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

"پھر نہ پائیں وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی ہر اس فیصلے سے جو آپ نے کیا اور بخوشی دل سے مان لیں۔" (پ۵: النساء: آیت ۶۵)

☆ یعنی اے محبوب! آپ جو کچھ فیصلہ فرما دیں وہ آپ کے ہر فیصلہ کو سن کر دل کے اندر تھوڑی سی میل بھی نہ لائیں۔ اور تجھے حاکم مان لیں ورنہ وہ مومن نہیں۔ معلوم ہوا رسول کا ہر حکم اور فیصلہ آئینی حیثیت رکھتا ہے اور وہ ایسی آئینی حیثیت رکھتا ہے کہ جو اس کی آئینی حیثیت کو تسلیم نہ کرے، قرآن مجید اس کو مومن ہی تسلیم نہیں کرتا اور یہ مناسب فیصلہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا

الا انی اوتیت القرآن ومثله معه اوکما قال

ترجمہ☆ لوگو! سن لو مجھے قرآن ہی نہیں ملا بلکہ اس کی مثل حدیث بھی عطا کی گئی ہے۔

☆ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن بھی اللہ تعالیٰ کی وحی ہے اور حدیث بھی اس کی مثل وحی ہے۔ لفظ وحی ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

☆ ہاں البتہ ایک وحی متلو ہے اور ایک غیر متلو۔ متلو اور غیر متلو ہونا اس کا لفظ وحی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ لفظ وحی کے بعد یہ دوسرا مرتبہ ہے کہ ایک وحی کی تلاوت کی جارہی ہے اور ایک وحی کی تلاوت نہیں کی جارہی ہے اور خوب یاد رکھیے کہ وحی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ لہٰذا دین کا نظام اس وحی کی بنیاد پر ہوگا۔ خواہ وحی متلو ہو یا غیر متلو یعنی قرآن ہو یا حدیث کہ لہٰذا وحی الٰہی کی حیثیت سے جو آئینی حیثیت قرآن کو حاصل ہے، بعینہٖ وہی آئینی حیثیت حدیث کو بھی حاصل ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث لفظ وحی کے اعتبار سے بلاشبہ ایک ہیں۔

شبہ اور اس کا ازالہ

☆ شاید آپ سوچیں کہ رسول اکرم ﷺ کی حدیث وحی ظنی ہے اور قرآن وحی قطعی۔ تو میں عرض کروں گا کہ یہ فرق لفظ وحی ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے ہے اور میں کہوں گا کہ اس قسم کا اگر فرق نکال کر حدیث کی آئینی حیثیت کا انکار کریں گے تو قرآن کی بھی آئینی حیثیت کا انکار ہوگا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ سارا قرآن لفظاً متواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا اور اس کے الفاظ قطعی الثبوت ہیں لیکن ان میں بعض الفاظ کے معنی قطعی الثبوت نہیں ہیں۔ تو وہاں آپ کیا کہیں گے......! وہ بھی تو قرآن ہے پھر وہ قطعی الثبوت نہ ہونے کی وجہ سے اگر اس کی آئینی حیثیت کا انکار کریں گے تو قرآن کی بہت سی سورتوں کا انکار کرنا پڑے گا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ط (س البقرۃ: آیت ۲۲۸)

ترجمہ☆ اور طلاق پانے والی عورتیں روکے رکھیں اپنی جانوں کو تین حیض۔

☆ یہ آیت قرآن ہے اور نقل متواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی جو قطعی الثبوت ہے اور آیت ''ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ'' میں لفظ ''قُرُوْٓءٍ'' کے معنی قطعی طور پر نقل ہو کر ہم تک نہیں پہنچے۔ لہٰذا ''قُرُوْٓءٍ'' کے معنی قطعی الثبوت ہم تک منقول نہیں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعی اس کو طہر پر حمل کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور ائمہ دین اس کو حیض پر محمول کرتے ہیں۔ تو لفظ ''قُرُوْٓءٍ'' ذو معنی میں مطلق ہے۔ لفظ ''قُرُوْٓءٍ'' قرآن ہے اور یقیناً منقول متواتر ہے لیکن کیونکہ اس کے معنی قطعی طور پر منقول ہو کر ہم تک نہیں پہنچے اس لئے معنی میں ظنیت پیدا ہوگئی۔ اگر ظنیت کی بناء پر حدیث کی آئینی حیثیت کا انکار کریں گے تو اس آیت کا بھی انکار کرنا ہوگا اور قرآن میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

دلائل کی قسمیں

☆ بہر حال دلائل کی کئی قسمیں ہیں

(۱) ایک دلیل شرعی جو قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت ہے۔ (۲) دوسری وہ دلیل شرعی جو ظنی الثبوت اور ظنی الدلالۃ ہوتی ہے۔

(۳) تیسری وہ دلیل شرعی جو قطعی الثبوت اور ظنی الدلالۃ (۴) چوتھی وہ دلیل شرعی جو ظنی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہے۔

☆ اس لئے احکام اربع جو غیر شرعیہ ہیں، ان میں بعض احکام ایسے ہیں کہ ان کی نقل متواتر اور ثبوت قطعی ہے لیکن معنی پر دلالت قطعی نہیں۔ ابھی میں نے عرض کیا کہ "ثَلٰثَۃَ قُرُوْءٍ" آیت ثبوت کے اعتبار سے قطعی ہے۔ مگر دلالت کے اعتبار سے قطعی نہیں ہے۔ لفظ "قُـــرُوْءٍ" کی دلالت اپنے معنی پر ظنی ہے تو اگر اس ظنیت کے لحاظ سے ہم یہ کہیں کہ اس قسم کی حدیث آئینی حیثیت نہیں رکھتی تو پھر قرآن کے معنی لفظاً متواتر کے ساتھ ہم تک نہیں پہنچے۔ لہٰذا ان سب کے اندر ظنیت کا پہلو ہے تو کیا قرآن کو آئینی حیثیت سے خارج نہیں کریں گے۔ اگر کوئی قرآن کو آئینی حیثیت سے خارج کرے گا تو اس حقیقت کو کوئی بھی تسلیم نہیں کرے گا۔ اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں حدیث آئینی حیثیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی آپ کو بتایا۔ اللہ نے صاف صاف بتایا کہ میرے حبیب جو کچھ تمہیں عطا فرمائیں خواہ قول ہو یا فعل، وہ حدیث ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کے لینے کا حکم دیا ہے۔

☆ تو معلوم ہوا کہ قرآن کی روشنی میں رسول کا ہر فعل آئینی حیثیت رکھتا ہے۔

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ"

ترجمہ ☆ تو (اے محبوب!) آپ کے رب کی قسم! وہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے، یہاں تک کہ حاکم مانیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان پیدا ہو۔"

☆ اور اے میرے محبوب جب تک آپ کو حاکم مان کر آپ کے ہر فیصلے کو بدل وجان بغیر تنبیہ قلب کے برضا تسلیم نہ کریں، وہ اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتے۔ رسول کے ہر فیصلے کا واجب القبول ہونا یہ حدیث کو آئینی حیثیت دیتا ہے۔ یہاں ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے کہ "حرجا مما قضیت" میں "ما" عام ہے یعنی آپ جو فیصلہ کردیں۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے فیصلوں میں اس بات سے پاک ہیں کہ حق کے خلاف کوئی فیصلہ فرمائیں! کیوں؟ اس لئے کہ رسول کے ہر فیصلہ کو قبول کرنا اور ہر فیصلہ کو بدل وجان ماننا اور اس پر عمل کرنا ایمان کی بنیاد ہے۔

☆ عزیزانِ محترم! میں آپ سے کیا کہوں، دل دکھتا ہے کہ ایک وہ قوم ہے جو حدیث کا انکار کر کے حدیث کی آئینی حیثیت کی منکر ہوگئی اور خود رسول کی ذات کی آئینی حیثیت کا انکار کردیا۔ یہ کون ہے؟ یہ وہ قوم ہے جو رسول اللہ ﷺ سے غلطیوں کے صدور کی قائل ہے۔ یعنی جو اس کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور رسول کی اداؤں میں، رسول کی نورانی حرکات وسکنات اور فیصلوں میں غلطی ہوسکتی ہے۔ کبھی زید بن ارقم اور عبداللہ بن ابی کے معاملہ کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں کہ رسول ﷺ نے زید بن ارقم کی تکذیب فرمائی اور عبداللہ بن ابی کی تصدیق کردی۔ حالانکہ عبداللہ بن ابی جھوٹا تھا اور زید بن ارقم سچے تھے۔ گویا (معاذ اللّٰہ!) سرکار نے غلط فیصلہ فرمایا۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ علم وعقل کی روشنی میں یہ بات قطعاً باطل ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے زید بن ارقم، فریق مقدمہ کو جھوٹا

قرار دے دیا اور عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کو مقدمے کا فریق بنا کر سچا قرار دے دیا۔ سچے کو جھوٹا قرار دینا اور جھوٹے کو سچا قرار دینا بہت بڑا جرم ہے اور رسول سے یہ فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ قرآن نے "مِمَّا قَضَيْتَ" فرمایا کہ میرے محبوب تیرا ہر فیصلہ ماننا ایمان ہے۔

☆ بہر حال حدیث کی آئینی حیثیت کو وہی مانے گا جو رسول اکرم ﷺ کو آئینی حیثیت سے تسلیم کرتا ہے اور رسول کی آئینی حیثیت کیا ہے؟

اقامه الله مقام نفسه فی امره و نهیه ووعده ووعیده

"رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے قائم مقام، نائب مطلق اور نائب برحق ہیں، ہر امر اور نہی میں اور ہر وعدہ اور وعید میں۔"

☆ یہ حضور کی آئینی حیثیت ہے اور جن لوگوں نے رسول کی آئینی حیثیت کا انکار کیا گویا حدیث کا انکار کیا۔ اگر حدیث کو مانتے تو پہلے رسول کی آئینی حیثیت کو تسلیم کرتے۔

☆ بہر حال ہمارا مذہب اور ایمان ہے کہ نظام مصطفیٰ ﷺ کی پہلی بنیاد کلام اللہ اور دوسری حدیث رسول ہے۔ قرآن و حدیث کی آئینی حیثیت کے بغیر نظام مصطفیٰ ﷺ کا تصور کوئی ذہن قبول نہیں کرسکتا۔

(نوٹ: اب حضرت امام اہلسنّت سامعین کو سوالات کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں)

سوال: اس دوران کسی پروفیسر صاحب نے سوال کیا کہ آپ کی کون سی بات قبول کریں۔ ایک وہ حدیث جو آپ بحیثیت رسول فرمائیں وہ تو قابل قبول ہے اور کیا وہ حدیث بھی قابلِ قبول ہے کہ جو آپ بحیثیت بشر فرمائیں؟

جواب: پہلے تو میں یہ عرض کروں گا کہ کیا کوئی شخص یہ بتا سکتا ہے کہ حضور کی بشریت، رسالت سے الگ تھی۔ کیا کوئی ایسا وقت دکھاؤ کہ حضور بشر ہیں اور رسول نہیں۔ یا حضور رسول ہیں اور بشر نہیں۔ تو لہٰذا حضور کی بشریت رسالت سے جدا ہو نہیں سکتی۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ حضور نے یہ بات بشریت کی جہت سے فرمائی اور یہ بات رسالت کی جہت سے فرمائی تو پھر بھی حضور کے فرمانے پر موقوف ہے۔ کوئی بھی معلوم نہیں کرسکتا کہ یہ بات کس حیثیت سے فرمائی۔ پھر بھی سرکار ہی فرمائیں گے کہ یہ بات کس جہت سے ہے۔ بشریت کی جہت سے ہے یا رسالت کی جہت سے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ ہر آن ہر بات حضور کی زبان اقدس پر موقوف ہے۔ اور میں یہ بات مانتا ہوں کہ سرکار نے بہت سی باتیں بشریت کی جہت سے فرمائیں۔

☆ لیکن یہ سمجھنا کہ وہ حدیثیں قابل عمل نہیں، بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ بشریت والی بات بھی تو حضور نے فرمائی ہے۔ درحقیقت وہ ایسی بات نہیں کہ معاذ اللہ باطل ہو اور حق کے خلاف ہو۔ بلکہ یہ حتمی بات جو سرکار نے بشریت کی جہت سے فرمائی، اس میں بہت بڑی حکمت ہے۔ اگر سرکار ہر بات رسالت کی جہت سے فرمائیں تو امت تمام احکام میں جکڑ کر رہ جائے گی۔ کیونکہ جو باتیں جن کی جہت رسالت سے ہوگی وہ تو مسلمانوں کے لئے قطعی حکم ہوگا۔ تو ان تمام امور میں امت جکڑ جائے گی لیکن سرکار تو امت کے لئے "رؤف رحیم" ہیں۔ اس لئے اپنی امت کو جکڑ بندیوں سے بچانے کے لئے کہ یہ بات بشریت کی جہت سے فرما رہا ہوں اور یہ خود

نہیں فرمارہا بلکہ اللہ کی طرف سے فرمارہا ہوں اور رسالت اور بشریت کی جہت کا فرق اس لئے نہیں کہ رسول کی حدیث میں آئینی حیثیت نہیں بلکہ اس لئے کہ امت کے لئے وسعت کی راہیں، رحمت اور رءوفی کا پہلو نکل آئے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے کہ حضور ﷺ کی ہر بات آئینی حیثیت رکھتی ہے یا نہیں، ایک حدیث سناتا ہوں اور یہ حدیث ''سنن ابوداؤد، سنن دارمی، مسند امام احمد'' میں ہے اور اس حدیث کے راوی اتنے ثقہ ہیں کہ کسی کو عیب جوئی کا ذرہ برابر بھی موقع نہیں مل سکتا اور راوی بھی بہت ہیں۔

☆ اس حدیث پاک کے راوی عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میری یہ عادت تھی کہ ''کنت اکتب کل شیء'' میں سرکار کی ہر بات لکھ لیا کرتا تھا۔'' قریش کے کچھ لوگوں نے مجھے روکا۔ ''وقالوا'' اور انہوں نے کہا ''انما بشر یتکلم فی الغضب والرضاء'' کفار و مشرکین مکہ نے کہا وہ تو بشر ہیں، کبھی غصے میں بات کرتے ہیں اور کبھی راضی ہو کر۔ میرے کریم! اب میں کیا کروں اور میرے لئے کیا حکم ہے؟ کیا میں آپ کی ہر حدیث لکھوں یا نہ؟ تو سرکار نے فرمایا، ''اکتب یا عبد اللّٰہ'' اے عبداللہ! میری ہر حدیث (بات) لکھ لیا کر۔ ''والذی نفسی بیدہ'' اس ذات پاک کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں، میری (محمد ﷺ کی) جان ہے'' ما یخرج منہ الا الحق'' اس دہن پاک سے حق کے سوا کچھ نکلتا ہی نہیں۔'' خواہ وہ بشریت کی جہت سے ہو یا رسالت کی جہت سے۔ ارے بشریت کی بات بھی تو وہی ہوگی جو رسول خود فرمائیں گے کہ میں نے یہ حکم حالت بشریت میں فرمایا اور اس میں ہماری سہولت ملحوظ خاطر ہے۔ ہمارے لئے راحت وفرحت کا پہلو بنی ہوئی ہے۔ اگر ہر بات سرکار رسالت کی جہت سے فرمائیں تو پھر ہم بہت سے احکام میں جکڑ جائیں گے اور ان پر عمل نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا کوئی بات حضور نے ''من حیث البشریت'' فرمائی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ حدیث کی آئینی حیثیت نہیں ہے بلکہ حضور کی حدیث اپنی آئینی حیثیت کو اور قوی کر دیتی ہے۔ اور کوئی سوال ہو تو فرمائیں۔

سوال: سامعین میں سے کسی نے عبداللہ بن ابی اور حضرت زید بن ارقم کے واقعہ کو دہرا کر سوال کیا کہ حضرت زید بن ارقم کے خلاف اور عبداللہ بن ابی منافق کے حق میں فیصلہ کیوں کیا گیا؟

جواب: آپ نے غور نہیں کیا۔ یہی بات تو سمجھا رہا ہوں کہ سرکار کا کوئی فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا۔ یہ واقعہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ غزوہ ''مریسیع'' میں بنو مصطلق پر فتح پانے کے بعد ایک کنواں سے پانی بھرنے کے موقع پر عبداللہ بن ابی نے کہا

لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ

''اگر (اب) ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو عزت والا ذلت والے کو وہاں سے ضرور نکال دے گا۔'' (منافقون: آیت ۸)

☆ یعنی ہم ان مکہ سے آنے والے مہاجروں کو جو معاذ اللّٰہ سب ذلیل ہیں، نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم انصاری رضی اللہ عنہ نے، عبداللہ بن ابی ابن سلول کا یہ قول سن کر، بہت ہی آزردہ خاطر ہو کر سرکار کی خدمت میں عرض کیا، ''حضور! عبداللہ بن ابی یہ کہہ رہا ہے

لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ

☆ پوری حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے ذرا غور فرمایئے تو سرکار نے عبداللہ بن ابی کو بلایا اور زید بن ارقم سے سرکار نے فرمایا، ''کیا تم کوئی گواہ پیش کر سکتے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا، ''میرے آقا میرے پاس تو کوئی گواہ نہیں۔''

☆ سرکار نے عبداللہ بن ابی سے کہا، "تو بتا، تو نے یہ الفاظ کہے یا نہیں کہے۔" تو اس نے جھوٹی قسم کھالی کہ "میں نے یہ الفاظ نہیں کہے۔" اب شریعت محمدی کا یہ اصول ہے کہ

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر

"گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور اگر مدعی گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو جائے تو مدعا علیہ پر ہے کہ وہ قسم کھالے۔"

☆ ایک مرتبہ کسی مسئلہ پر ایک یہودی اور صحابی میں جھگڑا ہو گیا۔ صحابی سرکار کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا۔ "حضور! میرا فلاں یہودی سے جھگڑا ہے۔ آپ میرا فیصلہ فرما دیں۔" سرکار نے فرمایا، "تیرے پاس کوئی گواہ ہے؟" صحابی نے عرض کیا، "حضور! میرے پاس تو کوئی گواہ نہیں۔" تو سرکار نے فرمایا، "اگر تیرے پاس کوئی گواہ نہیں تو میں اس سے قسم اٹھواؤں گا۔" تو صحابی نے عرض کیا، "میرے آقا! وہ تو بے ایمان ہے، فوراً جھوٹی قسم کھا جائے گا۔" تو آپ نے فرمایا، "جھوٹ کا وبال اس پر ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ فرمائے گا۔ لیکن دنیا میں۔"

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر

☆ گواہ پیش نہ کرنے کے بعد عبداللہ بن ابی نے یہ قسم کھائی کہ میں نے بات نہیں کہی۔ تو اب حدیث کے الفاظ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ واقعی حضور نے مجھے جھوٹا قرار دے دیا اور واقعی اسے سچا قرار دے دیا بلکہ معنے یہ ہیں کہ حضور نے میرے ساتھ وہ معاملہ کیا جو جھوٹے کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو سچے کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ اس حدیث کا مطلب ہے اور اس کی تائید میں حضرت عائشہ صدیقہ کی وہ حدیث جو بخاری شریف میں ہے، بطور شاہد پیش کرتا ہوں۔

☆ کاش بخاری شریف میرے سامنے ہوتی۔ البتہ آپ یقین فرمائیں، انشاءاللہ! میں وہی الفاظ پڑھوں گا، جو حدیث میں ہیں۔ ایک غزوہ سے واپسی پر آپ پر بہتان باندھا گیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سرغنہ تھا۔ سفر سے واپسی پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ طیبہ بیمار ہو گئیں۔ تقریباً ایک ماہ تک آپ کو اس بہتان کا علم نہ ہوا۔ جب اس بہتان کا علم ہوا تو اور زیادہ بیمار ہو گئیں۔

☆ اور دو راتیں اور ایک دن متواتر خون کے آنسو روتی رہیں۔ بڑی طویل حدیث ہے۔ المختصر، آپ ﷺ تشریف لاتے۔ حضرت عائشہ کی خیریت پوچھتے اور چلے جاتے لیکن اب کی دفعہ حضور تشریف لائے تو آپ کے قریب بیٹھ گئے۔ اس وقت آپ کی والدہ اور والد حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر بہت سے صحابہ موجود تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا

یا عائشة انه بلغنی عنك كذا و كذا فان كنت بریئة فسیبرئك الله وان كنت الممت بذنب فاستغفر الله وتوبی الیه

ترجمہ☆ "اے عائشہ! مجھے تمہارے متعلق یہ افواہ پہنچی ہے اگر تم پاک دامن ہو تو عنقریب رب العزت تمہیں بری فرما دے گا اور اگر تم گناہ میں ملوث ہو گئی ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور توبہ کرلو۔"

☆ یعنی اے عائشہ! اگر تم کسی گناہ میں آلودہ ہوئی ہو تو تم اللہ سے مغفرت طلب کرلو۔ (حضرت اقدس مذکورہ الفاظ دہرانے پر بہت مغموم ہو گئے) حضور سید عالم ﷺ کا یہ فرمانا ضروری تھا۔ ورنہ لوگ یہی کہتے کہ جن پر الزام تھا ان سے کوئی بات نہ ہوئی تو ہو سکتا تھا کہ وہ

اقرار کر لیتیں۔ لہٰذا سرکار کا مقصد تحقیق تھا کہ کوئی بات معرض خفا میں رہ نہ جائے۔ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ سرکار کا اپنا معاملہ تھا اس لئے بغیر پوچھے فیصلہ کر دیا۔

☆ کبھی تو اس لئے حضور سید عالم نور مجسم ﷺ نے کبھیں حضرت عثمان غنی اور حضرت علی سے پوچھا کبھی حضرت ربیعہ سے اور زینب بنت جحش سے پوچھا۔ حضرت عمر فاروق اور اسامہ سے پوچھا۔ سب سے حضور تصدیق و تحقیق فرماتے رہے۔

☆ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ سرکار نے تحقیق اس لئے فرمائی کہ آپ کو علم نہیں تھا۔ اللہ اکبر! سرورِ عالم ﷺ نے خود فرمایا

مابغت امرء ة نبی قط

ترجمہ☆ نبی کی بیوی اور بے حیائی کا کام کرے، یہ ممکن ہی نہیں۔

☆ کبھی نبی کی بیوی سے کفر ہو گیا اور نوح علیہ السلام کی بیوی سے بھی کفر ہو گیا۔ باوجود اس کے کہ کفر کا کام بہت بڑا گناہ ہے۔ مگر بے حیائی اور بے شرمی کا کام نہیں۔ جس کو کر کے وہ کسی کو منہ نہ دکھا سکے۔ اس لئے کبھی بھی کسی نبی کی بیوی نے بدکاری کا کام نہیں کیا۔

☆ اب اگر حضور ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بے علم اور لاعلم قرار دیا جائے تو ان باتوں میں سے ایک بات ماننی پڑے گی۔ کیا......؟ کہ سرکار نے خود فرمایا

مابغت امرء ة نبی قط

ترجمہ☆ کسی نبی کی بیوی نے بے حیائی اور بدکاری کا کام نہیں کیا۔

☆ اور یہ حضور جانتے ہیں کہ صدیقہ میری بیوی ہیں اور میں نبی ہوں تو حضور کا یہ فرمان کہاں جائے گا کہ "مابغت امرء ة نبی قط" کہ "کسی نبی کی بیوی نے کبھی بے حیائی اور بدکاری کا کام نہیں کیا۔"

☆ اگر اس کے باوجود بھی حضور کی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ کے بارے میں معاذ اللہ یہ بدگمانی ہو کہ شاید ان سے غلطی ہو گئی ہو تو پھر یا تو آپ کے منکوحہ ہونے میں شک ہو گا یا آپ کے نبی ہونے میں شک ہو گا۔ لہٰذا نہ آپ کے منکوحہ ہونے میں شک ہو سکتا ہے اور نہ آپ کے نبی ہونے میں۔ تو عائشہ صدیقہ کے بارے میں حضور کو کیسے شک ہو سکتا ہے۔ تو حضور نے اپنے علم اور ذات کے لئے تحقیقات نہیں فرمائی بلکہ شوشہ اڑانے والوں کا منہ کالا کرنا مقصد تھا۔ کہ جتنی چاہو تصدیق کر لو۔ ان سے پوچھ لو، ان سے پوچھ لو۔ مہینوں تک تحقیق کرتے رہو۔ حق، حق ہو گا۔ باطل، باطل......! اگر کسی کو کسی کے معاملات میں تنہائی کا موقع نہ دیا جائے اور تحقیقات کے لئے وقت نہ رکھا جائے تو لوگ شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگر حضور اتنی تحقیقات نہ فرماتے تو ادھر حضرت عائشہ صدیقہ کی پاکی معرض شکوک وشبہات میں پڑ جاتی اور ادھر نعوذ باللہ حضور پر اعتراض ہوتا کہ اپنی بیوی ہونے کی وجہ سے زیادہ تحقیق سے کام نہیں لیا۔

☆ بہر حال جب حضور نے پوچھا

یا عائشة انه بلغنی عنك كذا و كذا فان كنت بريئة فسيبرئك الله وان كنت الممت بذنب فاستغفر الله وتوبی اليه

"اے عائشہ! مجھے تمہارے متعلق یہ افواہ پہنچی ہے۔ اگر تم پاک دامن ہو تو عنقریب رب العزت تمہیں بری فرمادے گا اور اگر تم

گناہ میں ملوث ہوگئی ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور توبہ کرو۔

☆ رفعت و عظمت کا مجسمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے سرکار نے یہ الفاظ فرمائے تو آپ کے دل پر جو گزری وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہے کہ میں نے بڑے ضبط سے کام لیا اور میں نے کہا کہ

فلئن قلت لکم انی بریئة لا تصدقونی ولئن اعترفت لکم بامر واللہ یعلم انی منه بریئة لتصدقونی

''اگر میں یہ کہوں بھی کہ میں اس بہتان سے پاک ہوں، تب بھی لوگ میری بات کی تصدیق نہیں کریں گے اور اگر میں اس گناہ کا اعتراف کرلوں اور اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں۔ تو ضرور میری تصدیق کی جائے گی۔''

☆ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اگر میں سچی بات کہوں تو تم میری تکذیب کرو گے۔ حالانکہ سرکار ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خطاب فرمایا تھا۔ مگر انہوں نے جمع کے صیغہ کے ساتھ، صحابہ کو مخاطب قرار دے کر کہا کہ اگر میں سچ کہوں تو تم مجھے سچا نہیں مانو گے۔ اگر میں جھوٹ بولوں تو تم مجھے سچا مانو گے۔ علماء نے کہا کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ حضور، حضرت عائشہ کو جھوٹا قرار دے سکتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں سچ کہوں تو میرے ساتھ جھوٹوں والا معاملہ ہوگا۔ اگر جھوٹ بولوں تو سچوں جیسا معاملہ ہوگا۔ اور میرے جھوٹ اور سچ کو میرا اللہ بھی جانتا ہے اور اس کا رسول بھی۔ مخاطب کون ہیں؟ صحابہ کرام......اور پھر ایک حدیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ حضور! آپ نے میری طرف توجہ نہیں فرمائی اور میرے ساتھ وہ معاملہ فرمایا کہ جس کی میں مستحق نہ تھی۔ لیکن اپنے خیال میں حضور سرور عالم ﷺ کیونکہ رسول ہیں اور تمام علم و حکمت کے تقاضے آپ کے سامنے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اپنے جذبات کا مظاہرہ کیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ نہیں کہنا چاہتیں کہ معاذ اللہ مجھے جھوٹا قرار دیا گیا یا جھوٹا قرار دیا جائے گا بلکہ میرے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو جھوٹوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

☆ اور جب حضرت عثمان غنی سے پوچھا، تمہاری کیا رائے ہے تو حضرت عثمان غنی نے عرض کیا،

''اشھد انھا بریئة''

ترجمہ☆ میں گواہی دیتا ہوں، بے شک وہ پاک دامنہ ہیں۔

☆ اور شہادت علم یقینی کا نام ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے منافقین کو فرمایا

وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ (المنافقون: آیت ۱)

ترجمہ☆ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

☆ تو اللہ نے منافقین کو کیسے کاذب فرمایا؟ حالانکہ وہ تو حضور کو اللہ کا رسول مانتے تھے۔ مگر انہیں رسول ماننے پر کاذب نہیں فرمایا بلکہ

قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ (پ ۲۸: المنافقون: آیت ۱)

ترجمہ☆ (تو) کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک ضرور آپ اللہ کے رسول ہیں

☆ یعنی ان کی شہادت کی رو سے اللہ نے ان کو جھوٹا قرار نہیں دیا۔ کیونکہ شہادت علم یقینی کے اقرار کے اظہار کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا، اے محبوب! آپ کے رسول ہونے کا ان (منافقین) کے دل میں یقین نہیں ہے اور زبان سے کہہ رہے ہیں کہ

نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ

ترجمہ☆ بے شک ضرور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

☆ تو پتہ چلا شہادت علم یقینی کا نام ہے اور حضرت عثمان نے شہادت دی کہ

"اشھد انھا بریئۃ"

ترجمہ☆ میں گواہی دیتا ہوں کہ صدیقہ پاک ہیں۔

☆ سرکار نے پوچھا، اے عثمان! تیرے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ عرض کیا، میرے آقا! آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا کہ مبادا ناپاکی پڑی ہو۔ تو جس خدا نے آپ کے سائے کو ناپاکی سے بچایا، وہ آپ کے جسم کو نجاست سے کب ملوث فرمائے گا؟ لہٰذا میں شہادت دیتا ہوں کہ صدیقہ پاک ہیں۔

☆ اب ذرا غور فرمایئے حضرت عثمان غنی نے علم یقینی کا اظہار فرمایا۔ اگر یہ بات واقعی دلائل اور شرع کے خلاف تھی تو حضور، حضرت عثمان غنی کو فوراً روکتے کہ اے عثمان! ہمیں تو یقین نہیں ہے اور تم کیسے شہادت دیتے ہو؟ کیا سرکار نے حضرت عثمان غنی کو شہادت دینے سے روکا؟ نہیں روکا۔ جب نہیں روکا تو اس حدیث کی تفسیر سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عثمان کی گواہی حضور کی نظر میں کیسی تھی؟ جن کے غلاموں کو یقینی علم ہو، انکے آقا کے علم کا کیا عالم ہوگا؟ (مدارج النبوۃ ج دوم ص ۱۷۱، ۲۷۲، معارج النبوۃ رکن چہارم باب ششم ص ۱۵۱)

☆ عزیزانِ محترم! میرے عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت زید بن ارقم کا اور عبداللہ بن ابی کے بارے میں تصدقہ کے معنی یہ نہیں کہ واقعی مجھے جھوٹا قرار دیا گیا اور واقعی منافق کو سچا قرار دیا گیا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ سرکار نے میرے ساتھ جھوٹوں والا معاملہ کیا اور منافق کے ساتھ سچوں والا۔ حضور کا یہ معاملہ فرمانا الگ بات ہے اور واقعی جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا قرار دینا یہ الگ بات ہے اور زبانِ رسالت کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا قرار دے دیں۔

☆ بہرحال سرکار اس سے پاک ہیں۔ تو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کریم کے ہر فیصلے کو مظہر ایمان قرار دیا اور فرمایا

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ"

"تو (اے محبوب!) آپ کے رب کی قسم وہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے، یہاں تک کہ حاکم مانیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان پیدا ہو، پھر وہ نہ پائیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی ہر اس فیصلے سے جو آپ نے کیا۔"

☆ حضور کے ہر فیصلے کے حق ہونے پر اس آیت قرآنی نے مہر لگا دی۔ اب بھی اگر کوئی نہ مانے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کے دل پر قفل لگی ہوئی ہے۔

سوال: سامعین میں سے، غالباً کسی پروفیسر صاحب نے سرکار کا کچھ انصار کو درختوں کی تلقیح (پیوند) کرنے سے منع فرمانے اور اگلے سال پھل ٹھیک نہ آنے کے بارے میں سوال کیا۔

جواب: ارے بھائی، اس کا جواب تو میں پہلے بھی دے چکا ہوں کہ سرکار نے فرمایا، میں جو کچھ اپنی طرف سے کہوں، تم پر واجب نہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور نے جو بات فرمائی وہ حق نہیں تھی، وہ حق تھی اور اس کا جواب اس حدیث میں موجود ہے۔ آپ نے فرمایا

☆ اگر تم تلقیح کے عمل کو چھوڑ دو تو یہ تمہارے لئے اچھا ہوگا۔

☆ تو اس کے بہتر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اگر ترک کرتے رہتے تو یقیناً ان کے لئے بہتر ہی تھا۔ بہتر ہی تھا۔ لیکن اگر انہوں نے شکایت کی تو حضور نے ان کو ترک پر دوبارہ قائم ہونے کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ ایسا نہ ہو کہ تلقیح حرام ہو جائے اور پھر ان کے لئے مشکل ہو جائے۔ تو لہٰذا قیامت تک عمل تلقیح جاری رہے گا اور اسی لئے جاری رہے گا کہ سرکار نے اس پر تلقیح ترک نہیں فرمائی اور اس کا جواب وہاں موجود ہے کہ یہ بات میں نے اپنی طرف سے فرمائی ہے یعنی یہ نہیں کہ یہ حق نہیں ہے اور نہ اس میں تمہارے لئے کوئی تنبیہ کا پہلو نہیں ہے۔ اگر تم ترک تلقیح کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور ترک تلقیح نہ کرو تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ یہ بہتر ثابت نہ ہوا یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ حضور نے فرمایا کہ "ترکتم" انہوں نے مطلقاً ترک نہیں کیا اور ایک سال بعد انہوں نے شکایت کر دی تو سرکار نے ان کو مزید تلقین نہیں فرمائی کہ نہیں ترک پر جاری رہو، ترک پر جاری رہو۔ اگر ایسا فرماتے تو پھر ان کیلئے تلقیح مشکل ہو جاتی اور ترک کرنا فرض ہو جاتا اور اسی چیز کو بتانے کیلئے تو حضور نے فرمایا تھا کہ جو بات میں اپنی طرف سے کہوں، اس کا کرنا فرض نہیں۔

☆ اب اور کوئی بات فرمائیں۔

☆ بہر حال میں آپ حضرات سے یہ التماس کروں گا کہ آپ اس بات کی کوشش اور توثیق کریں کہ ہمارے تعلیمی اداروں کو ان پروفیسرز، لیکچررز، اساتذہ سے پاک کیا جائے جو ان تعلیمی اداروں میں دھریت، ملحدانہ تعلیم اور بے دینی پھیلا رہے ہیں۔ اگر حکومت ایسا نہیں کرتی تو اسلامی نظام کا نام لینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ تو ایسا ہے کہ ایک طرف کوئی عمارت بنا تا جائے اور دوسری طرف اسے کوئی گراتا جائے۔

☆ بہر حال اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ کا تیسرا پہلو

☆ محترم حضرات! قرآن مجید اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کی وہ آخری ہدایت ہے کہ جس کے بعد آسمان سے کسی مزید ہدایت کے آنے کا تصور نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تمام آسمانی ہدایتیں جو ابتداء سے لے کر زمانہ رسالت جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ تک آئیں، قرآن ان سب تعلیمات اور پیغاماتِ ربانی کا مجموعہ ہے۔ لوگ اس کو نہ سمجھیں تو اس میں نہ قرآن کا قصور ہے اور نہ ہمارا۔ قرآن نے بار بار فرمایا

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی (توبہ: آیت ۳۳)

ترجمہ☆ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔

☆ یہاں لفظ "اَلْهُــــدٰی" پر "الف، لام" ہے اور "نحو اور معنوی" اصول قواعد سے واقف لوگ تو بخوبی سمجھتے ہیں۔ مگر جو لوگ نہیں جانتے، ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ "اَلْهُدٰی" پر "الف، لام" نے "هُدٰی" کے ہر فرد کو اپنے اندر لے لیا۔ کوئی فرد ایسا نہیں رہا جو اس "هُدٰی" کے ضمن میں نہ آ گیا ہو، کون سے "اَلْهُدٰی" ہیں جس کا ذکر قرآن نے کیا اور فرمایا

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی (پ ۱۰: توبہ: آیت ۳۳)

ترجمہ☆ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔

☆ اور وہ "هُــدٰی" آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے نبیوں کو خدا نے جو ہدایات دیں، ہر ہدایت کو اپنے محبوب کے دامن میں رکھ کر بھیج دیا۔ لہٰذا کل "هُــدٰی" کا مجموعہ قرآن ہوا۔ اور اس "هُــدٰی" کا مرکز اور "هُــدٰی" کے نازل ہونے کا مقدس مقام جناب محمد ﷺ کا سینہ پاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے نبی کو لفظ "ھادی" سے تعبیر کیا ہے اور قرآن نے فرمایا، "لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ"

☆ یہاں "هَادٍ" سے مراد نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ وصحبہ وبارک وسلم کے متعلق فرمایا

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی

ترجمہ☆ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔

☆ تمام "هُــدٰی" کا مرکز و محور ذاتِ پاک جناب محمد مصطفیٰ ﷺ وصحبہ وبارک وسلم ہیں اور جو لوگ حضور کی ذاتِ مقدسہ کے متعلق یہ تصور ذہن میں رکھتے ہیں کہ وہ کسی کو "هُدٰی" نہیں دے سکتے اور پھر میں ان سے پوچھتا ہوں کہ حضور کے آنے کا وہ کیا مقصد سمجھتے ہیں؟

اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ کی تشریح

☆ قرآن کی آیت پر ہمارا ایمان ہے لیکن ان آیات کو آپس میں مت ٹکراؤ۔ ٹھیک ہے قرآن نے کہا

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ

☆ بے شک آپ (اسے) ہدایت یافتہ نہیں کرتے، جس کا ہدایت یافتہ ہونا آپ کو پسند ہو۔

☆ تو معلوم ہوا حضور جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے۔ محترم عزیزو! اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ آپ کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے تو پھر تو کوئی بات نہ تھی۔ لیکن بات یہ نہیں کہ آپ ہدایت نہیں دے سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (القصص: ۵۶)

☆ ''بے شک آپ (اسے) ہدایت یافتہ نہیں کرتے، جس کا ہدایت یافتہ ہونا آپ کو پسند ہو۔ لیکن اللہ ہدایت یافتہ کرتا ہے (آپ کے طفیل) جسے چاہے۔''

☆ اسکا کیا مطلب ہوا؟ بھئی میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جس کی ہدایت رسول اکرم ﷺ کی وجہ سے محبوب ہو اور حضور ﷺ ہدایت کو پسند فرمائیں اور اللہ تعالیٰ ہدایت کو پسند نہ فرمائے یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ قرآن نے مطلقاً ہدایت کو محبوب قرار دیا ہے اور قرآن نے کہا کہ

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ (الحجرات: آیت ۷)

☆ لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی اور اسے تمہارے دلوں میں مزین فرمادیا اور کفر اور فسق اور نافرمانی سے متنفر کر دیا۔

☆ تو پتہ چلا کہ ایمان محبوب ہے اور ایمان کو محبوب بنانے والا کون ہے؟ وہ اللہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سب سے پہلے ہدایت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب ہدایت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے تو اللہ تعالیٰ نے ابو جہل، عتبہ، شیبہ کو ہدایت کیوں نہیں دی؟ تو کیا اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دے سکتا؟ پھر تو بات ہی ختم ہوگئی۔ نہ آپ کا محبوب ہدایت دے سکتا ہے اور نہ اللہ۔ یہ تو کوئی مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا۔

☆ تو پتہ چلا کہ ہدایت کا تعلق ''حب'' سے نہیں بلکہ مشیت اور ارادے سے ہے۔ ''حب'' اور چیز ہے، مشیت اور ارادہ اور چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی گناہ محبوب نہیں ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود میں پوچھتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کا ''اذن'' نہ ہو تو کائنات کا کوئی ذرہ ہل سکتا ہے۔ ہر گز نہیں۔ لیکن اس کے باوجود کائنات میں لوگ جھوٹ بول رہے ہیں اور برائیاں کر رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو برائیاں محبوب نہیں ہیں۔ معلوم ہوا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور علم کے مطابق ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا تھا کہ ابو جہل کو جتنی بھی ہدایت کی جائے گی وہ قبول نہیں کرے گا۔ لہٰذا مشیت علم کے مطابق ہوئی اور اس کا ظہور مشیت کے مطابق ہوا۔ تو پتہ چلا ہدایت کا تعلق ''حب'' سے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا۔ کیا مطلب؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے محبوب! تو جس کو محبوب رکھے، اس کو ہدایت نہیں کرسکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کی مشیت فرمائے اس کو ہدایت دے سکتا ہے۔ اس کا مطلب کیا تھا؟

☆ مطلب یہ تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہدایت پر آنے والے نہیں ہیں، اگر حضور کی مشیت پر ہدایت رکھ دی جاتی تو پھر بھی وہ ہدایت پر نہ آتے تو اس کے بعد ہوتا کیا؟ ہوتا یہ کہ وہ لوگ یہ کہہ دیتے کیونکہ ہدایت رسول اللہ ﷺ کے علم اور مشیت پر موقوف تھی اور ابو جہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ کہتے ہمیں تو آپ کے علم نے محروم رکھا۔ اگر آپ ہماری ہدایت کی مشیت فرما لیتے تو ہم ہدایت پر آ جاتے۔ تو اس

طرح حضور ﷺ پر الزام آتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے پیارے حبیب! تجھ پر الزام ہی نہ آنے دوں گا۔ اس لئے میں نے ہدایت کا تعلق اپنی مشیت سے رکھا، تیری مشیت سے نہیں۔ اگرچہ تیری اور میری مشیت ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ (پ۲۹: دھر: آیت ۲۹)

ترجمہ☆ اور تم نہیں چاہ سکتے، جب تک اللہ نہ چاہے۔

☆ خدا کی قسم! مصطفیٰ کی وہ مشیت نہیں ہوتی، جب اللہ کی مشیت نہ ہو۔ تو اس لئے خدا کے رسول کی مشیت، خدا کی مشیت ہے اور رسول کی ذات مظہر جمال الوہیت ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ لفظ اللہ کے جمال کا ظہور لفظ محمد میں ہے۔ اگر کوئی اللہ کا جمال دیکھنا چاہے تو محمد میں دیکھ لے۔

☆ محترم حضرات! تو اب "اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ" کے کیا معنی ہوں گے۔ معنے یہ ہوں گے کہ اے پیارے حبیب! ہدایت کا تعلق "حب" سے نہیں بلکہ مشیت سے ہے اور تیری اور میری مشیت میں اختلاف نہیں ہے۔ مگر میں نے مشیت کو اپنی ذات سے متعلق کیا تا کہ لوگ آپ پر اعتراض نہ کریں اور اے میرے محبوب! لوگ مجھ پر اعتراض کر ہی نہیں سکتے۔ اس لئے کہ میں تو "سُبْحَانَ اللّٰہ" ہوں۔ اور جو "سُبْحَانَ اللّٰہ" ہو اس پر اعتراض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک اخباری خبر پر تبصرہ

☆ کل ایک بیان میں آیا کہ نظامِ مصطفیٰ کی اصطلاح غلط ہے بلکہ اسے نظام الٰہی کہنا چاہیے۔ اس لئے کہ ہم مسلمان ہیں، محمدی نہیں۔ مجھے یہ بیان پڑھ کر بڑا دکھ ہوا اور میرا ایمان ہے کہ جب تک ہم محمدی نہ ہوں، ہم مسلمان ہو ہی نہیں سکتے اور نہ مسلمان کے معنی صرف یہ لئے جائیں کہ جو خدا کو مان لے تو وہ مسلمان ہے۔ اور میرا ایمان یہ ہے کہ جب تک کوئی مصطفیٰ کو نہ مانے اس وقت تک وہ خدا کو مان ہی نہیں سکتا اور وہ مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ بھی اس بارے میں یہ فرمائیں کہ یہ ٹھیک نہیں ہوا اور میں بھی یہ کہتا ہوں کہ یہ ٹھیک نہیں ہوا۔ ہاں البتہ اس شخص نے ہم پر احسان ضرور کیا کہ اس نے نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ دلائل قائم کر کے انتہائی ظالم اور جابر کے ظلم و جبر کی زنجیروں کو کاٹنے کے لئے ہماری مدد کی ہے۔ ہم اس کے ممنون ہیں۔ اس کا ہم انکار نہیں کرتے۔ مگر اس کا یہ کہنا کہ ہم محمدی نہیں۔ تو اس نے یہ ٹھیک نہیں کہا۔

☆ بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مرکز ہدایت قرار دیا اور اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ حضور ہدایت نہیں دے سکتے اس کا مطلب یہ ہے کہ

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ

☆ کیونکہ ہدایت کا تعلق مشیت سے ہے اور مشیت اس کی ہے جو خالق "اِھْتِدَاء" ہے۔ اور جو مشیت خالق "اِھْتِدَاء" کی ہوگی وہی مشیت مصطفیٰ کی ہوگی۔ واللّٰہ باللّٰہ ثم تاللّٰہ مصطفیٰ کی مشیت خالق "اِھْتِدَاء" کی مشیت سے مختلف ہوتی ہی نہیں۔ باقی "اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ" کے معنی صاف ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ ہدایت قبول کرے گا، اس کے لئے ہدایت پانے کی صورت پیدا

کر دیتا ہے۔

☆ تو صفت "اِھْتِدَاء" کیا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ جس میں ہدایت یافتہ ہونے کی صلاحیت پیدا کرے گا، وہی ہدایت قبول کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے پیارے محبوب! یہ خلق "اِھْتِــدَاء" میرا کام ہے۔ اگر یہ کام تیرا ہو تو جس کو ہدایت نہیں ملے گی وہ اعتراض کرے گا۔ میرے پیارے مجھے تیرے حق میں اعتراض گوارہ نہیں۔

☆ "اِنَّکَ لَا تَھْــدِیْ" کے معنی واضح ہو گئے اور یہ قرآن ہے اور میرا قرآن کے ایک ایک لفظ پر ایمان ہے لیکن میرے محترم عزیزو! قرآن میں فقط ایک ہی آیت تو نہیں ہے اور بھی تو بہت سی آیتیں ہیں۔ ان کو بھی ذرا دیکھنا پڑے گا کیا یہ قرآن نہیں۔

اِنَّکَ لَتَھْدِیْ کی تشریح

☆ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (پ الشعرا: آیت ۵۲)

ترجمہ☆ (اے محبوب!) بے شک آپ ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرماتے ہیں۔

☆ رہا طریق ارسال المطلق یہ خود معتزلہ کی اصطلاحیں ہیں اور جو اہلِ حق ہیں ان کا مقام ان سے بہت اونچا ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ

اراء الطریق ثواب بعین طریق الثواب

☆ ہدایت کے حقیقی صریح معنی ہیں اور اہلِ سنت کہتے ہیں کہ "خلق الاھتداء" ہدایت کے حقیقی صریح معنی ہیں۔ اب "اِنَّکَ لَا تَھْــدِیْ" کے کیا معنی ہوئے؟ یہاں یہ حقیقت صریحاً میں مستعمل ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے کہ اے میرے محبوب! "خــلــق اھتداء" میرا کام ہے اور جس کیلئے میں "خلق اھتداء" فرمادوں اس کو ہدایت دینا تیرا کام ہے۔ یہاں اسی لئے کہ

اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

☆ اے پیارے حبیب! تخلیق میں کر رہا ہوں اور تقسیم تو کر رہا ہے۔ یعنی تخلیق میرا کام ہے اور تقسیم تیرا کام ہے۔ اس لئے ساری نعمتیں اور ہدایتیں قرآن میں جمع ہیں اور قرآن تمام سابقہ کتب آسمانی کا جامع ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مرکزِ ہدایت حضور کی ذات کو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام سابقہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات و کمالات کو حضور کی ذاتِ اقدس میں جمع فرما دیا اور تمام شریعتوں کے کمالات حضور کی شریعت میں جمع ہیں۔ یعنی شریعت محمدی جامع الشرائع ہے اور قرآن جامع الکتاب ہے اور حقیقت محمدیہ تمام حقائق کائنات کی جامع ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰاھُمُ اقْتَدِہْ

ترجمہ☆ یہ وہی لوگ ہیں، جن کو اللہ نے ہدایت دی تو آپ (بھی) ان کے طریقے پر چلیں۔" (آیت ۹۰: سورۂ انعام)

☆ میرے محبوب! یہ تمام انبیاء جن کا ذکر ہم نے قرآن میں کیا ہے اور وہ جن کا ذکر نہیں کیا سب کو میں نے "ھُــدٰی" دی ہے اور نبوت کی سیرت ان کے اندر رکھی ہے۔ "ھَدَی اللّٰہُ" اور "فَبِھُدٰاھُمُ اقْتَدِہْ" ۔ میرے محبوب! تو آخری نبی ہے اور وہ سب کے سب

آپ سے پہلے آ گئے ہیں۔ اب تو سب کے بعد آ کر ہر ایک نبی کی سیرت دکھا کر چلا جا کیونکہ "فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ" اللہ اکبر! اور لوگوں نے کہا کہ اے محبوب! تو سب نبیوں کا مقتدی بن جا۔ یعنی حضور مقتدی اور تمام انبیاء امام! کیسی عجیب بات ہے کہ مقتدی موجود ہو اور امام نہ ہوں یعنی سب انبیاء آ کے چلے گئے اور پھر لطف کی بات یہ کہ لاکھوں امام ہوں اور مقتدی ایک ہو۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر امام ہیں اور ایک سرکار مقتدی ہوں۔ یہ عجیب فلسفہ ہے۔ یہ بات عقل میں بھی نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ نے آقا ﷺ کو یہ فرمایا کہ "فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ" اس کا کیا مقصد ہے؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح میرے محبوب امام آگے ہوتا ہے اور صفوں میں مقتدی پیچھے ہوتے ہیں۔

☆ زمانہ کے اعتبار سے وہ انبیاء پہلے آ کے چلے گئے اور تو زمانہ کے اعتبار سے آخر میں آیا اور سب کے آخر میں آیا تو جو کمال ہر نبی اپنے دور میں دکھا کے چلا گیا ہے۔ پیارے حبیب تو اپنے دورِ نبوت میں ہر نبی کا کمال دکھا دے۔ اسی لئے قرآن نے فیصلہ کیا

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

"(اے محبوب!) فرما دیجئے، اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو۔ اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔"

یعنی اگر اللہ سے محبت ہے تو مصطفیٰ کے پیچھے چلو۔ ان کے پیچھے چلنا ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر کے پیچھے چلنا ہے۔

قومی اتحاد

☆ محترم حضرات! میں اتنی بات عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرو کہ جو اتحاد باقی رہ گیا ہے، اللہ تعالیٰ اسے باقی رکھے اور اللہ پھر بہت جلد وہ وقت لائے کہ نظامِ مصطفیٰ کے جلوے نظر آئیں اور جو لوگ ہم سے الگ ہو گئے ہیں اس سے ہمیں بڑا دکھ ہوا اور پھر ان کا یہ کہنا کہ ہم نے محض بھٹو کو ہٹانے کے لئے اتحاد کیا تھا، چنانچہ ہمارا مقصد پورا ہو گیا۔ تو معلوم ہوا ان کا مقصد اقتدار حاصل کرنے کے سوا کچھ تھا ہی نہیں۔ تو میں حیران ہوں۔

اسلامی جہاد ہونے کا فتویٰ

☆ محترم حضرات! لاہور میں تحریک نظامِ مصطفیٰ کے اسلامی جہاد ہونے کا سب سے پہلے فتویٰ فقیر نے دیا تھا۔

☆ تیس، بتیس علماء سب موجود بیٹھے تھے اور دلائل پر غور کر رہے تھے تو ان علماء کی موجودگی میں، میں نے فتویٰ جہاد مرتب کیا اور سب نے اس پر اتفاق کیا۔ مگر ہمارا مقصد کیا تھا اور ہم نے تحریک کی حمایت کیوں کی تھی؟ اس لئے نہیں کہ صرف بھٹو ہٹ جائے بلکہ ہمارا مدعا اور مقصد یہ تھا کہ نظامِ مصطفیٰ آ جائے۔ مگر لوگ نظامِ مصطفیٰ آنے سے پہلے ہی ہم سے جدا ہو گئے۔ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ کچھ ساتھی ملتان سے لاہور کا ٹکٹ لے کر گاڑی پر سوار ہو جائیں مگر ان میں ایک شخص ساہیوال پر اتر جائے تو معلوم ہوا، وہ شخص تمہارا ساتھی نہیں تھا۔ تو اچھا ہی ہو گیا کہ وہ اتر گیا ورنہ راستے میں نہ جانے وہ کیا خرابی مچاتا اور میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ جس کے دل میں نظامِ مصطفیٰ کے لئے کھوٹ ہے تو وہ چلا جائے اور کوئی بھی ہمارے ساتھ نہیں رہے گا تو یقین جانیے کہ اہلِ سنت کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ ان شاء اللہ خود ہی میدان کے اندر کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر ہم سب متحد ہو جائیں تو پھر ہمیں مزید کسی اتحاد کی ضرورت نہیں۔ لیکن مجھے دکھ ہے کہ اتحاد کے ساتھ رہے، نظامِ مصطفیٰ کا نام لیتے رہے، مگر جب اقتدار کا وقت آیا تو نظامِ مصطفیٰ نہیں۔ تو پھر تم نے یہ نام کیوں لیا؟ ہمارا

مقصد نظامِ مصطفیٰ کے سوا اور کچھ نہیں۔ بلکہ میں نے کئی مرتبہ کہا ہے کہ جس شخص کو آج خدا نے اس کی بداعمالیوں، بدکرداریوں اور مظالم کی وجہ سے اقتدار سے محروم کردیا ہے، اگر اس کے ہاتھوں سے نظامِ مصطفیٰ نافذ ہوجاتا تو واللّٰہ باللّٰہ ثم تاللّٰہ کسی تحریک چلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم کسی کرسی اور اقتدار کے بھوکے نہیں ہیں اور نہ ہم کوئی رخنہ اور فساد ڈالنا چاہتے ہیں۔ ہم تو خدائے قدوس کی ذات پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارے دل میں کسی قسم کا کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ اگر نظامِ مصطفیٰ کے لئے کسی کے دل میں ذرّہ برابر بھی کھوٹ ہے تو ہمیں ضرور چھوڑ کر چلا جائے۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! ہمیں متحد کردے۔ اگر ہم متحد اور متفق ہوگئے تو اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شاملِ حال ہوگی اور پھر نظامِ مصطفیٰ ہمیں نصیب ہوجائے گا۔ اے اللہ! ہم گنہگار، عاجز اور روسیاہ ہیں۔ تو کریم رؤف رحیم ہے۔ ہمارے حال پر رحم فرما!

یااَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ